المامون

مولانا
شبلی نعمانی مرحوم

بفرمائش شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری گیٹ لاہور

قومی پریس لاہور۔ باہتمام میر امیر بخش منیجر

المامون کی فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

نحمدہٗ ونستعینہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم - یہ نہایت سچا مقولہ ہے کہ وہ قوم نہایت بدنصیب ہے جو اپنے بزرگوں کے اُن کاموں کو جو یاد رکھنے کے قابل ہیں بھلا دے یا انکو نہ جانے بزرگوں کے قابل یادگار کاموں کو یاد رکھنا اچھا اور برا دونوں طرح کا پھل دیتا ہے - اگر خود کچھ نہ ہوں - اور نہ کچھ کریں اور صرف بزرگوں کے کاموں پر شیخی کیا کریں - تو استخوان جد فروش کے سوا کچھ نہیں - اور اگر اپنے ہیں ویسا ہونے کا چسکا ہو تو پھر وہ امرت ہے - مگر ہم وہ کریں یا یہ کریں یہ تو پچھلی بات ہے - پہلے ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ وہ دلچسپ حالات اور پر فخر واقعات ہم کو ملیں کہاں سے ؟ ہماری تاریخیں اُس زمانہ کی لکھی ہوئی ہیں جس میں زمانہ نے تاریخ نویسی کے فن کو پوری طرح پر ترقی نہیں دی تھی - اسلیئے ہمارے بزرگوں کے کاموں کے گوہر آبدار کہیں بکھرے پڑے ہوئے ہیں - اور کہیں کوڑے کرکٹ میں رلے ملے ہیں ایک نہایت لائق شخص کا کام ہے جو اُن کو چنے اور لڑی میں پرو کر سجائے +

ہم کو نہایت خوشی ہے کہ ہمارے دوست مخدوم اور ہمارے مدرستہ العلوم کے پروفیسر مولانا مولوی **محمد شبلی نعمانی** نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا ہے اور ایک سلسلہ ہیروز آف اسلام کا لکھنا چاہا ہے - اُسی سلسلہ میں کی ایک یہ کتاب ہے جو **المامون** کے نام سے موسوم ہے - اُنہوں نے خلفائے بنی عباس میں سے مامون الرشید بن ہارون الرشید کو عباسی خلفاء کا ہیرو قرار دیا ہے - اور اُسکے تمام کارنامے اچھے یا بُرے نہایت خوبی اور بے انتہا خوش اسلوبی سے اس میں لکھے ہیں +

تاریخانہ واقعات لکھنے چنداں مشکل نہ تھے - مگر وہ باتیں جنکے لکھنے کا اُس زمانہ کے مورخوں کو بہت کم خیال تھا - یا اُنکی قدر نہیں کرتے تھے اور اس زمانہ میں انہیں کی تلاش اور انہیں کی قدر کی جاتی ہے - تلاش کرنی مشکل تھی - مولانا نے اسمیں پوری یا جہانتک ممکن تھی کامیابی حاصل کی ہے - پہلے حصہ میں انہوں نے تاریخانہ واقعات لکھے ہیں اور

نہایت خوبی اور اختصار سے دکھایا ہے کہ خلافت کا سلسلہ کیونکر اور کیوں خاندان بنی امیہ کو برباد کر کے عباسی خاندان میں پہنچا اور کیا اسباب جمع ہوئے جس سے امین اُس کا بھائی محروم اور مقتول اور خود مامون تمام مملکت اسلامی کا مالک الملک لاشریک لہٗ بن گیا +

جا بجا واقعات دلچسپ سے بھی اس حصہ کو آراستہ کیا ہے۔ جس کے سبب سے یہ سوکھا اور پھیکا تاریخانہ حصہ نہایت دلچسپ ہو گیا ہے +

دوسرے حصہ میں انتظام سلطنت۔ آمدنی مملکت۔ فوجی انتظام عدالت اور اُس کی جزئیات کو جہاں جہاں سے ملیں چن چن کر ایک جگہ جمع کیا ہے۔ اور مامون کی خصلت اور اُس کی سوشیل حالت اُسکی پرائیویٹ زندگی اُسکے مشغلوں اور اُسکی مجلسوں کا ذکر کیا ہے اور اُس زمانہ کی زندگی اور طرز معاشرت کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ یہ حصہ نہایت ہی دلچسپ ہے شان اور عظمت اور جلال خلافت کے ساتھ ایسی ایسی سادہ اور بے تکلف باتوں سے بھرا ہوا ہے کہ اس سے اُسکو اور اُس سے اِسکو رونق ہوتی ہے +

اس حصہ میں لطائف و ظرافت کے ساتھ علمی اور خصوصًا علم ادب کے ایسے ایسے نکتے مذکور ہیں جو ادیب کیلئے سرمایۂ ادب اور ظریف کیلئے سرمایۂ ظرافت ہیں +

اِسقدر جزئیات کو تلاش کرنا اور نظم اسلوب سے ایک جگہ جمع کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ مصنف نے کوئی بات ایسی نہیں لکھی جسکا حوالہ معتبر ماخذ سے نہ دیا ہو۔ ہر ایک جزوی بات پر بھی اُس کتاب کا جس سے وہ بات لی گئی حوالہ دیا ہے۔ اُسکے حاشیوں پر جسقدر کتابوں کے حوالے ہیں۔ ان کو دیکھکر اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے میں کس قدر جانکاہی ہوئی ہوگی۔ اور مصنف کو کتنے ہزاروں ورق تاریخوں کے الٹنے پڑے ہونگے۔ اور اسی کے ساتھ جب یہ خیال کیا جائے کہ مصنف نے اُن جزئیات کو ایسی کتابوں سے تلاش کر کے نکالا ہے۔ جن کی نسبت خیال بھی نہ ہوتا تھا۔ کہ اُن میں مامون کے حالات ہونگے تو اُس محنت کی وقعت و قدر اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے +

یہ کتاب اردو زبان میں لکھی گئی ہے اور ایسی صاف نوشتہ اور برجستہ عبارت ہے کہ دلی والوں کو بھی اُس پر رشک آتا ہوگا +

اردو زبان نے بہت کچھ ترقی کی ہے مگر اس بات کا بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے کہ ہر فن کے
لئے زبان کا طرز بیان جداگانہ ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں ناول (قصہ) اور ناول میں تاریخانہ
طرز گو کیسی ہی فصاحت اور بلاغت سے برتا گیا ہو۔ دونوں کو برباد کرتا ہے +

لارڈ مکالی جو انگریزی زبان کا بے نظیر ادیب ہے اُسکے تاریخانہ مضمون کسی سے باعتبار
فصاحت و بلاغت کے اپنا نظیر نہیں رکھتے۔ مگر ایشیائی اور شاعرانہ طرز ادا سے تاریخانہ
اصلیت کو بہت کچھ نقصان پہنچانے والے ہیں +

ہمارے لائق مصنف نے اسکا بہت کچھ خیال رکھا ہے اور باوجود تاریخانہ مضمون
ہونے کے ایسی خوبی سے اس کو ادا کیا ہے کہ عبارت بھی فصیح اور دلچسپ ہے اور تاریخانہ اصلیت
بدستور اپنی اصلی صورت پر موجود ہے۔ جو خوبصورت ہے خوبصورت ہے جو بھونڈی ہے
بھونڈی ہے۔ نہ خوبصورتی کو زیادہ خوبصورت بنایا ہے اور نہ بھونڈے پن کو زیادہ بھونڈا
اور درحقیقت یہی کمال تاریخ نویسی کا ہے +

اس کتاب کا حق تصنیف مصنف نے اپنی فیاضی اور قومی ہمدردی سے مدرستہ
العلوم علی گڑھ کو عطا کیا ہے +

پہلا ایڈیشن اس کتاب کا اسی سال میں کمیٹی مدرستہ العلوم نے کمیٹی کے فائدے
کیلئے چھاپا اور سب فروخت ہوگیا۔ اور لوگوں کی طلب باقی رہی۔ میں نے کمیٹی کی طرف سے
اُس کے فائدے کیلئے دوسرا ایڈیشن نکالنے کا ارادہ کیا۔ اور اُس کیلئے یہ دیباچہ لکھا۔
مگر مجھکو مصنف کا دوبارہ شکر ادا کرنا پڑا کہ اُنھوں نے مہربانی سے پہلے ایڈیشن پر
نظر ثانی کی اور بعض نہایت مفید اور ضروری مضامین اس میں اضافہ کیئے اور حکمائے عہد
مامون میں بالتخصیص نہایت مفید اضافہ کیا۔ مجھکو اُمید ہے کہ یہ ایڈیشن پہلے ایڈیشن
سے بھی زیادہ مطبوع طبع ہوگا +

سید احمد خان
سکرٹری کمیٹی مدرستہ العلوم علی گڑھ
۱۲ اکتوبر ۱۸۸۹ء

۷۸۶

رائل ہیروز آف اسلام

یعنی

نامور فرمانروایانِ اسلام

کا

پہلا اور دوسرا حصّہ

المامون

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں تمہید۔ ترتیب۔ خلافت مامون الرشید کی ولادت تعلیم و تربیت۔ ولیعہدی۔ تخت نشینی خانہ جنگیاں فتوحات ملکی اور وفات کے حالات ہیں۔ دوسرے حصّے میں اُن مراتب کی تفصیل ہے۔ جن سے اُس عہد کے ملکی حالات اور مامون الرشید کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ نیز اُن تمام کارناموں کی تفصیل ہے جنکی وجہ سے مامون الرشید کا عہد عموماً شاہان عالم کے عہد سے علمی حیثیت میں ممتاز تسلیم کیا گیا ہے :-

"مرتبہ مولانا شبلی نعمانی مرحوم"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زمانہ کے انقلاب سے مسلمانوں کی **قومی خاصیتیں** گو بہت کچھ بدل گئیں اور بدلتی جاتی ہیں۔ تاہم اپنی قومی تاریخ کے ساتھ جو دلچسپی اور شغف اُنکو پہلے تھا۔ اب بھی ہے جس طرح قومی روایتوں کے محفوظ رکھنے میں وہ ہمیشہ نام آور رہے ہیں آج بھی گذشتہ تاریخ کی طرف اُن کو وہ جوش التفات ہے کہ اُس سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔ فرق ہے تو یہ ہے کہ اب سے سو برس پہلے جو زبانیں ہماری ملکی اور قومی زبانیں تھیں اُن میں زمانہ کے امتداد اور اسلامی حوصلہ مندیوں نے قومی تاریخ کے بے انتہا ذخیرے مہیا کر دیئے تھے جس کا یہ اثر تھا کہ افسانوں کی طرح یہ روائتیں عام لوگوں میں پھیل گئی تھیں اور قصہ طلب جملے اس کثرت سے ان زبانوں میں داخل ہو گئے تھے کہ ہمارے لٹریچر کا ہر جملہ گویا قومی تاریخ کا ایک مختصر سا متن تھا لیکن آج جو زبان (اردو) ہماری عام ضرورتوں کی کفیل ہے اسکے خزانے میں قومی تاریخ کا جس قدر سرمایہ ہے ضرورت سے بہت کم ہے۔ ہندوستان کی بہت سی تاریخیں لکھی گئیں اور مغلیہ و تیموریہ کے کارنامے بڑی آب و تاب سے دکھائے گئے لیکن یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان کی مجموعی تاریخ بھی ہماری قومی تاریخ کا ایک بہت چھوٹا حصہ ہے۔ اسلام کو تیرہ سو برس سے کچھ اوپر ہوئے اس وسیع مدت میں اُس کی فتوحات

کہاں کہاں پہنچیں۔ کس کس کو اُس نے تاج و تخت دیا۔ کتنی سلطنتیں قائم کیں۔ کبھی بنو امیہ کو عروج ہوا۔ کبھی عباسیہ کا ستارہ چمکا۔ آج دیلم نے تاج حکومت سر پر رکھا۔ کل سلجوق کا علم اقبال بلند ہوا۔ کبھی ایوبیہ نے روم و شام کے دفتر اُلٹ دیئے۔ کبھی ملثمین اُٹھے اور یورپ کو پامال کر آئے۔ اگرچہ یہ خاندان مختلف ملک اور مختلف نسل سے تھے۔ لیکن اسلامی اتحاد نے ان سب کو ایک قوم کہکر پکارا اور انہیں کے رزم بزم کے کارنامے ہماری قومی تاریخ بن گئے جن کو اردو زبان میں ڈھونڈنا چاہیں تو کہاں ڈھونڈیں؟

اردو زبان کی یہ کم مایگی کچھ محل تعجب بھی نہیں۔ اردو اگرچہ دیکھتے دیکھتے ترقی کے بہت زینے طے کر گئی اور قریب ہے کہ وہ ایک علمی زبان کے رتبہ تک پہنچ جائے لیکن علماء کا گروہ جو عربی زبان اور عربی تصنیفات کا مالک تھا۔ اور اسوجہ سے تاریخی ذخیرے بھی گویا خاص اُسی کے قبضۂ اختیار میں تھے۔ اُس کی طرف مطلقاً ملتفت نہ ہوا۔ تصنیف و تالیف تو ایک طرف ہمارے علما اس زبان میں خط و کتابت کرنا بھی عار سمجھا کئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو کچھ اس تیزی سے بڑھی کہ بہت سے لوگ اور خصوصاً یہ سادہ مزاج گروہ اسکی رفتار ترقی کا اندازہ بھی نہ کر سکا۔ چونکا تو اُسوقت جب وہ (اُردو) ملک کی انشاپردازی اور عام تصنیفات پر پورے اقتدار کے ساتھ قابض ہو چکی تھی اور میرا تو خیال ہے کہ اُن میں بہت سے اب تک وہی صحراے عرب اور بہارستان فارس کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ موجودہ نسلیں جنہوں نے حال کی آب و ہوا میں پرورش پائی۔ البتہ اردو کا حق سمجھتے ہیں اور انکی دلی خواہش ہے کہ اپنی ملکی زبان کو ترقی کے اعلےٰ رتبہ پر پہنچائیں۔ اسی کا اثر ہے کہ ملک میں اردو انشاپردازی کا ایک عام جوش پھیل گیا ہے اور ہر طرف سے نئی تصنیفات کی صدائیں آرہی ہیں۔ لیکن چونکہ زمانہ کی پرپیچ ضرورتوں نے اس نئے گروہ کو بہت کم موقع دیا کہ عربی زبان پر دسترس پا سکے۔ اسلئے عربی تصنیفات سے وہ فائدہ نہ اٹھا سکا۔ اور قومی تاریخ کے اصلی خزانے اسکی آنکھوں سے چھپے رہ گئے۔ مجبورانہ یہ زور اور ایجاد پسند طبیعتیں جو کسی طرح نچلی نہیں بیٹھ سکتی تھیں۔ تذکروں اور ناولوں پر جھکیں جس سے

اتنا ضرور ہوا کہ اردو کی وسعت کا ایک قدم اور آگے بڑھا۔ لیکن افسوس اور عبرت کی جگہ ہے کہ زبان عربی اور فارسی کو ہٹا کر ہماری علمی اور قومی زبان بنی۔ وہ اُسی خاصہ سے محروم رہ گئی۔ جو قائم مقامی کی حیثیت سے اُس کا ذاتی حق تھا۔ یہی ایک چیز ہے جو قومی فیلنگ اور قومی جوش کو زندہ رکھ سکتی ہے اور اگر یہ نہیں تو قوم قوم نہیں ÷

انہی خیالات کی بنا پر ایک مدت سے میرا ارادہ تھا کہ اسلامی حکومتوں کی ایک نہایت مفصل اور بسیط تاریخ لکھوں لیکن مشکل یہ تھی کہ نہ میں تمام خاندانوں کا استقصاء کر سکتا تھا نہ کسی خاص سلسلہ کے انتخاب کی مجھکو کوئی وجہ مرجح ملتی تھی۔ آخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ رائل ہیروز آف اسلام (یعنے نامور فرمانروایان اسلام) کا ایک سلسلہ لکھوں جس کا طریقہ یہ ہو۔ کہ اسلام میں آجتک خلافت وسلطنت کے جتنے سلسلے قائم ہوئے اُن میں سے صرف وہ نامور انتخاب کر لئے جائیں جو اپنے طبقہ میں عظمت حکومت کے اعتبار سے اپنا ہمسر نہ رکھتے تھے۔ اور انکے حالات اس ترتیب و جامعیت سے لکھے جائیں کہ تاریخ کے ساتھ لائف کا مذاق بھی موجود ہو۔ جن خاندانوں کو میں نے اس غرض کے لئے انتخاب کیا ہے اُنکے نام یہ ہیں:۔

خاندان یا سلسلہ	ہیرو یعنے وہ نامور جو اپنے خاندان یا سلسلہ میں سب سے ممتاز ہے	خاندان یا سلسلہ	ہیرو یعنے وہ نامور جو اپنے خاندان یا سلسلہ میں سب سے ممتاز ہے
خلفائے راشدین	حضرت عمرؓ۔ خلیفہ دوم	خلفائے سلجوقیہ	ملک شاہ
بنو امیہ	ولید بن عبد الملک	نوریہ	نور الدین محمود زنگی
عباسیہ	مامون الرشید	ایوبیہ	سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس
بنو امیہ اندلس	عبد الرحمن ناصر	موحدین اندلس	یعقوب بن یوسف
بنو حمدان	سیف الدولہ	ترکان روم	سلیمان اعظم

ان خاندانوں کے سوا اور بھی بہت سے اسلامی خاندان ہیں جو تاج و تخت کے مالک ہوئے۔ مگر میں نے انکو دانستہ چھوڑ دیا ہے۔ ان میں سے بعضوں کے متعلق (مثلاً غزنویہ۔ مغلیہ۔ تیموریہ) تو اس

وقت ہماری زبان میں متعدد تصنیفیں موجود ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ شان حکومت یا وسعت سلطنت کے اعتبار سے اُن کو یہ رتبہ حاصل نہیں کہ ہیروز کے مغرز دربار میں ان کے لئے جگہ خالی کی جائے +

یہ حصہ جو میں قوم کے سامنے پیش کر رہا ہوں مامون الرشید عباسی کی تاریخ ہے اور اسی مناسبت سے اُس کا نام **المامون** ہے۔ اس بات کا مجھ کو بھی افسوس ہے کہ چند مجبوریوں کی وجہ سے اس سلسلہ میں ترتیب کی پابندی نہ کرسکا۔ اور خلفائے راشدین و بنوامیہ کو چھوڑ کر پہلے اُس خاندان کو لیا۔ جو ترتیباً تیسرے نمبر پر تھا۔ آیندہ بھی شاید میں ترتیب کی پابندی نہ کرسکوں لیکن یہ قطعی ارادہ ہے کہ اگر زمانہ نے مساعدت اور عمر نے وفا کی۔ تو اس سلسلے کے کل حصے جس طرح ہوسکے گا پورے کرونگا +

مامون الرشید کے تاریخی حالات کے متعلق عربی میں جسقدر مشہور اور مستند تاریخیں ہیں خوش قسمتی سے اکثر اس حصہ کی ترتیب کے وقت میرے استعمال میں ہیں لیکن میں علانیہ اعتراف کرتا ہوں کہ موجودہ زمانہ میں تاریخ کا فن ترقی کے جس پایہ پر پہنچ گیا ہے اور یورپ کی دقیقہ سنجی نے اُس کے اصول و فروع پر جو فلسفیانہ نکتے اضافہ کئے ہیں اسکے اعتبار سے ہماری قدیم تصنیفات ہمارے مقصد کیلئے بالکل کافی نہیں +

تاریخ کبیر ابوجعفر جریر طبری[1]۔ مروج الذہب مسعودی[2]۔ کامل بن الاثیر جزری ابن خلدون ابوالفداء۔ دول الاسلام ذہبی۔ تاریخ الخلفاء سیوطی۔ عیون والحدائق۔ اخبار الدول قرمانی۔ تاریخ ابن واضح کاتب عباسی۔ فتوح البلدان۔ بلاذری[3]۔ معارف بن قتیبہ۔

---

[1] یہ نہایت مستند اور ضخیم تاریخ ہے۔ ابن اثیر و ابن خلدون اور ابوالفداء کا اصلی ماخذ یہی کتاب ہے۔ سترہ جلدوں میں بمقام ہالینڈ نہایت اہتمام سے چھاپی گئی اور ہنوز ناتمام ہے [2] تاریخ کامل مطبوعہ مصر کے حاشیہ پر چھپی ہے اور نہایت مشہور اور مفید تاریخ ہے + [3] بلاذری نہایت قدیم مورخ ہے خلیفہ متوکل باللہ عباسی المتوفی ۲۴۷ھ کے عہد میں موجود تھا اسکی تاریخ جرمن میں چھپی ہے +

اعلام الاعلام - النجوم الزاہرۃ یہ وہ مبسوط اور مستند تاریخیں ہیں - جو اسلامی تاریخوں میں ممتاز خیال کی جاتی ہیں - اور دولت عباسیہ یا خاص مامون الرشید کے حالات سے آگاہی کا ذریعہ - اس سے بڑھکر اور کیا ہوسکتا ہے لیکن ان تمام تاریخوں کو پڑھ کر اگر یہ معلوم کرنا چاہو کہ فلاں عہد میں طریق تمدن اور طرز معاشرت کیا تھا حکومت اور فصل مقدمات کے کیا آئین تھے - خراج ملک کیا تھا - فوجی قوت کس قدر تھی - ملکی عہدے کیا کیا تھے - تو ان باتوں سے ایک کا پتہ لگنا بھی مشکل ہوگا - خود فرمانروائے وقت کے طور وطریقے اور عام اخلاق وعادات کا اندازہ کرنا چاہو تو وہ جزئی حالات اور مفید تفصیلیں نہ ملیں گی جن سے اس کی اخلاقی تصویر ایک بار آنکھوں کے سامنے پھر جائے جن واقعات کو بہت بڑھا کر لکھا ہے اور ہزاروں صفحے اسکی نذر کر دیئے ہیں وہ صرف تخت نشینی - خانہ جنگیاں - فتوحات ملکی - اندرونی بغاوتیں عمال کے عزل ونصب کے حالات ہیں یہ واقعات بھی کچھ ایسے عامیانہ طریقے پر جمع کر دیئے ہیں نہ انکے اسباب وعلل کا مرتب سلسلہ معلوم ہوتا ہے - نہ اُن سے کسی قسم کے دقیق تاریخی نتیجے مستنبط ہو سکتے ہیں ●

مثلاً اسی مامون الرشید کے عہد میں بہت سی بغاوتیں ہوئیں - ان کے متعلق جس تاریخ کو اٹھالو نہایت تفصیلی حالات ملیں گے - لیکن اگر یہ تحقیق کرنا چاہو کہ کس قسم کے اندرونی واقعات نے ان بغاوتوں کو پیدا کیا تھا اور انکے نشو ونما کی وہ ابتدائی اور تدریجی رفتار جس پر عوام تو کیا خواص کی نگاہیں بھی نہ اُٹھیں کب شروع ہو چکی تھی - تو یہ تاریخی دفتر بہت کم مدد دینگے اور تم کو تمام تر اپنے اجتہاد سے کام لینا پڑے گا - تاریخ عالم کا ہر واقعہ بہت سے مختلف واقعات کے سلسلے میں بندھا ہے انہیں پیشہ دوانیوں کا پتہ لگانا اور اُن سے فلسفیانہ نکتہ سنجی کے ساتھ تاریخی نتائج کا مستنبط کرنا یہی چیز ہے جو علم تاریخ کی جان اور روح ہے اور یورپ کو اس فن کے متعلق جو اختراع وایجاد پر زیادہ تر ناز ہے وہ اسی طلسم کی پردہ کشائی ہے اس سے میرا یہ مقصد نہیں کہ اگلے مصنفوں کی کوشش پر نکتہ چینی کروں -

اُن لوگوں نے جو کچھ کیا موجودہ اور آیندہ نسلیں ہمیشہ اُسکی ممنون رہیں گی۔ لیکن زمانہ کا ہر قدم آگے ہے کون کہہ سکتا ہے کہ ترقی کی جو حد کل مقرر ہو چکی تھی آج بھی قائم رہے گی ؟

اسکے علاوہ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ ہر زمانہ کا مذاق مختلف ہے۔ جن باتوں کو قدمانے اس خیال سے نظر انداز کر دیا۔ کہ یہ جزئی اور عام معمولی باتیں تصنیف کی متانت کے شایاں نہیں آج انہیں کی تلاش ہے کہ اُس عہد کی عام معاشرت اور طرز زندگی کا اُن سے اندازہ کیا جائے ۔ اسی ضرورت سے میں نے اس کتاب کے دو حصے کئے۔ پہلے حصے میں وہی معمولی واقعات ہیں۔ جو عموماً تاریخوں میں مل سکتے ہیں یعنی **مامون** کی ولادت ولیعہدی تخت نشینی۔ خانہ جنگیاں ۔ بغاوتیں۔ فتوحات ملکی ۔ وفات ۔ **دوسرے** حصہ میں اُن مراتب کی تفصیل ہے جن سے مامون کے پولٹیکل انتظامات اور سوشیل حالات کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے ۔ اگرچہ اس خاص حصہ کی ترتیب کے وقت واقعات کی تلاش و جستجو میں میں خاص تاریخی تصنیفات کا پابند نہ تھا۔ تراجم طبقات ۔ مقامی جغرافیئے۔ سفرنامے نقشجات غرض جہاں سے جو بات ملی ۔ اخذ کی۔ تاہم اس بات کی سخت احتیاط کی کہ جو کچھ لکھا جائے نہایت صحیح اور مستند تاریخی روایتوں سے لکھا جائے +

"ناظرین اس موقع پر حصۂ دوم جہاں سے شروع ہوا ہے اسکی تمہید بھی ملاحظہ فرماویں"

مامون الرشید کی اصلی تاریخ شروع کرنے سے پہلے مناسب ہو گا کہ ہم مختصر طور پر دولت عباسیہ کے قیام کے ابتدائی حالات لکھیں۔ عام مورخوں نے عباسیہ کے ظہور اقبال اور بنوامیہ کے زوال کا زمانہ قریباً ساتھ ساتھ خیال کیا ہے اور اُن مشہور واقعات سے بھی جو شہرت عام کی روشنی میں چمک رہے ہیں۔ یہی گمان ہوتا ہے کہ عباسیوں کو اپنی رقیب سلطنت کی بربادی میں بہت کم عرصہ لگا۔ لیکن تاریخی اصول کے لحاظ سے کسی طرح خیال میں نہیں آسکتا کہ ایک ایسی پُر زور سلطنت ایسے فوری صدمے سے دفعتہً زیر و زبر ہو جائے ۔ یہ بات بھی کم تعجب کی نہیں کہ جب خلافت کے دعوے میں ہمیشہ پیغمبر صلعم کا قرب زیادہ موثر سمجھا جاتا

تھا۔ تو عباسیہ اور سادات کے ہوتے۔ بنو امیہ کیونکر اس منصب پر قابض ہو گئے۔ ان باتوں کے سمجھانے کیلئے ہم خلافت کے اجمالی سلسلہ کو اس ترتیب سے لکھتے ہیں جس سے وہ تمام عقیدے خود بخود حل ہو جاویں۔ جو ان خلافتوں کی پولٹیکل حیثیتوں کے متعلق تاریخی فلسفہ کے راز ہیں

خلافت کا اجمالی سلسلہ بنی ہاشم و بنی اُمیّہ کی حریفانہ طاقتیں۔ بنو امیہ کی سلطنت۔ ہاشمیوں کی کوششیں دولت عبّاسیہ کا آغاز

آنحضرت صلعم سے پہلے عرب کی تمام قوت و شوکت کا اصلی مرکز قریش کا قبیلہ تھا۔ لیکن قریش کے بھی دو برابر حصّے ہو گئے تھے[ل] - ہاشم و اُمیّہ اور جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے صاف تصریح کر دی ہے جمعیت اور ملکی اقتدار میں بنو اُمیّہ کا پلّہ بنو ہاشم سے بھاری تھا۔ البتہ آنحضرت صلعم کے وجود مبارک سے بنو ہاشم فخر اور اعزاز میں اپنے حریفوں سے نمایاں طور پر ممتاز ہو گئے۔ آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد۔ جب خلافت کی نزاع پیدا ہوئی تو گو فوری طور پر صدیق اکبرؓ پر اتفاق عام ہو گیا۔ لیکن بنو ہاشم دیر تک اپنے اِدّعا پر اُڑے رہے۔ اور ان کو اپنی ناکامی پر تعجب اور افسوس دونوں ہوئے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بعد شاید بنی ہاشم کے دعوے نئے سر سے پیش ہوتے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی باضابطہ ولیعہدی نے اس کا موقع نہ دیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے قریب چھ شخصوں کو چُنا جنکی حاکمانہ لیاقتیں اُنکے نزدیک ایسی مساویانہ درجہ رکھتی تھیں۔ کہ وہ کسی کے حق میں ترجیح کا فیصلہ نہیں کر سکے۔ حضرت علیؓ بھی انتخاب شدہ لوگوں میں شامل تھے اور گو حضرت عباسؓ نے اُن کو یہ ہدایت کی کہ وہ اپنی خلافت کو بخت و اتفاق کے ہاتھ میں نہ دیں بلکہ بغیر کسی کی اعانت کے آپ اپنے استحقاق کا فیصلہ کر لیں۔ لیکن جناب امیرؓ کی بے غرضی اور فیاض دلی نے

[ل] قریش آپ بھی چھوٹے چھوٹے حصّے ہو گئے تھے لیکن برابر کے حریف صرف یہی دو تھے۔ ۱۲

اس خلاف انگیز تحریک کے قبول کرنیکی اجازت نہ دی اور جب عبدالرحمن بن عوف نے جو اس نزاع کے طے کرنیکے لئے ثالث مقرر ہوئے تھے حضرت عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ تو حضرت علیؑ نے صبر جمیل کیا اور تن بہ تقدیر راضی ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ خاندان بنو امیہ سے تھے۔ اور ان کی خلافت ایک نئے تاریخی سلسلہ کا دیباچہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نہ ہاشمی تھے نہ اموی۔ اسلئے ان کے عہد تک بنو امیہ و ہاشم یہ دونو خاندان خلافت میں کچھ حصّہ نہ رکھتے تھے۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت میں تمام بڑے بڑے ملکی عہدے بنی امیہ کے ہاتھوں دیدیئے امیر معاویہؓ پہلے بھی شام کے گورنر تھے۔ لیکن اس عہد میں اُن کا اقتدار اس حد تک پہنچ گیا کہ شام کے فرمانروائے مستقل سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عثمان کی خلافت قریبًا بارہ برس رہی اور اگرچہ اخیر میں اسی خاندانی رعایت پر لوگ اُن سے ناراض ہو گئے۔ اور ان کی شہادت تک نوبت پہنچی لیکن اس وسیع مدت میں بنی امیہ کا خاندان ملکی و مالی دونو حیثیت سے نہایت طاقتور ہو گیا جس کا یہ اثر تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کے عہد میں امیر معاویہؓ نے ہمسری کا دعویٰ کیا۔ اور اگرچہ ذاتی فضائل و مذہبی تقدس میں اُن کو حضرت علیؓ سے کچھ نسبت نہ تھی تاہم ایک مدت تک وہ مساویانہ طاقت کے ساتھ جناب امیر کے حریف رہے اور جنگ کا جو اخیر فیصلہ ہوا وہ بھی گویا انہیں کے حق میں ہوا۔

اب اسلام میں ہاشمی اور اموی دو طاقتیں حریف مقابل بنکر قائم ہوئیں اور انکی باہمی معرکہ آرائیوں کی مسلسل تاریخ شروع ہو گئی۔ امام حسن علیہ السلام نے گو مصلحتہً خلافت سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اور بظاہر امیر معاویہؓ کی حکومت بیداغ رہ گئی۔ لیکن اُسی زمانہ میں آل ہاشم و شیعگان علی نے حضرت امام حسین کو خلیفہ کرنا چاہا اور جب انہوں نے انکار کیا تو اُن کے علاتی بھائی محمد بن حنفیہ کے ہاتھ پہ خفیہ بیعت کی۔ اور اکثر شہروں میں نقیب مقرر کئے۔ حضرت امام حسینؑ کے جانکاہ واقعہ کو ہم دوہرانا نہیں چاہتے۔ افسوس ہے کہ اس عبرت انگیز حادثہ نے خاندان نبوت کی تمام زندہ یادگاریں مٹا دیں اور ایک مدت کیلئے یہ توقع جاتی رہی کہ اس مقدس گھر سے خلافت کی صدا بلند ہو۔ یزید

کے مرنے کے بعد محمد بن حنفیہ کا گروہ شاید اپنے مخفی راز سے پردہ اٹھا دیتا لیکن ہاشمیوں ہی میں عبداللہ بن زبیر دوسرے دعویدار ہو گئے اور اپنی مشہور شجاعت و الوالعزمی سے حجاز و اطراف عرب میں مستقل حکومت قائم کر لی اس زمانہ میں بنو امیہ میں سے مروان بن حکم نے جو حضرت عثمانؓ کا چچازاد بھائی تھا اور انکا میر منشی رہ چکا تھا ۶۴ھ میں شام و مصر پر قبضہ کر لیا اور وہ گو خود بہت کچھ کامیاب نہیں ہوا۔ لیکن اُسکے بیٹے عبدالملک نے جو ۶۵ھ میں تخت نشین ہوا اس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی جو دولت بنی امیہ کے مہیب لقب سے مشہور ہے۔ عبداللہ بن زبیر مکہ معظمہ میں قلعہ بند ہو کر شہید ہوئے۔ اور تمام دنیائے اسلام باستثنا عبدالملک کے قبضۂ اقتدار میں آگئی۔ یہ حکومت جسکو اموی کی بہ نسبت مروانی کہنا زیادہ موزوں ہے قریباً ۸۰ برس تک قائم رہی۔ اور اسی قلیل مدت میں دس شخص تخت نشین خلافت ہوئے۔ اس خاندان میں عبدالملک و ولید و سلیمان و ہشام۔ نہایت عظمت و اقتدار کے بادشاہ گذرے۔ صرف ولید کی فتوحات پر اگر لحاظ کیا جاوے تو دولت عباسیہ اپنی چھ برس کی زندگی میں اُسکی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ اس عہد میں حدود اسلامی کا دائرہ اسقدر وسیع ہو گیا تھا کہ سندھ و کابل و ایران و ترکستان و عرب و شام و ایشیائے کوچک و اسپین اور تمام افریقہ اسمیں داخل تھا۔ باایں ہمہ بنی ہاشم اپنی کوششوں میں برابر سرگرم تھے اور مختلف وقتوں میں بڑے زور شور سے مقابلہ کو اٹھے۔ اگرچہ ولید و ہشام کے پرزور ہاتھوں نے سلطنت کو ہر خطرہ سے بچا لیا لیکن بنیاد حکومت میں کسی قدر تزلزل پیدا ہو گیا۔ اور جب اُس عظمت و اقتدار کے فرمانروا اُٹھ گئے تو حکومت مروانی کا ڈھیچر بالکل ڈھیلا پڑ گیا۔ اُس وقت تک خلافت کی کوششیں صرف سادات اور علوئین کی طرف سے ہوتی رہیں۔ عباسی خاندان اب تک بظاہر ایک گمنامی کی حالت میں تھا۔ علوئین میں سے عبداللہ جو محمد بن حنفیہ کے بیٹے اور حضرت علیؓ کے پوتے تھے اپنے پیروؤں کی ایک تعداد کثیر رکھتے تھے۔ اور خراسان و ایران میں جابجا اُن کے خفیہ نقیب مقرر تھے سنہ ۱۰۰ھ میں انکو زہر دیا گیا اور چونکہ انکے کوئی اولاد نہ تھی اور نہ سادات میں اُسوقت کوئی صاحب اثر شخص موجود تھا۔

اسلئے وہ محمد بن علی کو جو حضرت **عباس** (رسول اللہ صلعم کے عم بزرگوار) کے پرپوتے تھے اپنا جانشین کر گئے۔ اسی طرح علویین کی مجتمعہ قوت عباسی خاندان کی طرف منتقل ہوگئی گویا یہ پہلا دن تھا کہ دولت عباسیہ کی بنیاد کا پتھر رکھا گیا۔ آل عباس کے نقبا تمام عراق و خراسان میں پھیل گئے۔ اور ۱۰۲ھ و ۱۰۵ھ و ۱۰۷ھ و ۱۰۹ھ و ۱۱۸ھ میں انکی طرف سے نمایاں کوششیں عمل میں آئیں۔ بعض اوقات حکام بنی امیہ پر یہ سازش کھل گئی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جن لوگوں پر شبہ ہوا وہ گرفتار ہوکر قتل کر دیئے گئے۔ اس اثنا میں کبھی کبھی علویین نے بھی علم خلافت بلند کیا مثلاً ۱۲۱ھ میں زید بن علی و ۱۲۵ھ میں یحیی بن زید نے اپنی حوصلہ مندی کے جوہر دکھائے اور میدان جنگ میں داد شجاعت دیکر مارے گئے۔ یہ لڑائیاں ان دعویداروں کو تو کچھ مفید نہ ہوئیں مگر عباسیوں نے اُس سے یہ فائدہ اٹھایا کہ انکے حریف بنی اُمیہ کی فوجی طاقت کو سخت صدمے پہنچے۔ ۱۲۶ھ میں محمد بن علی کا انتقال ہوگیا۔ اور انکے بیٹے ابراہیم امام باپ کے جانشین ہوئے ۱۲۷ھ میں ابراہیم کو **ابومسلم خراسانی** ایک عجیب و غریب شخص ہاتھ آیا جس نے اپنے حسن تدبیر اور زور بازو سے اس کام کو انجام تک پہنچا دیا۔ اور بانئے دولت عباسیہ کے لقب سے مشہور ہوا۔ اپنی طرف سے سینکڑوں نقیب مقرر کئے اور تمام اطراف میں بھیجے۔ طرفداران آل عباس کے لئے سیاہ لباس یا ایک سیاہ دھجی بطور نشان کے مقرر کی۔ ان نقیبوں نے خراسان فارس کے تمام اضلاع میں خفیہ سازشوں کے جال پھیلا دیئے۔ اور ایک خاص دن ٹھیر گیا کہ اس تاریخ کو ہوا خواہان آل عباس جہاں جہاں ہوں دفعتہً اٹھ کھڑے ہوں۔ رمضان کی ۲۵ تاریخ ۱۲۹ھ شب پنجشنبہ سفیدنج ایک گاؤں میں جو ہرات کی نواحی میں ہے۔ ابومسلم نے خلافت عباسیہ کی عام منادی کر دی۔ اور ابراہیم کے بھیجے ہوئے علموں پر جنکا نام ظل و سحاب تھا سیاہ پھریرے آویزاں کئے۔ ہر طرف سے لوگ جوق جوق آتے تھے۔ اور ظل و سحاب کے نیچے جمع ہوتے جاتے تھے۔ ابومسلم نہایت کامیابی کے ساتھ فتوحات حاصل کرتا ہوا خراسان کی طرف بڑھا۔ اور عمال بنی امیہ کو پے در پے شکستیں دیں۔ اس زمانہ میں بنو امیہ کا اخیر فرمانروا مروان الحمار

تخت نشین حکومت تھا۔ خراسان کے گورنر نے اسکو نامہ لکھا کہ "آل عباس میں سے ابراہیم نے علم خلافت بلند کیا اور ابومسلم خراسانی جو انکا نقیب ہے خراسان کے اضلاع پر قبضہ کرتا جاتا ہے"۔ ابراہیم امام اسوقت حمیمہ میں تھے اور ان کی فوجی جمعیت جو کچھ تھی آن سے بہت دور خراسان کے فتوحات میں مصروف تھی۔ مروان نے بلقاء کے عامل کو لکھا کہ ابراہیم کو پا بہ زنجیر کرکے دارالخلافہ روانہ کرے۔ چونکہ ان کے ساتھ کچھ جمعیت نہ تھی۔ بغیر کسی دقت کے گرفتار کر لیئے گئے۔ چلتے چلتے اپنے عزیزوں سے کہتے گئے کہ کوفہ چلے جائیں اور ابوالعباس سفاح کو (جو انکے حقیقی بھائی تھے) خلیفہ بنائیں +

سفاح نے کوفہ پہنچ کر جمعہ کے دن ۱۲۔ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو خلافت کا اعلان کیا اور بڑے تزک و احتشام سے مسجد جامع میں جاکر خلافت عباسیہ کا نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ ادہر ابومسلم نے سمرقند طخارستان۔ طوس۔ نیشاپور۔ رے۔ جرجان۔ ہمدان۔ نہاوند پر فوجیں بھیجیں اور یہ تمام ممالک عباسیوں کے علم اقبال کے سایہ میں آ گئے۔ شہر زور پہ خود مروان کے بیٹے عبداللہ سے مقابلہ ہوا۔ اور ابوعون نے جو ابومسلم کا ایک فوجی افسر تھا۔ عبداللہ کو شکست فاش دی۔ یہ خبر سنکر مروان ایک فوج عظیم کے ساتھ جو تعداد میں لاکھ سے زیادہ تھی اور جس میں بنو امیہ کا تمام شاہی خاندان شریک تھا ابوعون کے مقابلہ کو بڑھا۔ ادہر سفاح نے محمد بن علی اپنے چچے کو ابوعون کی مدد کو بھیجا مروان نے شکست کھائی اور مصر کو روانہ ہوا۔ چند روز بھاگتا پھرا۔ اور آخر ۲۸۔ ذوالحجہ ۱۳۲ھ کو بوصیر (مصر کا ایک شہر ہے) کے گرجے میں محصور ہو کر مارا گیا اور اس کے قتل کے ساتھ مروانی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اسکے بعد عباسیوں نے بڑی سفاکی کے ساتھ قتل عام شروع کیا اور بالاتفاق ٹھیر گیا کہ خاندان بنی امیہ کا ایک بچہ دنیا میں زندہ نہ رہنے پائے۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کا پتہ لگایا جاتا تھا۔ اور قتل کر دیئے جاتے تھے اس پر بھی عباسیوں کا جوش انتقام کم نہ ہوا خلفائے بنی امیہ یعنی امیر معاویہؓ یزید عبدالملک ہشام کی قبریں اکھڑوا ڈالیں اور اگر ایک ہڈی بھی ثابت مل گئی تو آگ میں جلا دی۔ اس ہنگامہ میں

بنو اُمیّہ میں سے ایک شخص عبد الرحمٰن نام۔ اندلس (اسپین) کو بھاگ گیا اور زور بازو سے وہ عظیم الشان حکومت قائم کرلی جس کو آل عباس ہمیشہ رشک کی نگاہ سے دیکھا کئے اور کچھ نہ کرسکے۔ عباسیوں کی خلافت پانسو چوبیس برس تک قائم رہی اور اس مدت میں ۳۷ تخت نشین گذرے۔ مامون جس کا حال ہم لکھنا چاہتے ہیں اس خاندان کا چھٹا خلیفہ تھا۔ ذیل کے دو شجروں سے خلافت و نسب کی ترتیب معلوم ہوگی:۔

شجرۃ النسب

- حضرت عباس عم رسول اللہ صلعم
  - عبد اللہ مشہور صحابی ہیں
    - علی۔ المتوفی ۱۱۸ھ نہایت جمیل اور صاحب وجاہت تھے۔
      - محمد المتوفی ۱۲۶ھ
        - سفاح دولت عباسیہ کا پہلا خلیفہ ہے۔ ۱۳۲ھ میں تخت نشین ہوا۔
        - منصور ۱۳۶ھ میں تخت نشین ہوا

شجرۃ الخلافت

- سفاح
- منصور دوانیقی سفاح کا بھائی تھا +
- مہدی بن منصور ۱۵۸ھ میں تخت نشین ہوا
- ہادی بن مہدی ۱۶۹ھ میں تخت نشین ہوا
- ہارون الرشید بن المہدی ۱۷۰ھ میں تخت نشین ہوا
- مامون الرشید بن ہارون الرشید

ہارون الرشید بڑی عظمت شان کا خلیفہ گذرا۔ شاہزادگی کے زمانہ میں روم پر لشکر کشی کی۔ اور پے در پے فتحیں کرتا ہوا خلیج قسطنطنیہ تک پہنچ گیا۔ سریر خلافت پر بیٹھا۔ تو اسلام کے ملکی حدود اس قدر وسیع کر دیئے کہ دولت عباسیہ میں کبھی نہیں ہوئے تھے قیصر روم نے چند بار خراج دینے سے انکار کیا۔ مگر اُس نے ہر بار شکست دی قیصر کے پایۂ تخت ہرقلہ[۱] کو برباد کر دیا۔ اور بزور یہ شرط لکھوائی کہ پھر کبھی آباد نہ کیا جائے گا۔ شاہان

---

[۱] ایشیائے کوچک میں ایک نہایت آباد اور مشہور شہر تھا۔ یونانی خاندان جو اس ملک میں قیصر کہلاتا تھا۔ اسکا پایۂ تخت یہی شہر تھا۔ معمولی تاریخ اسکو ہرقلہ کہتے ہیں اب ویران ہوکر ایک معمولی شہر رہ گیا ہے +

وشوکت اور علم وہنر کی سرپرستی نے ہارون الرشید کی شہرت کو اور بھی چمکایا۔ اسکی قدردانی کی نداے عام نے دلوں میں وہ شوق اور حوصلے پیدا کر دیئے کہ زمانہ کے تمام اہل کمال دربار میں کھنچ آئے۔ اور آستانۂ خلافت علوم وفنون کا مرکز بن گیا۔ خود بھی نہایت طباع اور قابل تھا۔ اسکی علمی مجلسیں ادبی تصنیفات کی جان ہیں۔ حق یہ ہے کہ اگر اُس کا دامن انصاف برامکہ کے خون سے رنگین نہ ہوتا۔ تو ہم اُسکے ہوتے عباسیوں میں سے کسی فرمانروا کو انتخاب کی نگاہ سے نہ دیکھ سکتے۔ مامون جس کے حالات ہم اس کتاب میں لکھنا چاہتے ہیں۔ اسی **ہارون** کا فرزند **رشید** تھا۔

مامون کی ولادت اور تعلیم وتربیت

ربیع الاول ۱۷۰ھ میں پیدا ہوا۔ اسکی ولادت کی رات بھی عجیب رات تھی۔ جس میں ایک خلیفہ (ہادی) نے وفات پائی۔ دوسرا (ہارون الرشید) تخت نشین ہوا۔ تیسرا (مامون) عالم وجود میں آیا۔ خلیفہ مہدی نے وصیت کی تھی کہ "میرے بعد ہادی تخت نشین ہو۔ اور اسکے بعد ہارون"۔ ہادی نے بدنیتی سے ہارون کو محروم کرنا چاہا۔ اور چونکہ ہارون خانہ جنگیوں سے ہمیشہ پرہیز کرتا تھا۔ اس لئے ممکن تھا کہ ہادی اپنے خود غرضانہ ارادہ میں کامیاب ہوجاتا لیکن موت نے دفعتہً اُس کی تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ ہارون بستر خواب پر سو رہا تھا کہ وزیر اعظم یحییٰ نے جگا کر مژدہ خلافت سنایا۔ ہارون نے نہایت یاس سے کہا۔ "دیکھو! تم ہنسی کرتے ہو۔ بھائی صاحب سُن لیں گے تو یہی ہنسی بلائے جان ہوگی" یحییٰ نے عرض کیا" قضائے الٰہی نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا۔ آپ اطمینان سے سریرِ خلافت کو زینت دیں"۔ اسی گفتگو میں۔ خواص مژدہ لائی کہ "مشکوئے معلی میں وارث تاج وتخت پیدا ہوا"۔ یہی وہ مبارک فال لڑکا تھا جس کی قسمت میں **مامون الرشید اعظم** ہونا لکھا تھا۔ ہارون نے مبارک فالی کے لحاظ سے عبداللہ نام رکھا۔ کیونکہ بانی دولت

عباسیہ یعنی خلیفہ سفاح کا بھی یہی نام تھا۔ مامون کی ماں ایک کنیز تھی جس کا نام مراجل تھا اور بادغیس ہرات کا ایک شہر ہے) میں پیدا ہوئی تھی۔ علی ابن عیسےٰ گورنر خراسان نے اسکو ہارون کی خدمت میں پیشکش بھیجا تھا[۵۱]۔ افسوس ہے کہ مراجل دو چار روز کے بعد انتقال کر گئی اور مامون کو مادر مہربان کے دامن شفقت میں پلنا نصیب نہ ہوا +

مامون جب قریبًا پانچ برس کا ہوا ہے۔ تو بڑے اہتمام سے اسکی تعلیم و تربیت شروع ہوئی۔ دربار میں جو علماء اور مجتہدین فن موجود تھے۔ ان میں سے دو شخص یعنے کسائی نحوی اور یزیدی قرآن پڑھانے کے لئے مقرر ہوئے۔ مامون کا سن ہی کیا تھا۔ مگر طباعی اور فطانت کے جوہر ابھی سے چمک رہے تھے۔ کسائی کی تعلیم کا طریقہ یہ تھا کہ مامون کو پڑھنے کے لئے کہتا تھا۔ اور آپ چپکا سر جھکائے بیٹھا رہتا تھا۔ مامون کہیں غلط پڑھ جاتا تو فورًا کسائی کی نگاہ اُٹھ جاتی۔ اتنے اشارے سے مامون متنبہ ہوجاتا اور عبارت کو صحیح کرلیتا۔ ایک دن سورۂ صف کا سبق تھا۔ کسائی حسب عادت سر جھکائے سن رہا تھا جب مامون اس آیت پر پہنچا۔ یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ + (اے ایمان والو۔ وہ بات کیوں کہتے ہو، جو کرتے نہیں) تو بے اختیار کسائی کی نظر اٹھ گئی۔ مامون نے خیال کیا کہ میں نے شاید آیت کے پڑھنے میں کچھ غلطی کی۔ مگر جب پھر مکرر پڑھا تو معلوم ہوا کہ صحیح پڑھی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب کسائی چلا گیا۔ تو مامون ہارون کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اگر حضور نے کسائی کو کچھ دینے کے لئے کہا تو ایفائے وعدہ فرمائیے۔ ہارون نے کہا "ہاں اُس نے قاریوں کے لئے کچھ وظیفہ مقرر کرنے کی درخواست کی تھی۔ جسکو میں نے منظور بھی کیا تھا۔ کیا اُس نے تم سے کچھ تذکرہ کیا۔ مامون نے کہا نہیں۔ ہارون نے پوچھا پھر تم کو کیونکر معلوم ہوا۔ مامون نے اُسوقت کا ماجرا عرض کیا۔ اور کہا کہ خاص اُس آیت پر کسائی کا دفعۃً چونک پڑنا سے

[۵۱] دیکھو۔ عیون والحدائق۔ مطبوعہ یورپ صفحہ ۳۴۴ +

وجہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ہارون اپنے کم سن بیٹے کی اس ذہانت سے نہایت متعجب اور خوش ہوا[۵۱]۔ یزیدی مامون کا صرف معلم نہ تھا بلکہ اتالیق بھی تھا۔ اور مامون کے عام افعال وعادات کی نگرانی اُس سے متعلق تھی۔ اس فرض کو یزیدی نہایت سچائی سے ادا کرتا تھا +

ایک دن یزیدی اپنے معمول پر آیا۔ مامون اُسوقت محل میں تھا۔ خدام نے یزیدی کے آنے کی اطلاع کی۔ مگر کسی وجہ سے مامون کو باہر آنے میں ذرا دیر ہوئی۔ نوکروں نے موقع پاکر یزیدی سے شکایت کی کہ جب آپ تشریف نہیں رکھتے تو صاحبزادے تمام ملازموں کو نہایت دق کرتے ہیں۔ مامون جب باہر آیا تو یزیدی نے چھ سات بید مارے۔ اتنے میں خادموں نے وزیرالسلطنت جعفر بن یحییٰ برمکی کے آنے کی اطلاع کی۔ مامون فوراً آنسو پونچھ کر فرش پر جا بیٹھا۔ اور حکم دیا کہ اچھا آنے دو۔ جعفر حاضر ہوا۔ اور دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ یزیدی کو ڈر پیدا ہوا کہ مامون جعفر سے کہیں میری شکایت نہ کر دے۔ جعفر چلا گیا تو یزیدی نے پوچھا کہ میری شکایت تو نہیں کی۔ مامون نے سعادتمندانہ لہجہ میں کہا۔ "استغفراللہ! میں ہارون الرشید سے تو کہنے کا نہیں جعفر سے کیا کہوں گا۔ کیا میں یہ نہیں سمجھتا کہ تادیب و تعلیم سے مجھ کو کس قدر فائدے پہنچیں گے[۵۲]"۔ خلفاء کا دستور تھا کہ دربار میں جو لوگ معتمد اور صاحب فضل وکمال ہوتے تھے۔ اولاد کو اُن کی آغوش تربیت میں دے دیتے تھے۔ اور انہیں کے اہتمام میں وہ تعلیم و تربیت حاصل کرتے تھے ہارون نے اسی قاعدے کے موافق مامون کو ۱۷۶ھ میں جعفر برمکی کے حوالے کیا۔ مامون کی قابلیت علمی اور عام لیاقتوں کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہوا کہ وہ جعفر برمکی کی آغوش تربیت میں پلا۔ جو قابلیت وزارت کے علاوہ علوم وفنون میں دستگاہ کمال رکھتا تھا۔ اور زیادہ تر اُسی سرپرستی میں ممالک اسلامیہ میں فضل و کمال کا رواج ہوا۔ یزیدی کا بڑا بیٹا محمد بھی جو نہایت متبحر اور شاعر تھا مامون کی تربیت و تعلیم پر مامور تھا +

---

۵۱ دیکھو منتخب کتاب المختار من نوادر الاخبار صفحہ ۱ + منہ ۵۲ تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۳۱۹ + منہ

مامون کو مورخوں نے حافظ القرآن لکھا[۱] ہے غالباً اسی زمانہ میں وہ حافظ ہوا ہوگا بہرحال قرآن مجید کے ختم کرنے کے بعد اُس نے نحو وادب پڑھنا شروع کیا۔ اور وہ مہارت حاصل کی کہ جب کسائی نے ایک موقع پر امتحان لیا۔ اور نحو کے متعدد مسئلے پوچھے تو اُس نے اس بےجھجکی سے سوالوں کے جواب دیئے کہ خود کسائی کو تعجب ہوا۔ اور ہارون نے جوش طرب میں سینہ سے لگا لیا[۲]۔

اس امتحان میں ہارون کا دوسرا بیٹا امین بھی شریک تھا جو مامون سے ایک برس چھوٹا تھا۔ اور جس کو اس بات میں مامون سے شرف حاصل تھا کہ اس کی ماں زبیدہ خاتون تھی۔ اور اس اعتبار سے نجیب الطرفین تھا۔

یزیدی نے مامون و امین کو برجستہ گوئی اور حسن تقریر کی بھی تعلیم دی تھی ان دونوں کی قابلیت پر یزیدی کو خود تعجب ہوتا تھا۔ اور وہ کہا کرتا تھا کہ "خلفائے بنی امیہ کے لڑکے قبائل عرب میں بھیج دیئے جایا کرتے تھے کہ شستہ بیانی سیکھیں مگر تم تو گھر بیٹھے اُنسے کہیں زیادہ فصیح اور زبان آور ہو" اول اول اُسنے جمعہ کے دن ایک بڑے مجمع میں جو فصیح بلیغ خطبہ پڑھا ایسے پُرتاثیر لہجہ میں پڑھا کہ تمام حاضرین کے دل دہل گئے۔ اور اکثر لوگ رو پڑے ابو محمد یزیدی نے اس پر ایک قصیدہ لکھا۔ کتاب الاغانی میں یہ قصیدہ نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہارون نے اسکے صلے میں یزیدی کو ۵۰ ہزار درہم عطا کئے۔ فقہ کی تعلیم کے لئے سلطنت کے ہر حصہ سے فقہا بلائے گئے۔ اور مامون نے اُن کے فیض صحبت سے ایک ماہر فقیہ کا رتبہ حاصل کیا۔ علم حدیث کی سند ہشیم۔ عباد بن العوام یوسف بن عطیہ ابو معاویۃ الفریر۔ اسمعیل بن علیۃ۔ حجاج الاعور وغیرہ سے حاصل کی۔ حدیث کے فن میں مالک بن انس امام وقت تھے اور بڑے بڑے ائمہ فن جن میں امام شافعی بھی داخل ہیں۔ انکی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ ہارون الرشید نے اُن کی خدمت میں درخواست کی "کہ حریم خلافت میں قدم رنجہ فرما کر شہزادوں کو علم حدیث پڑھائیں" امام مالک نے کہلا بھیجا "کہ علم

[۱] خلفا میں صرف ابوبکر صدیق حضرت عثمان مامون الرشید حافظ القرآن گذرے ہیں سیوطی صفحہ ۲۲۴ منہ
[۲] دیکھو۔ دراری فی ذکر الذراری صفحہ ۲۹ منہ

کے پاس لوگ خود آتے ہیں وہ دوسروں کے پاس نہیں جاتا۔" انھوں نے اس بات سے ہارون کو اور بھی غیرت دلائی کہ "یہ علم تمہارے ہی گھر سے نکلا ہے اگر تمہیں اُس کی عزت نہ کروگے تو وہ کیونکر عزت پاسکتا ہے۔" اس معقول جواب کو ہارون نے نہایت خوشی سے تسلیم کیا۔ اور شہزادوں کو حکم دیا کہ امام موصوف کی درسگاہ عام میں حاضر ہوں[۵۱]۔

ہارون الرشید خود بہت بڑا فقیہ اور پایہ شناس فن تھا۔ مؤطا کے پڑھنے کے لئے جو علم حدیث کی نہایت معتبر اور مشہور کتاب ہے وہ اکثر امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوا ہے اور چونکہ اسکو اپنی اولاد کی تعلیم کا شروع ہی سے نہایت اہتمام تھا۔ امین اور مامون بھی اس درس میں اُس کے ساتھ ہوتے تھے[۵۲]۔ ہرچند دارالخلافۂ بغداد میں جس پایہ کے علماء موجود تھے اُس وقت اور کہیں نہ تھے۔ تاہم ہارون کی خواہش تھی کہ ملک میں اور جو ارباب فن ہیں۔ انکے فیض تعلیم سے بھی مامون و امین محروم نہ رہیں۔ جب وہ کوفہ گیا جو اُس وقت فقہ و حدیث کا مرکز تھا۔ تو وہاں کے تمام محدثین کو طلب کیا۔ چنانچہ دو شخص کے سوا اور سب حاضر ہوئے۔ یہ دو بزرگ عبداللہ بن ادریس و عیسےٰ ابن یونس تھے۔ جنہوں نے اپنے طریق عمل سے ثابت کیا کہ امام مالک کے سوا اور لوگ بھی ہیں جو علم حدیث کی اصلی عزت کرتے ہیں۔ ہارون نے حکم دیا کہ مامون و امین خود اُن کی خدمت میں حاضر ہوں۔ ابن ادریس نے سو حدیثیں روایت کیں۔ اور جب اُسی وقت مامون نے اُن حدیثوں کو زبانی سنادیا تو ابن ادریس بھی اسی کی قوت حافظہ اور واقفیت پر عش عش کر گئے[۵۳]۔

علوم مروجہ وقت میں سے مامون نے اگرچہ ہر ایک علم میں دستگاہ مناسب حاصل کی تھی لیکن خاص فقہ ادب تاریخ۔ ایام عرب میں وہ بڑے بڑے ماہرین فن کا ہمسر گنا جاتا تھا۔ اور درحقیقت ایک ایسے شخص کو جو بالطبع ذکی ہو۔ جس نے یزیدی اور کسائی جیسے مجتہدین فن سے

---

[۵۱] حکم و آداب للیاقوت المستعصمی صفحہ ۱۷ منہ [۵۲] سیوطی صفحہ ۲۹۷۔ مؤطا کا وہ نسخہ جس پر ہارون الرشید نے پڑھا تھا۔ مدت تک مصر کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ سیوطی صفحہ مذکور منہ

[۵۳] سیوطی صفحہ ۳۳۲ منہ

تعلیم پائی ہو۔ جو ابو نواس۔ ابو العتاہیہ۔ سیبویہ۔ فرا کی علمی مجلسوں میں شریک رہا ہو۔ ایسا ہی یگانۂ فن ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ مامون تھا۔ بچپن میں ایک دن اُس نے اصمعی سے پوچھا۔ کہ یہ شعر کس کا ہے؟

ماکنت الا کلحم میّت دعا الی اکله اضطرار

اصمعی نے کہا ابن عیینۃ المہلبی کا۔ مامون نے کہا نہایت بلند خیال ہے مگر فلاں شعر سے ماخوذ ہے۔ اصمعی کو اس وسعت نظر اور واقفیت پر نہایت تعجب[۵۱] ہوا۔ مامون نے اسی زمانہ میں شعر لکھنا بھی شروع کیا تھا۔ اور چونکہ طبیعت نہایت موزون اور نظر از بس وسیع تھی۔ برجستہ کہتا تھا اور خوب کہتا تھا۔ ایک موقع پر ہارون الرشید نے جب فوج کو حکم دیا کہ ایک ہفتہ کے بعد سفر کیلئے تیار رہے اور ہفتہ گذر جانے پر بھی لوگوں کو اُسکے ارادہ کا ٹھیک حال نہیں معلوم ہوا۔ تو مامون نے اراکین دربار کی فرمائش سے خلیفہ وقت کی خدمت میں یہ قطعہ لکھا۔

یا خیر من دبت المطی به ومن تقدی بسرجه الفرس

اے ان سب لوگوں سے بہتر جن کو سواریاں لیکر چلتی ہیں۔ اور وہ جن کے گھوڑے پر ہمیشہ زین رہتا ہے۔

هل غاية فی المسیر نعرفها ام امرنا فی المسیر ملتبس

سفر کا کوئی وقت ہے جس کو ہم لوگ جان سکیں یا یہ امر ہمارے لئے مبہم رہے گا۔

ما علم هذا الا الی ملك من نوره فی الظلام نقتبس

اس بات کا علم صرف اُس بادشاہ کو ہے جس کے نور سے ہم لوگ تاریکی میں روشنی حاصل کرتے ہیں۔

ہارون کو اُس وقت تک نہیں معلوم تھا کہ مامون نے شاعری کی ہے۔ اگرچہ اس طباعی۔ اور ذہانت پر نہایت خوش ہوا۔ مگر رقعہ پر بطور جواب کے یہ لکھا۔ اے جان پدر تم کو شعر سے کیا کام۔ شعر عام آدمیوں کیلئے باعث فخر ہے۔ مگر عالی رتبہ لوگوں کے لئے کچھ عزت کی بات نہیں۔

---

۵۱ مرآۃ الجنان یافعی ترجمہ اصمعی ۱۲ منہ ۵۲ سیوطی صفحہ ۳۲۰ منہ

۱۸۸ھ میں جب ابراہیم موصلی وکسائی نحوی وعباس ابن الاخنف شاعر ایک ہی دن قضا کر گئے تو ہارون الرشید نے حکم دیا کہ خود شہزادۂ مامون جاکر انکے جنازے کی نماز پڑھائے۔ مامون نماز پڑھانے کے لئے کھڑا ہوا تو پوچھا کہ کس کا جنازہ سب سے آگے رکھا گیا ہے؟ لوگوں نے عرض کی ''ابراہیم کا'' مامون نے کہا ''نہیں عباس کا جنازہ آگے رکھو'' نماز سے فارغ ہوکر واپس چلا تو ایک درباری نے عرض کی کہ عباس کو کیا ترجیح تھی۔ مامون نے کہا ان دو شعروں کی وجہ سے ؎

وسعی بہا ناس فقالوا انہا　　لھی التی تشقی بہا وتکابد

فجحدتہم لیکون غیرک ظنہم　　انی لیعجبنی المحب الجاحد

(یعنے معشوق کی نسبت لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تم اُسی پر مرتے ہو۔ میں نے انکار کیا تاکہ لوگ تیری نسبت گمان نہ کریں۔ مجھکو وہ عاشق پسند ہے۔ جو وقت پر مکر جائے) علامہ ابوالفرج اصفہانی نے اس واقعہ کو ابراہیم کے تذکرہ میں نقل کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت فن ادب کو وہ عزت حاصل تھی کہ اس قسم کے مذہبی فرائض میں بھی اُس کا لحاظ کیا جاتا تھا۔

مامون نے ان علوم سے فارغ ہوکر فلسفہ کی طرف توجہ کی۔ ہارون الرشید نے جو عالیشان محکمہ کتب علمیہ کے ترجمے کا قایم کیا تھا۔ اور جس میں ہندو۔ پارسی عیسائی وغیرہ ہر مذہب و ملت کے لوگ نوکر تھے۔ جو مختلف زبانوں کی کتب فلسفیہ و طبیہ کے ترجمے کرتے رہتے تھے مامون کی تکمیل فلسفہ میں بہت مددگار ہوا۔ لیکن اس موقع پر ہم اسکی تفصیل نہیں کرتے اور اس موقع کے لئے اٹھا رکھتے ہیں۔ جہاں ہم ملکی تاریخ سے فارغ ہوکر اُس کے عام اخلاق و عادات کا تذکرہ کریں گے اور اسی موقع پر اسکی علمی مجلسیں علما سے مناظرے مسائل علمیہ کے متعلق ایجادات۔ فلسفہ کی ترویج کا حال لکھیں گے۔ یہاں مختصر طور پر صرف وہ حالات بیان کئے ہیں۔ جو اسکی ابتدائی تعلیم سے متعلق تھے +

مامون کی ولیعہدی ۱۸۲ھ

ہارون الرشید کی اولاد ذکور ۱۲ تھی۔ جن میں سے چار ایسے لایق و قابل تھے جنکو وہ ولیعہدی

کے لئے انتخاب کرسکتا تھا۔ مامون۔ امین۔ موتمن۔ معتصم معتصم گو نہایت قوی اندام۔ دلیر شجاع اور فنون جنگ سے واقف تھا لیکن جاہل محض تھا۔ ہارون نے اس بنا پر اُسکو خلافت سے بالکل محروم کر دیا۔ امین کی ماں زبیدہ۔ اور اسکا ماموں عیسےٰ بن جعفر بن المنصور دربار میں ایک پولٹیکل طاقت رکھتے تھے کیونکہ اراکین دربار و افسران فوج جو اکثر بنی ہاشم تھے۔ اتحاد نسب کی وجہ سے زبیدہ کے ساتھ تھے ۱۷۵ھ میں عیسےٰ بن جعفر نے وزیر السلطنت فضل بن یحییٰ سے امین کی ولیعہدی کے لئے سفارش کی۔ اگرچہ امین کی عمر اُسوقت کل پانچ برس کی تھی اور اسوجہ سے خاندان شاہی کے چند ممبر اس تجویز پر راضی نہ تھے۔ تاہم فضل کی بات ٹالی نہیں جاسکتی تھی۔ ہارون نے تمام دربار سے امین کے لئے بیعت لی۔ امین اگرچہ نہایت ذکی الطبع۔ فصیح۔ خوش تقریر۔ پاکیزہ رو۔ حور شمائل تھا۔ اسکے ساتھ اُسنے۔ نحو۔ ادب۔ فقہ میں نہایت مہارت حاصل کی تھی لیکن عیش طلب اور راحت پسند تھا۔ ہارون کو بھی روز بروز اُسکی راحت طلبی کا زیادہ یقین ہوتا گیا۔ مامون کی ذاتی خوبیوں نے ہارون کو بالکل اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ "میں مامون میں منصور کا حزم۔ مہدی کی متانت ہادی کی شان و شوکت پاتا ہوں اور اگر چاہوں تو اُسکو نسبت دینا چاہوں تو دے سکتا ہوں [۱] میں نے امین کو خلافت میں اُس پر ترجیح دی۔ حالانکہ مجھکو معلوم ہے کہ وہ فضول خرچ اور اپنی خواہشوں کا مطیع ہے اور لونڈیاں اور عورتیں اسکی مشیر کار ہیں۔ اگر زبیدہ کا لحاظ اور بنو ہاشم کا دباؤ نہ ہوتا تو میں مامون کو ترجیح دیتا [۱۵] ۔

ہارون نے ایکدن ابو عیسےٰ [۱۶] اپنے چھوٹے بیٹے سے جو حسن و جمال میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا کہا "کاش تیرا حسن مامون کو ملا ہوتا" خود مامون [۱۷] بھی وہ کہا کرتا تھا کہ "ساری خوبیاں تجھی میں ہوتیں۔ تو خوب ہوتا اور اگر میرے اختیار کی بات ہوتی تو میں ابو عیسےٰ کا حسن بھی تجھی کو دیتا [۱۸] ۔

[۱۵] سیوطی صفحہ ۲۱۱ [۱۶] ذراری صفحہ ۴۰ [۱۷] تمام عباسی خاندان خلافت۔ اور خاندان خلافت میں ابو عیسےٰ نہایت حسین اور صاحب جمال تھا۔ اسکے ساتھ شاعر نکتہ سنج اور موسیقی کا بڑا ماہر تھا مامون الرشید کو ابو عیسےٰ سے نہایت محبت تھی۔ علامہ اغانی نے لکھا ہے کہ مامون الرشید اپنے بعد اُسکو خلیفہ مقرر کرنا چاہتا تھا۔ مگر افسوس کہ وہ یوسف جمال مامون کی زندگی ہی میں مر گیا۔ مامون نے کئی دن تک اُسکے غم میں کھانا نہیں کھایا۔

زبیدہ کو ان باتوں سے نہایت رنج ہوتا تھا۔ وہ ہارون کو طعنہ دیتی تھی کہ تم ایک کنیز زادہ کو میرے لخت جگر پر ترجیح دیتے ہو۔ دونوں میں اکثر اس بات پر بحثیں رہتی تھیں۔ اور چونکہ زبیدہ عام لیاقتوں میں بھی امین کو مامون سے کم درجہ پر تسلیم نہیں کرتی تھی۔ ہارون اکثر موقعوں پر دونو کا امتحان لیتا تھا۔ اور نتیجہ امتحان پر زبیدہ کو شرمندہ ہونا پڑتا تھا۔ ایک دن اُس نے چند مسواکوں کی طرف اشارہ کر کے جو اُس کے پاس رکھی تھیں۔ امین سے پوچھا کہ یہ کیا چیزیں ہیں امین نے کہا "مساویک" یعنی مسواکیں۔ پھر اُس نے مامون کو بلا کر یہی سوال کیا۔ اُس نے جواب دیا کہ "ضد محاسنك یا امیر المؤمنین"[۱]!!

ایک اور دن ہارون نے دو خاص غلاموں سے کہا کہ امین سے تنہائی میں بطور خود پوچھو کہ جب خلافت آپ کو ملیگی تو حضور ہمارے ساتھ کیا ساوک فرمائیں گے۔ امین نے نہایت خوش ہو کر کہا کہ میں تم کو اسقدر انعام و جاگیریں دونگا کہ نہال ہو جاؤ گے۔ مگر جب مامون کے پاس گئے تو اُس نے دوات جس سے لکھ رہا تھا اٹھا کر اُس کے منہ پر پھینک ماری اور کہا۔ کہ بدمعاش جس دن امیر المؤمنین نہ ہونگے تو ہم لوگ جی کر کیا کریں گے ہم انپر فدا نہ ہو جائینگے[۲]

اس پر بھی ہارون امین کی ولیعہدی کو مسترد نہیں کرسکتا تھا۔ مامون کیلیئے اتنا کیا کہ ۱۸۲ھ میں امین کے بعد اسکی ولیعہدی پر لوگوں سے بیعت لی۔ اور سرحد خراسان و ہمدان کے صوبجات کا گورنر مقرر کیا۔ تیسرے بیٹے قاسم کو جزیرہ ثغور و عواصم کی حکومت دی اور مامون کو اختیار دیا کہ اگر قاسم لائق نہ ثابت ہو تو وہ معزول کرسکتا ہے اگرچہ ہارون نے اس طور پر ملک کی تقسیم کردی تھی۔ مگر وہ امین کی طرف سے مطمئن نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ امین خودغرض اور عیش پرست ہے اور چونکہ تمام عمائد بنی ہاشم اور افواج کا بڑا حصہ اُس کا طرفدار ہے۔ اُسکو دوسروں کی حق تلفی پر بآسانی جرأت ہوسکتی ہے۔ اس خیال سے ۱۸۶ھ میں جب وہ مکہ معظمہ گیا تو امین کو تنہا خانہ کعبہ کے اندر لے جا کر فہمایش کی پھر مامون کو بلایا اور اُس سے بھی اس معاملہ کے متعلق دیر تک باتیں

---

[۱] مرآۃ الجنان ترجمہ المامون ۱۲ منہ [۲] ذراری صفحہ ۴۸ منہ

کیں اسکے بعد دونوں سے جدا جدا معاہدے لکھوائے جس میں ہر ایک نے اسکی تقسیم کو تسلیم کیا جو ہارون نے اُن کے لئے تجویز کی تھی۔ صاحب روضۃ الصفا نے لکھا ہے کہ تقسیم کی رو سے مامون کو جو ممالک ملے اُس میں کرمان شاہ۔ نہاوند۔ قم۔ کاشان اصفہان۔ فارس کرمان۔ رے۔ قومس طبرستان۔ خراسان۔ زابل۔ کابل۔ ہندوستان۔ ماوراءالنہر ترکستان داخل تھے۔ امین کو بغداد واسط۔ بصرہ۔ کوفہ۔ شامات۔ سواد عراق۔ موصل۔ جزیرہ حجاز۔ مصر۔ اور بغداد کے انتہائے حدود تک کی حکومت ملی۔ اس معاہدے پر دونوں سے دستخط کرائے۔ اور وہ ایک جم غفیر کے سامنے جس میں یحییٰ برمکی وزیر السلطنت جعفر بن یحییٰ۔ فضل ابن الربیع حاجب اور خاندان خلافت کے تمام اعیان اور فقہاء و علماء شامل تھے باآواز بلند پڑھکر سنایا گیا۔ تمام حاضرین نے بطور شہادت کے اُس پر دستخط کئے اور جب ہر طرح سے مصدق ہوگیا۔ سونے کے نلوے میں جو زمرد و یاقوت سے مرصع تھا رکھکر حرم کعبہ میں دروازے کے اوپر آویزاں کیا گیا۔ کعبہ کے دربانوں سے حلف لیا گیا کہ اسکی نہایت احتیاط کریں گے۔ اور حج کے زمانہ میں کسی منظر عام پر وہ آویزاں کر دیا جائیگا۔ اگرچہ یہ معاہدے نہایت طولانی اور بالکل فضول باتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ تمام تحریر میں ایک بات بھی ایسی نہیں جس سے کوئی دقیق پولٹیکل خیال پیدا ہو تاہم اس خیال سے کہ وہ ایک قدیم زمانہ کی تحریر ہے۔ اور اُس سے اسوقت کے عام خیالات اور طریق معاملات کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہم بجنسہ اس کا ترجمہ اس مقام پر لکھتے ہیں[1]۔

دستاویز جو امین نے لکھی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ ایک تحریر ہے جسکو محمد بن امیر المؤمنین ہارون نے امیر المؤمنین ہارون کے لئے لکھا بحالت ثبات عقل صحت جسم و درستی فعل اطاعت مندانہ بلا جبر و اکراہ کہ مجھ کو امیر المؤمنین

---

[1] علامہ ازرقی نے جو ۲۲۳ھ میں موجود تھا ان دونوں معاہدوں کو بتمامہا تاریخ مکہ میں نقل کیا ہے دیکھو تاریخ مذکور از صفحہ ۱۶۱ تا ۱۶۶ مطبوعہ جرمن مقام لیزگ۔ ابن واضح کاتب عباسی نے بھی ان معاہدوں کو اپنی تاریخ میں قدرے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے ۱۲ منہ

ہارون نے ولیعہد سلطنت کیا ہے۔ اور عموماً تمام مسلمانوں پر میری بیعت لازم کی۔ میرے بھائی عبداللہ بن امیرالمؤمنین کو میرے بعد میری رضامندی سے نہ جبر و اکراہ سے۔ خلافت اور ولیعہدی اور مسلمانوں کے ہر ایک معاملہ کی افسری حاصل ہوگی۔ اور اسکو امیرالمؤمنین نے اپنی زندگی میں اور اپنے بعد خراسان اور اُسکے اضلاع و فوج و خراج و محکمۂ ڈاک و پرچہ نویسی و بیت المال و بیت الصدقہ و عشر عشور کی ولایت دی ہے۔ پس میں اقرار کرتا ہوں کہ جو کچھ امیرالمؤمنین نے بیعت و خلافت و ولیعہدی اور مسلمانوں کے عام معاملات کی افسری میرے بھائی عبداللہ کو دی ہے۔ میں ان سب امور کو تسلیم کرونگا۔ خراسان اور اُس کے اضلاع کی حکومت جو اس کو امیرالمؤمنین نے عطا کی ہے۔ یا زمین خاصہ میں سے جو جاگیریں اسکو دی ہیں۔ یا کوئی جائداد خاص کر دی ہے۔ یا کوئی زمین یا جاگیر اُسکو خرید دی ہے۔ اور جو چیزیں اپنی زندگی میں بحالت صحت از قسم مال و جواہرات و اسباب و کپڑے و غلام و مویشی۔ کم ہوں خواہ زیادہ اسکو عنایت کی ہیں۔ وہ سب عبداللہ بن امیرالمؤمنین کی ہیں۔ جو اُسکے لئے تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اور جس میں کچھ عذر نہیں ہے اور میں نے اور عبداللہ بن امیرالمؤمنین نے ان تمام چیزوں کو ایک ایک کر کے بقید نام و نشان و جگہ جان لیا ہے اور اگر ہم دونوں میں سے کسی چیز کی نسبت ان چیزوں میں اختلاف رائے ہو تو عبداللہ کا قول قابل تسلیم ہوگا۔ میں اُن چیزوں میں سے کسی چیز کو اپنا مال نہ قرار دونگا۔ نہ اُس سے چھینونگا۔ نہ کم کروں گا۔ وہ شے خواہ چھوٹی ہو خواہ بڑی۔ اور نہ ولایت خراسان نہ اور کسی صوبے سے جسکی حکومت امیرالمؤمنین نے اُسکو دی ہے۔ مجھ کو کچھ بحث ہوگی۔ میں عبداللہ کو ان صوبوں سے نہ معزول کروں گا۔ نہ خلع بیعت کروں گا۔ نہ کسی اور کو اُس کا قایم مقام کرونگا۔ نہ کسی اور شخص کو ولیعہدی اور خلافت میں اُس پر مقدم کرونگا۔ نہ اُسکی جان۔ یا خون۔ یا صورت یا ایک سر مو کو ضرر پہنچاؤنگا۔ نہ اُسکے جزئی یا کلی امور میں یا حکومت۔ مال و جاگیر و زمین خاصہ کے متعلق۔ کوئی رنج دہ بات کرونگا کسی وجہ سے اُسکی کسی چیز میں تبدیلی نہ کرونگا۔ نہ اُس سے نہ اُسکے عمال سے نہ اُسکے نشینوں سے

کچھ حساب کتاب سمجھونگا۔ خراسان اور اُسکے صوبوں اور اُن علاقوں میں جسکی حکومت امیر المؤمنین نے اپنی زندگی میں حالت صحت میں اُسکو دی ہے۔ جو کچھ انتظامات خود اُس نے یا اُسکے عمال نے کئے ہونگے مثلاً خراج۔ خزانہ۔ طراز۔ ڈاک۔ صدقات۔ عشر۔ عشور وغیرہ اُسکے درپے نہ ہونگا۔ اور نہ کسی اور کو اجازت یا حکم دونگا۔ نہ ایسا خیال دل میں لاؤنگا نہ اپنے لئے وہاں کوئی جاگیر کی زمین طلب کرونگا۔ اور امیر المؤمنین ہارون نے جو کچھ زمان خلافت میں اُسکو عطا کیا ہے جس کا اس دستاویز میں ذکر ہے اور جس پر مجھ سے اور عام لوگوں سے بیعت لی گئی ہے۔ اس میں کچھ کمی نہ کرونگا۔ نہ اور کسی کو اجازت دونگا کہ اس سے تعرض کرے یا اُسکا مخالف بنے۔ یا اُسکی بیعت کو توڑے۔ اس بارہ میں کسی شخص کی خلق اللہ میں سے کوئی بات نہ سنونگا نہ اسپر ظاہر یا باطن میں راضی ہونگا نہ اُس سے چشم پوشی کرونگا نہ غفلت کرونگا۔ اور نہ کسی نیک آدمی سے نہ بد سے نہ سچے شخص سے نہ جھوٹے سے نہ ناصح سے نہ فریب دہندہ سے نہ قریب سے نہ بعید سے نہ اولاد آدم میں سے کسی شخص سے نہ مرد سے نہ عورت سے کوئی مشورہ یا فریب یا حیلہ کسی بات میں ظاہر میں یا باطن میں حق میں یا باطل میں قبول کرونگا جس سے کسی معاہدہ یا شرط کا فاسد کرنا مقصود ہو۔ جو میں نے عبداللہ بن امیر المؤمنین سے کی ہے۔ اور جس کا اس دستاویز میں ذکر ہے اور اگر کوئی شخص عبداللہ سے بُرائی کا ارادہ کرے یا ضرر پہنچانا چاہے یا اُسکی بیعت توڑنا چاہے یا اُس سے ارادہ جنگ کرے یا اسکی جان یا جسم یا سلطنت یا مال یا حکومت میں مجتمعہ یا تنہا ظاہر یا باطن میں کچھ تعرض کرنا چاہے تو میرا فرض ہوگا کہ اسکی مدد کروں اور حفاظت کروں اور جو اپنی جان و جسم و مال و خون و چہرہ و حرم و حکومت سے دفع کروں یا وہ اُس سے بھی دفع کروں اور اسکی اعانت کو لشکر بھیجوں اور ہر مخالف کے مقابلہ میں اسکی مدد کروں اور نہ چھوڑدوں اسکو اور نہ الگ ہو جاؤں اُس سے اور جب تک میں زندہ ہوں اس بارہ میں اسکے کام کو اپنا کام سمجھوں گا۔ اور اگر امیر المؤمنین کو موت آجائے اور میں اور عبداللہ ابن امیر المؤمنین اُسوقت امیر المؤمنین کے پاس موجود ہوں یا ہم میں سے صرف

ایک شخص حاضر ہو۔ یا کوئی نہ حاضر ہو۔ ایک ہی جگہ ہوں یا مختلف مقامات میں اور عبداللہ
بن امیر المؤمنین خراسان کے علاوہ حکومت میں نہ ہو تو میرا فرض ہوگا کہ اسکو خراسان روانہ
کروں اور وہاں کی حکومت و صوبے و فوج اُسکے حوالے کروں۔ میں اس میں تاخیر کرونگا
نہ اسکو روکوں گا۔ نہ اپنے سامنے نہ کسی اور شہر میں خراسان کے ادہر اور فوراً اس کو
روانہ کرونگا۔ خراسان اور اُسکے مضافات کا حاکم کرکے مستقل طور پر بغیر اسکے کہ کسی
کو اُس کا شریک کروں۔ اور ان سب لوگوں کو اُسکے ساتھ کرونگا جن کو امیر المؤمنین
ہارون نے عبداللہ کی ہمراہی میں مخصوص کیا ہے از قسم افسران۔ فوج و لشکر و ندیم و منشی
و عمال و غلام و خدام۔ اور جو اُسکے ہمراہ ہوں مع اُنکے اہل و عیال کے۔ ان میں سے میں
کسی کو نہ روکونگا۔ اور نہ کسی کو اس میں شریک کرونگا میں عبداللہ پر نہ کوئی امین بھیجونگا
نہ پرچہ نویس نہ بندار اور نہ قلیل یا کثیر میں اس کا ہاتھ پکڑوں گا ؁

جو کچھ اس تحریر میں مَیں نے شرطیں کیں۔ اور جو کچھ لکھا ہے۔ ان کی نسبت امیر المؤمنین
ہارون کو اور عبداللہ بن امیر المؤمنین کو ذمہ دیتا ہوں خدا کا اور امیر المؤمنین کا اور اپنا اور اپنے
آباؤ اجداد کا۔ اور تمام مسلمانوں کا۔ اور وہ سخت عہد جو خدا نے انبیا اور مرسلین اور عامہ
خلائق سے لئے ہیں۔ اور اس قسم کے عہد و میثاق اور قسمیں جن کے پورے کرنے کا خدا نے
حکم دیا ہے اور جن کے توڑنے اور بدلنے سے ممانعت کی ہے۔ پھر اگر میں توڑ دوں کوئی شرط
جو میں نے امیر المؤمنین ہارون اور عبداللہ بن امیر المؤمنین سے کی ہے اور جس کا اس تحریر میں
ذکر ہے۔ یا خیال کروں اُس چیز کے توڑنے کا جس پر میں قائم ہوں یا اُسکو بدلوں یا خیال
کروں یا بدعہدی کروں یا کسی شخص سے چھوٹے یا بڑے۔ نیک یا گنہگار۔ مرد یا عورت
جماعت یا تنہا۔ کسی سے کوئی بات اُسکے خلاف قبول کروں تو میں بری ہوں۔ خدائے عزّ
و جل سے اور اسکی ولایت سے اور اسکے دین سے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
قیامت کے دن مشرک ہوکر خدا سے ملوں اور ہر ایک عورت جو آج میرے عقد نکاح میں ہے

یا آیندہ تیس برس تک میرے عقد نکاح میں آئے مطلقہ ہوتین بطلاق سے طلاق الحرج اور مجھ پر فرض ہوگا۔ بیت اللہ کو ننگے پاؤں پیادہ جانا تیس حج کو جو مجھ پر نذر اور واجب ہونگے۔ خدا نہ قبول کرے مگر اسکا پورا کرنا۔ اور جو مال آج میرا ہے یا جسکو میں تیس برس تک حاصل کروں وہ کعبہ کے لئے مجھکو بطور ہدیہ کے بھیجنا ضرور ہوگا۔ اور جتنے غلام آج میرے مملوک ہیں۔ یا آیندہ تیس برس تک ہوں سب آزاد ہونگے۔ اور جو کچھ میں نے ہارون امیرالمؤمنین۔ اور عبداللہ ابن امیرالمؤمنین کیلئے لکھا ہے اور شرط کی ہے اور قسم کھائی ہے اور اس تحریر میں ذکر کیا ہے مجھکو اسکا پورا کرنا لازم ہوگا۔ میں اسکے خلاف دلمیں کوئی خیال نہ لاؤنگا۔ اور اُسکے سوا نیت نہ کرونگا۔ اور اگر دل میں ایسا خیال لاؤں یا کچھ اور نیت کروں تو یہ عہد و پیمان اور قسمیں سب مجھ پر لازم اور واجب ہونگی۔ اور امیرالمؤمنین کے افسران فوج اور خود لشکر اور تمام شہروں کے لوگ اور عام مسلمان سب میرے عہد بعیت و خلافت و ولایت سے بری ہونگے۔ اور میرے خلع بعیت سے اُن پر کچھ حق مواخذہ نہ ہوگا۔ حتی کہ میں ایک بازاری آدمی کے برابر ہونگا۔ مجھکو ان لوگوں پر کچھ حق نہ ہوگا۔ نہ ولایت نہ اطاعت۔ نہ بعیت۔ اور اُن لوگوں کو بے مواخذہ شرعی ان تمام قسموں اور عہدوں کا توڑنا جائز ہوگا جو انہوں نے میرے حق میں کیے ہیں*

مامون نے بھی ایک ایسی ہی دستاویز لکھی یا اسکی طرف سے لکھی گئی جس کا خلاصہ یہ ہے

کہ امیرالمؤمنین ہارون نے مجھ کو امین کے بعد ولیعہد کیا۔ اور امین نے ایک دستاویز لکھی جس میں اُس نے میرے حقوق کو اس تفصیل سے تسلیم کیا اور اُسپر قسم کھائی میں بھی امین کی اطاعت کرونگا اور اگر فوج وغیرہ کی مدد چاہے گا تو کافی اعانت کروں گا۔ جب تک کہ وہ اپنے اقرار سے نہ پھرے اور اگر امین چاہے گا کہ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو میرے بعد ولیعہد کرے تو میں اُسکو

تسلیم کرونگا۔ بشرطیکہ امین میرے حقوق میں خلل انداز نہ ہو۔ لیکن اگر خود امیرالمومنین ہارون اپنے فرزندوں میں سے کسی کو میرے بعد ولیعہد قرار دیں تو مجھکو اور امین کو تسلیم کرنا لازم ہوگا +

اب تک تو ظاہرا امین و مامون ملکی تقسیم اور جاہ و اقتدار میں برابر کے حصہ دار تھے۔ مگر متعدد تجربوں نے ثابت کر دیا تھا کہ امین خلافت کے بوجھ کو کسی طرح سنبھال نہیں سکتا۔ اسی خیال سے ہارون نے اُسکے اختیارات کم کرنے شروع کئے اسی کے ساتھ مامون کو ہر موقع پر ترجیح دی۔ اور گویا طریق عمل سے بتا دیا کہ خلافت اعظم کا مستحق مامون ہے۔ نہ امین۔ ۱۸۹ھ میں بمقام قرماسین علے رؤس الاشہاد ظاہر کیا کہ مال خزانہ اسلحہ اسباب۔ جو کچھ ہے مامون کا ہے۔ پھر تمام دربار سے کہا کہ "تم لوگ اسپر گواہ رہو" ۱۹۰ھ میں جب روم پر حملہ آور ہوا تو شہر رقہ پر جسکو بجائے بغداد کے دار الخلافہ قرار دیا تھا۔ مامون کو اپنا جانشین کر گیا۔ اور تبرکاً خلیفہ منصور کی خاتم خلافت بھی عنایت کی۔ امین ان کارروائیوں کو رشک کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ مگر کچھ نہ کر سکتا تھا ۱۹۳ھ میں خراسان کے بعض اضلاع میں بغاوت برپا ہوئی۔ جس کے فرو کرنے کو ہارون خود روانہ ہوا۔ راہ میں بیمار ہوا۔ اور تمام ملک میں یہ خبر عام ہوگئی + امین کی سازش کے لئے یہ ایک عمدہ موقع تھا۔ کیونکہ دربار میں جتنے صاحب منصب تھے سب اُسکے طرفدار تھے۔ اور خصوصا وزیر اعظم فضل بن الربیع تو گویا امین کا دست و بازو تھا وہ عرب کی نسل سے تھا اور امین نے اُسی کے اہتمام میں تعلیم و تربیت پائی تھی۔ ہارون کے ساتھ اُسوقت اگرچہ امین و مامون دونو میں سے کوئی نہ تھا۔ مگر فضل بن الربیع کی وجہ سے دربار پر امین کا اثر غالب تھا۔ ہارون کی بیماری کی خبر سنکر امین نے فوراً ایک قاصد روانہ کیا اور بہت سے خطوط دیئے جو اہل دربار کے نام تھے +

ہارون الرشید نے اسی مرض میں ۳ جمادی الثانی ۱۹۳ھ کو انتقال کیا +

اُسکے مرنے کے بعد قاصد نے امین کے خطوط جنکا مشترک مضمون یہ تھا کہ "فوج مع تمام خزانہ و سلاح و اسباب کے دار الخلافہ بغداد میں حاضر ہو" تمام درباریوں کو حوالہ کئے افسران فوج اور بعض عماید اس حکم کی تعمیل میں کسی قدر متامل ہوئے لیکن فضل بن الربیع وہ شخص تھا کہ سارا

دربار اسکے اشاروں پر حرکت کرتا تھا۔ اُس نے لوگوں کو یقین دلایا کہ امین کے سامنے جو خاص دارالخلافہ پر قابض ہے مامون کو ہرگز فروغ نہیں ہوسکتا۔ چونکہ فوج بھی سکونت کے تعلق سے بغداد ہی کی طرف مائل تھی۔ امین اپنی تدبیریں پورا کامیاب ہوا۔ مامون کی بدقسمتی اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ فوج وحشم ایک طرف خزانہ عامرہ میں سے جس میں اسباب جواہرات کے علاوہ پچاس کروڑ کے صرف درہم ودینار تھے۔ اُسکو ایک حبہ بھی نصیب نہ ہوا غرض متفقاً سب نے بغداد کا رخ کیا۔ مامون اُسوقت مرو میں تھا جب یہ خبر پہنچی تو ارکین دربار کو جمع کیا اور صلاح پوچھی سب نے بڑے جوش سے کہا کہ دو ہزار سوار ساتھ ہوں تو شاہی فوج کو بزور واپس لا سکتے ہیں"۔ مگر فضل بن سہل نے جو وزارت اعظم کے پایہ پر ممتاز تھا۔ مامون کو الگ لے جاکر کہا یہ گنتی کے آدمی۔ شاہی فوج پر جسکا شمار نہیں ہوسکتا فتح تو کیا حاصل کر سکتے ہیں۔ جب شکست کھا کر جان سے ناامید ہونگے تو حضور کو امین کے حوالے کر دینگے کہ اس کارگذاری کے صلہ میں اپنی جان بچائیں اگر یہی منظور ہے تو خط بھیج کر پہلے فوج کا عندیہ دریافت کرلیا جائے"۔ دو خاص خط لے کر گئے فضل بن الربیع نے خط پڑھکر کہا "میں تو رائے عام کا پابند ہوں جس طرف سب ہونگے میں بھی ہونگا"۔ لیکن عبدالرحمن ایک افسر فوج نے قاصدوں کے پہلو پر نیزہ رکھ کر کہا۔ "کہ تمہارا آقا ہوتا تو یہ برچھی اُسکے پہلو سے پار ہوچکی تھی"۔ اب مامون کو چند در چند مشکلوں کا سامنا تھا۔ اِدہر تو اُسکے مالی اور فوجی دونو بازو ضعیف تھے۔ اُدہر یہ ڈھنگ دیکھکر خراسان کی اکثر سرحدی ریاستیں بغاوت پر کمربستہ ہوگئیں۔ مامون خلافت سے یک لخت مایوس ہوگیا اور اگر فضل بن سہل نے نہایت استقلال سے اُسکو تسکین نہ دی ہوتی تو غالباً وہ حکومت سے دست بردار ہوجاتا۔ اُس نے فضل سے صریح لفظوں میں کہدیا کہ سلطنت مجھ سے نہیں سنبھل سکتی تم سیاہ وسفید کے مالک ہو۔ اور میں عنان حکومت تمہارے ہاتھ میں دیتا ہوں۔

فضل کو بظاہر کوئی سہارا نہ تھا۔ اُس نے مامون کے افسران فوج سے جب اعانت کی درخواست کی تو سب نے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ اور کہا کہ "حاشا! ایسے دو بھائیوں کے معاملہ میں

کون دخل دے سکتا ہے" تاہم فضل کے عزم و ثبات میں ذرا فرق نہ آیا۔ اُسنے اپنے مضبوط اور پیش بین دل سے یہی صدا سنی کہ مامون ضرور کامیاب ہوگا۔ مامون کے ساتھ اگرچہ فوجی جمعیت بہت کم تھی لیکن علما و فضلا کا ایک بڑا گروہ موجود تھا۔ جو اُسکی علمی مجلسوں کو رونق دیتا تھا اور جن کے زہد و تقوی کا ملک پر بڑا اثر تھا۔ فضل نے ان مذہبی جنرلوں سے جو کام لیا۔ بڑے بڑے فوجی افسروں سے بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ لوگ تمام اطراف و دیار میں پھیل گئے اور وعظ و افتا کے ذریعہ سے وہ اقتدار حاصل کیا کہ اُن کی صدا پر ملک کا ملک اُمنڈ آیا۔

مامون نے خود بھی فضل خصومات اور شاہانہ فیاضیوں سے ایسا حُسن قبول حاصل کیا کہ اُسکے عدل و انصاف کے گھر گھر چرچے تھے۔ خصوصاً خراسان کا ایک چوتھائی خراج معاف کر دینے سے تمام ملک اُسکے ساتھ جان دینے پر آمادہ ہو گیا۔ اور بڑے جوش سے یہ صدائیں بلند ہوئیں کہ "کیوں نہ ہو! ہمارا بھانجا اور ہمارے پیغمبر صلعم کے چچا کا بیٹا ہے" چونکہ مامون کی ماں عجمی تھی۔ اسلئے تمام ایرانی اُسکو اپنا بھانجا کہتے تھے۔

مامون و امین کی مخالفت

امین کو اس کامیابی کے بعد مامون سے کچھ بحث نہیں رہی تھی۔ اُس نے تخت نشینی کے دوسرے ہی دن قصر المنصور کے سامنے ایک گیند گھر تیار کرایا۔ فرامین پہنچے کہ قوال مسخرے۔ ارباب نشاط جہاں جہاں ہوں انکی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں اور دار الخلافہ کو روانہ کئے جائیں۔ ہاتھی۔ عقاب۔ سانپ۔ شیر۔ گھوڑے کی شکل کی کشتیاں بنوائیں اور ان میں بیٹھکر عالم آب کی سیر کرتا تھا۔ ان صحبتوں میں اسکو مامون کا خیال بھی نہیں رہا لیکن فضل بن الربیع جو مامون کی ناکامی کا اصلی باعث تھا اور انہیں کارروائیوں کے صلے میں وزیر اعظم مقرر ہؤا۔ مامون کی طرف سے مطمئن نہ تھا۔ اُس نے امین کو اس بات پر آمادہ کیا کہ "مامون خلافت سے معزول کر دیا جائے"۔ امین نے پہلے تو انکار کیا۔ مگر فضل نے

کہا کہ ”اول جو بیعت تمام ملک سے لی گئی وہ آپ کے لئے تھی اور غیر مشترک تھی۔ پھر ہارون الرشید کو اُس میں کسی قسم کی تبدیلی کا کیا اختیار تھا۔ یہ بات امین کے دل میں اتر گئی اور اس پر آمادہ ہوا کہ مامون کو معزول کر کے موسیٰ کے لئے جو اُس کا صغیر السن لڑکا تھا بیعت لے۔ دربار میں اگرچہ زیادہ وہی لوگ تھے جو امین کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔ تاہم جب عام دربار سے رائے طلب ہوئی تو عبداللہ بن حازم نے بیباکانہ کہا کہ ”اسلام میں آج تک کسی نے عہد شکنی نہیں کی آپ یاد رکھیں۔ کہ اُسکی تاریخ آپ کے عہد سے شروع ہوتی ہے +

امین نے خفا ہو کر کہا کہ چپ رہ عبدالملک تجھ سے زیادہ عاقل تھا۔ اُسکا قول ہے۔ کہ ایک جنگل میں دو شیر نہیں رہ سکتے۔ پھر افسران فوج طلب ہوئے خزیمہ نے صاف مخالفت کی اور کہا کہ اگر آپ مامون کی بیعت توڑتے ہیں تو ہم سے بھی اپنی نسبت کچھ امید نہ رکھئے +

امین اُسوقت اس ارادے سے باز رہا۔ مگر فضل بن الربیع کا جادو بے اثر نہیں جا سکتا تھا۔ چند دن کے بعد تمام ملک میں احکام بھیج دیئے کہ خطبوں میں مامون کے بعد موسیٰ کا نام پڑھا جائے مامون اپنی قوت کا اندازہ کر چکا تھا۔ اب اُسنے علانیہ مخالفت کی کارروائیاں شروع کیں +

امین نے جب شاہزادہ عباس کو مامون کے پاس سفیر کر کے بھیجا کہ موسیٰ کی ولیعہدی تسلیم کرے تو اُس نے صاف انکار کیا۔ اسی طرح امین نے خراسان کے بعض اضلاع طلب کئے تو مامون نے قاصدوں سے کہدیا کہ ”امین کو اس قسم کی خواہشوں سے باز آنا چاہیئے“ +

یہ کارروائیاں گویا دیباچۂ جنگ تھیں اور اس وجہ سے مامون نے احتیاطاً تمام ممالک میں فرامین بھیجے کہ کوئی شخص جبتک سند اجازت نہ رکھتا ہو یا مشہور تاجر نہ ہو۔ ممالک محروسہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ فوجی افسروں کو تاکید لکھی کہ سرحدی مقامات پر معمول سے زیادہ فوج و سامان طیار رہے۔ طاہر بن حسین کو روانہ کیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو وے پہنچکر دشمن کا سد راہ ہو +

مامون پر فوج کشی ۱۹۵ھ

امین تو بہانہ ڈھونڈتا تھا۔ مامون کی گستاخیاں اشتہار جنگ کے لئے اور بھی محرک ہوئیں امین نے یہ دستاویزیں جو معاہدہ بیعت کی نسبت لکھی گئی تھیں۔ مکہ معظمہ سے منگوا کر چاک کر ڈالیں اور موسے اپنے بیٹے کو جو ہنوز پنج سالہ لڑکا تھا۔ ناطق بالحق کا خطاب دیا عمال کو تاکیدی فرمان بھیجے کہ خطبوں میں مامون کی بجائے موسے کا نام پڑھا جاوے۔ فوج کو طیاری کا حکم دیا سپہ سالار فوج علی بن عیسیٰ کو دو لاکھ دینار انعام میں لوائے اور سات ہزار مغرق خلعتیں معمولی افسروں کو تقسیم کیں۔ کوچ کے دن فوج اس سر و سامان سے آراستہ ہو کر نکلی کہ بغداد کے بڑے بڑے معمر اور سن رسیدہ جو فوجی جاہ و حشم کے ہزاروں تماشے دیکھ چکے تھے۔ حیرت زدہ رہ گئے۔ علی بن عیسیٰ نے روانگی کے وقت **زبیدہ خاتون** (امین کی ماں) سے رخصت ہونے گیا۔ زبیدہ نے چاندی کی ایک زنجیر منگا کر دی کہ مامون گرفتار ہو تو اس میں مقید کر کے لانا۔ اسکے ساتھ یہ نصیحتیں کیں کہ امین اگرچہ میرا لخت جگر ہے تاہم مامون کا بھی مجھ پر بہت کچھ حق ہے۔ تم جانتے ہو کہ وہ کس کا بیٹا اور کس کا بھائی ہے۔ گرفتار ہو۔ تو پاس ادب ملحوظ رکھنا سخت کہے تو برداشت کرنا۔ راہ میں کاب تھام کر چلنا کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ تو جانتا ہے کہ اُسکا کیا مرتبہ ہے یاد رکھ کہ تو اُس کا کسی طرح ہمسر نہیں ہو سکتا غرض علی پچاس ہزار فوج لیکر رے کی طرف بڑھا۔ راہ میں جو قافلے ملتے تھے متفق اللفظ بیان کرتے تھے کہ طاہر رے میں بڑی تیاریاں کر رہا ہے۔ مگر علی کثرت فوج پر اس قدر مغرور تھا کہ اسکو مطلق پروا نہ تھی وہ برابر بڑھتا ہوا رے کی حد تک پہنچ گیا۔ طاہر کو لوگوں نے رائے دی کہ شہر میں رہ کر علی کا مقابلہ کیا جائے۔ کیونکہ ایسی مختصر فوج میدان میں کام نہیں دے سکتی۔ طاہر نے کہا کہ اگر دشمن کی فوجیں شہر پناہ تک پہنچ گئیں تو اُسکا ظاہری غلبہ دیکھکر خود شہر والے ہم پر ٹوٹ پڑیں گے۔ طاہر صرف چار ہزار فوج لیکر باہر نکلا۔ علی بھی قریب

پہنچ گیا تھا۔ دونو فوجیں صف آرا ہوئیں۔ علی کی فوج نہایت ترتیب سے بڑھی سب سے آگے زرہ پوشوں کا رسالہ تھا۔ پیچھے سو سو قدم کے فاصلے پر دس علم اور ہر علم کے نیچے سو سوار تھے۔ علموں کے پیچھے خاص شاہی گارد تھا جس کے قلب میں علی تھا۔ اور اُس کے پہلو میں بڑے بڑے تجربہ کار افسر تھے۔ طاہر کی فوج گو نہایت مختصر تھی مگر اُسکے پر زور خطبوں نے ہر شخص میں وہ جوش بھر دیا تھا۔ کہ دشمن کی کثرت فوج کا کسی کو خیال ہی نہ تھا۔ سب سے پہلے جس شخص نے صف سے نکل کر لڑائی کی ابتدا کی وہ حاتم طائی علی کی فوج کا ایک نامور بہادر تھا۔ طاہر نے یہ انتظار نہ کیا کہ اُسی کے رتبہ کا کوئی سوار اُسکے مقابل ہو اس کو صرف اپنے زور بازو پر اعتماد تھا۔ خود مقابلہ کو نکلا اور جوش غضب میں آکر دونو ہاتھوں سے قبضہ پکڑ کر اس زور سے تلوار ماری کہ ایک ہی ضرب نے حاتم کا فیصلہ کر دیا۔ اسی کے صلہ میں زبان خلائق سے اسکو ذوالیمینین کا لقب ملا۔ یعنی دائیں ہاتھوں والا +

اب عام لڑائی شروع ہوئی علی کی فوج نے طاہر کے میمنہ اور میسرہ پر اس زور سے حملہ کیا۔ کہ طاہر کی فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ تاہم وہ بذات خود ثابت قدم رہا۔ اور دوبارہ فوج کو ترتیب دے کر اہل عَلَم پر حملہ آور ہوا۔ اسکے پے درپے حملوں نے عَلَم برداروں کی صفیں اُلٹ دیں۔ پھر کچھ ایسی ہل چل پڑی کہ تمام فوج ابتر ہو گئی۔ علی نے ہزار سنبھالا۔ مگر سنبھل نہ سکی۔ اس ہنگامہ میں دفعتہً ایک تیر آکے لگا اور علی کا خاتمہ ہو گیا۔ طاہر نے فتح قطعی حاصل کی۔ اور مامون کو ان مختصر لفظوں میں نامۂ فتح لکھا۔ کتابی الی امیر المؤمنین و رأس علی بین یدی و خاتمہ فی اصبعی و جندہ مصرفون تحت امری۔ یعنی میں امیر المومنین کو خط لکھ رہا ہوں اور علی کا سر میرے سامنے ہے۔ اسکی انگوٹھی میری انگلی میں ہے۔ اور اسکی فوجیں میرے زیر حکومت ہیں +

قاصدوں نے رے سے مرو تک کی مسافت جو ڈھائی سو فرسنگ سے کم نہ تھی۔ تین دن میں طے کی۔ اور چوتھے دن مامون کے دربار میں حاضر ہوئے۔ دو دن کے بعد علی کا سر پہنچا۔ بنظر عبرت تمام خراسان میں تشہیر کیا گیا +

امین حوض کے کنارے کوثر اپنے پیارے غلام کے ساتھ مچھلیونکا شکار کھیل رہا رہا تھا۔حوض میں رنگ برنگ کی مچھلیاں پڑی تھیں جنکو سونے کی نتھنیاں پہنائی تھیں۔ نتھنیوں میں بیش قیمت موتی پڑے تھے کہ جسکے شکار میں جو مچھلی آئے موتی بھی اسی کو ملے ؎

امین خوبصورت لونڈیوں کے ساتھ ہمیشہ اُسکے کنارے شکار کھیلا کرتا تھا۔آج بھی وہ اسی شغل میں تھا کہ دفعۃً مسرور نے فوج کی شکست اور علی کے مارے جانے کی خبر سنائی۔امین نے جھلا کر کہا چپ بھی رہ!کوثر دو مچھلیاں پکڑ چکا ہے اور مجھکو صبح سے اب تک ایک بھی نہیں ملی۔ شکار سے فارغ ہؤا تو فضل بن الربیع کو طلب کیا۔اس نے شکست کی یہ تلافی کی کہ مامون کے وکیل کو جو بغداد میں رہتا تھا پکڑ بلایا۔اور مال و اسباب کے علاوہ دس لاکھ روپے وصول کئے ؎

امین نے ایک اور فوج تیار کی جس کی تعداد بیس ہزار سے کم نہ تھی عبدالرحمن سپہ سالار مقرر ہؤا۔ اس زمانہ میں طاہر ہمدان کے قریب مقیم تھا۔یہ فوج بھی ہمدان کی سرحد پر پہنچکر ٹھیری۔عبدالرحمن نے اس شہر کو صدر مقام قرار دیا اور ضروری موقعوں پر سوار و پیادے متعین کئے طاہر نے شہر پر حملہ کیا۔مہینوں محاصرہ رہا۔آخر عبدالرحمن امن کا طالب ہؤا۔اور شہر چھوڑ کر کسی طرف نکل گیا طاہر قزوین پر بڑھا۔یہاں کا عامل جس کا نام کثیر تھا۔اس کی آمد کی خبر سنکر پہلے ہی بھاگ گیا تھا قزوین پر تو قبضہ ہوگیا۔مگر دفعۃً عبدالرحمن ایک فوج عظیم لے کر پہنچا۔اور اس تیزی سے حملہ آور ہؤا۔کہ طاہر کی فوجیں ہتھیار بھی نہ سنبھال سکیں صرف پیادوں کی جماعت مسلح تھی وہ نہایت ثابت قدمی سے لڑی۔اتنی فرصت پاکر سواروں نے بھی ہتھیار سنبھالے۔اور سخت معرکہ ہؤا۔ عبدالرحمن کی فوج نے شکست کھائی۔تاہم وہ خود ثابت قدم رہا۔اور جب اسکے ساتھیوں نے کہا کہ اب لڑنا بے سود ہے بھاگ چلئے۔تو اُس نے نہایت غیظ سے کہا کہ میں خلیفہ امین کو شکست کھایا ہؤا منہ دکھانا نہیں چاہتا۔نہایت بہادری سے لڑا اور مارا گیا ؎

اس فتح نے دور دور تک طاہر کا سکہ بٹھادیا۔جبل کے تمام علاقے اُسکے قبضہ میں آگئے تاہم یہ شکستیں امین کے حوصلے کو پست نہ کرسکیں۔اُس نے ایک اور عظیم الشان فوج آراستہ کی۔

جو بغداد میں کم و بیش چالیس ہزار تھی۔ سپہ سالار وہ مقرر کئے جو دولت عباسیہ کے مشہور اور نامور افسر تھے۔ یعنی احمد بن زید۔ و عبدالرحمن بن حمید۔ طاہر ان بہادروں کا کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اور اس بات کو وہ خود بھی سمجھ گیا تھا۔ اب اس نے تلوار کے بدلے تدبیر سے کام لیا جعلی خطوط اور قاصدوں کے ذریعہ سے ان دونو افسروں میں پھوٹ ڈال دی۔ اور یہانتک نوبت پہنچی کہ خود یہ دونو آپس میں لڑ گئے۔ مدت تک ایک دوسرے کے مقابلہ میں شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے اور جس طاقت سے طاہر کے مقابلے کو آئے تھے باہم دگر صرف کر کے بغداد واپس گئے۔

ان فتوحات نے مامون کی امیدیں وسیع کر دیں۔ امیرالمؤمنین کا لقب اختیار کیا اور درباریوں کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ فضل کو اُن تمام ممالک کا گورنر مقرر کیا۔ جو ہمدان سے تبت تک طول میں اور بحر فارس سے جرجان بحر ویلیم تک عرض میں خاص خلافت مامونیہ کے زیر نگین تھے اس کے ساتھ ذوالریاستین کا لقب دیا اور تیس لاکھ درہم ماہوار تنخواہ مقرر کی۔ اسی طرح حسن بن سہل کو وزیر الخراج۔ علی بن ہشام کو وزیر الحرب۔ نعیم کو وزیر القلم مقرر کیا۔

اہواز۔ بصرہ۔ بحرین۔ عمان وغیرہ

طاہر خود شلاشان میں ٹھیرا۔ اور رستمی کو اہواز پر بھیجا۔ محمد بن یزید بن حاتم المہلبی جو امین کا عامل تھا۔ اسی اطراف میں موجود تھا۔ رستمی کی آمد سنکر اہواز پہنچا۔ قلعہ بندی شروع کی۔ مگر اُس کے دوسرے ہی دن رستمی اور قریش (جسکو طاہر نے ایک فوج گراں کے ساتھ رستمی کی مدد کو بھیجا تھا) پہنچے۔ نہایت سخت معرکہ ہؤا۔ محمد کی فوج نے شکست کھائی۔ مگر وہ خود چند جان نثار غلاموں کے ساتھ میدان جنگ میں کھڑا رہا۔ اگرچہ فتح سے ناامید ہو چکا تھا۔ تاہم اُس نے اپنے غلاموں سے کہا کہ جو بھاگ گئے اُنکے واپس پھرنے کی اُمید نہیں جو ساتھ ہیں اُنکا ثابت قدم رہنا یقینی نہیں۔ میں لڑ کر مارا جاؤنگا تم کو اجازت ہے جدھر چاہو چلے جاؤ۔ میں تمہارے مرنے سے بہر حال تمہارا زندہ رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ سب نے متفق

اللفظ کہا۔ کہ آپکے بعد دنیا اور زندگی دونو پر لعنت ہے۔ محمد اور اُسکے جاں نثار غلام گھوڑوں سے اتر پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوئے۔ اگرچہ محمد نے طاہر کے بہت سے آدمی ضائع کیئے۔ مگر خود جانبر نہ ہوسکا۔ محمد عرب کے مشہور خاندان آل مہلب سے تھا۔ جسکی دلیری اور بہادری عرب کے کارناموں میں ضرب المثل کی طرح مشہور ہے۔ اور چونکہ وہ خود بھی شجاع اور یادگار سلف تھا طاہر کو بھی اسکے مارے جانیکا افسوس رہا۔ اس فتح نے اہواز۔ یمامۃ۔ بحرین عمان تک مطلع صاف کردیا۔ اور یہ تمام علاقے طاہر کے قبضہ میں آگئے۔ اب وہ واسط کی طرف بڑھا۔ یہاں کا عامل پہلے ہی بھاگ گیا تھا۔ کوفہ۔ بصرہ۔ موصل کے عاملوں نے خود طاہر کے پاس اطاعت کے خطوط بھیجے۔ اور جب ۱۹۶ھ تک طاہر کی فتوحات سے صرف بغداد اور اُسکے متعلقات بچ رہے۔ مدائن میں برمکی نے بہت کچھ تیاریاں کیں۔ دار الخلافہ سے بھی ہر روز مدد چلی آتی تھی۔ مگر طاہر کا کچھ ایسا رعب چھا گیا تھا کہ جب برمکی اُسکے مقابلے کو نکلا۔ تو فوج کی صفیں بھی درست نہ ہوسکیں۔ ایک کو سنبھالا تو دوسری ابتر ہوگئی مجبور ہو کر خود سب کو اجازت دے دی کہ جہاں چاہیں چلے جائیں +

ان فتوحات کی شہرت عام ہوتی جاتی تھی۔ اور ملک میں مامون کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا۔ حرمین میں بھی اس کا سکہ وخطبہ جاری ہوگیا۔ داؤد جو مکہ معظمہ کا حاکم تھا۔ اُس نے تمام اعیان عرب کو جمع کیا۔ اور مجمع عام میں ایک نہایت پر اثر تقریر کی۔ جب امین کی برائیاں کیں تو ان فقروں سے ساری مجلس کو کپکپا دیا۔ کہ یہ وہی امین ہے۔ جس نے حرمت حرم کا بھی خیال نہ کیا۔ اور معاہدوں کی تصدیق صحن کعبہ میں ہوئی تھی۔ انکو چاک کر کے آگ میں جلادیا۔ داؤد اس تقریر کے بعد ممبر پر چڑھ گیا اور سر سے ٹوپی اتار کر پھینک دی۔ کہ اسی طرح میں امین کو خاک پر پھینکتا ہوں۔ سب نے غائبانہ مامون کے لئے بعیت لی۔ مامون کو جب یہ خبر پہنچی تو داؤد کو پانچ لاکھ درہم بطور نذر کے بھیجے۔ اور مکہ کی حکومت اُس پر مستزاد کی۔ چند روز کے بعد یمن وغیرہ کے عمال نے بھی طاہر

کی اطاعت قبول کی اور امین کی حکومت بغداد کی حد تک رہ گئی۔ تاہم اُس نے ایک عظیم الشان لشکر جس میں قریباً چار سو افسر تھے۔ علی بن محمد کی ماتحتی میں ہرثمہ کے مقابلہ کو روانہ کیا۔ رمضان سنہ ۱۹۶ھ میں بمقام نہروان دونو فوجیں مقابل ہوئیں امین کی یہ اخیر کوشش بھی کچھ کامیاب نہ ہوئی۔ فوج نے شکست کھائی۔ اور علی زندہ گرفتار ہؤا۔ اب صرف یہ تدبیر باقی رہ گئی کہ مال و زر کی طمع دلا کر دشمن کی فوج توڑ لی جائے۔ امین کے خزانہ عامرہ میں ہارون الرشید کے زمانہ کا اب بھی بہت اندوختہ موجود تھا۔ جو اس ضروری موقع پر تیغ و خنجر سے زیادہ کام آیا۔ قریباً پانچ ہزار آدمی اس طرح پر طاہر کا ساتھ چھوڑ کر دار الخلافہ بغداد میں حاضر ہوئے۔ امین نے خطوط میں جو وعدے کئے تھے۔ اس سے بھی زیادہ انعام و صلہ دیا۔ اور فخر کے طور پر ان کی داڑھیاں مشک سے رنگوائیں۔ یہ لوگ اور بہت سی فوج لے کر طاہر سے لڑنے کے لئے روانہ ہوئے۔ صرصر میں مقابلہ ہؤا۔ مگر نتیجہ جنگ نے ثابت کر دیا کہ جو لوگ طاہر کے ساتھ دغا کر چکے تھے۔ وہ امین کے ساتھ بھی وفاداری نہیں کر سکتے تھے۔ طاہر نے فتح قطعی حاصل کی اور بے شمار غنیمت ہاتھ آئی۔ امین نے اب ایک نئی فوج تیار کی جس میں حوالے بغداد کے عوام بھرتی تھے۔ انہیں میں سے کمانیر و جنرل بھی مقرر کئے اور ایک ایک کو گراں بہا انعامات سے مالامال کر دیا۔ قدیم افسر جو ان فیاضیوں سے محروم رہے۔ نہایت ناراض ہوئے اُدھر طاہر نے اُن سے خط و کتابت شروع کی جس کا یہ اثر ہؤا کہ وہ علانیہ باغی ہو گئے۔ درباریوں نے عرض کیا کہ انعام و صلہ کی طمع دلا کر ان کو قابو میں لانا چاہئے۔ لیکن امین کو اپنی نو آزمودہ فوج پر اس قدر ناز تھا کہ اس نے قدیم تجربہ کار لشکر کی کچھ پروا نہ کی۔ اور ان نو آزمودوں کو حکم دیا کہ باغیوں کو گرفتار کر لائیں۔ ادہر امین کی پرانی اور نئی فوجیں باہم معرکہ آرا تھیں۔ ادہر طاہر بے روک ٹوک بڑھتا چلا آیا۔ اور ذوالحجہ سنہ ۱۹۶ھ میں باب الانبار پہنچکر ایک باغ میں مقام کیا۔ امین کے بہت سے افسر اُس کے پاس حاضر ہو گئے۔ اور بڑے بڑے انعامات و صلے حاصل کئے ؛

بغداد کا محاصرہ ۱۹۷ھ

اگرچہ امین کی تمام قوت صرف ہو چکی تھی۔ اور بظاہر دار الخلافہ میں کوئی شخص طاہر کا سدّ راہ نہ تھا تاہم طاہر نے نہایت احتیاط سے کام لیا۔ بغداد ایک مدت سے خلفائے عباسیہ کا پائے تخت اور انکی طاقت کا اصلی مرکز تھا۔ خاص شہر کی آبادی دس لاکھ سے کم نہ تھی۔ جن میں اکثر مسلمان تھے۔ اور سپہ گری کا فطرتی جوہر رکھتے تھے۔ اس لحاظ سے بغداد پر قبضہ حاصل کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ طاہر نہایت تدبیر سے چلا۔ بڑے بڑے نامور افسر جو ساتھ تھے اُن کو خاص خاص حصّوں پر متعین کیا۔ اور یہ حکم دیا کہ جو لوگ حلقۂ اطاعت میں ہیں اُن کو امن دیا جائے۔ باقی حصوں پر منجنیقوں کے ذریعہ سے آگ اور پتھر برسائیں اور تمام عمارتوں کو خاک کے برابر کر دیں۔ نہایت سفاکی اور بیرحمی سے ان احکام کی تعمیل ہوئی۔ ہزاروں عالیشان مکان برباد کر دیئے گئے۔ محلے کے محلے تباہ ہو گئے۔ افراہمرد محمد بن عیسےٰ۔ سعید بن مالک نہایت دلیری سے لڑے۔ مگر عاجز ہو ہو کر طاہر کی پناہ میں آتے گئے۔ رفتہ رفتہ۔ عبداللہ۔ یحییٰ بن ہامان۔ محمد طائی وغیرہ نے بھی جو امین کے ارکان خلافت تھے۔ اطاعت قبول کی۔ صرف شہر کے اوباش اور عیار باقی رہ گئے۔ جو طاہر کے سدّ راہ تھے۔ لیکن ان کے زیر کرنے میں طاہر نے جو دقتیں اٹھائیں۔ بڑے بڑے معرکوں میں بھی نہیں اٹھائی تھیں۔ قصر صالح پر ان لوگوں نے اس دلیری سے مقابلہ کیا کہ طاہر کی بہت سی فوج ضائع ہوئی۔ اور چند مشہور افسر مارے گئے۔ مورخین کا بیان ہے کہ علی کے معرکے سے لیکر آج تک طاہر کو کبھی ایسی سخت لڑائی کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ اس شکست کے انتقام میں طاہر نے حکم دیا کہ دجلہ سے دار الرقیق تک اور باب الشام سے باب الکوفہ تک جس قدر آبادی ہے کلیتہً برباد کر دیجائے۔ اس پر بھی جب اہل شہر مطیع نہ ہوئے تو گذرگاہوں پر پہرے بٹھا دیئے کہ باہر سے رسد کی کوئی چیز نہ آنے پائے۔ لیکن عیار

اب بھی زیر نہ ہوئے۔ قصر شماسیہ پر طاہر نے عبداللہ کو متعین کیا تھا۔ عیاروں نے اس کو سخت شکست دی۔ اور جب طاہر کی طرف سے ہرثمۃ مدد کو آیا تو عیاروں نے اس کو زندہ گرفتار کر لیا۔ طاہر خود گیا تو بڑے سخت معرکہ سے عیار پیچھے ہٹے +

پورے برس دن محاصرہ رہا۔ اور دارالاسلام بغداد ایک ویرانہ سے بدتر ہو گیا۔ ایسا معمور اور پر رونق شہر دور دور تک کف دست میدان پڑا تھا۔ امین کے عالیشان قصر و محل جو تقریباً دو کروڑ کے صرف میں تیار ہوئے تھے۔ اُنکے صرف کھنڈر باقی رہ گئے۔ اہل شہر پر جو سختیاں گذریں انکا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ سینکڑوں گھرانے برباد ہو گئے ہزاروں بچے یتیم بن گئے۔ ہر گلی کوچہ میں دردناک آوازیں بلند تھیں شعرا نے نہایت جانکاہ مرثئے لکھے۔ جرمی کا ایک قصیدہ اب بھی موجود ہے۔ جو ۱۵۰ شعر کا ہے۔ اور اس قیامت انگیز واقعہ کی پوری تصویر ہے۔ بغداد اتنا کچھ برباد ہو چکا تھا۔ تاہم طاہر کو شہر میں داخل ہونے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اور اگر خزیمہ جو امین کے درباریوں میں نہایت باثر شخص تھا ساتھ نہ دیتا تو بغداد کی فتح میں شاید بہت زیادہ دیر لگتی۔ خزیمہ ۱۲۔ محرم ۱۹۸ھ کو مشرقی دروازہ سے بغداد میں داخل ہؤا اور دجلہ پر علم نصب کر کے اعلان کیا کہ خلیفہ امین معزول کر دیا گیا۔ اس اشتہار سے شہر کا مشرقی حصہ گویا کامل طور سے فتح ہو گیا +

دوسرے دن طاہر نے مغربی حصہ پر حملہ کیا۔ بازار کرخ کے متصل معرکہ ہؤا طاہر نے قصر الوضاح پر تھوڑی سی فوج متعین کی۔ اور بذات خود مدینۃ المنصور۔ قصر زبیدہ قصر الخلد کا محاصرہ کیا۔ یہ عالیشان ایوانات جو خلفائے عباسیہ کے یادگار تھے۔ بجائے خود ایک شہر تھے۔ اور انکے گرد جدا جدا شہر پناہ تھی +

عبرت۔ اس محاصرہ میں ابراہیم بن المہدی جو ہارون الرشید کا بھائی اور فن موسیقی میں یگانہ روزگار تھا۔ امین کے ساتھ تھا۔ اس کا بیان ہے کہ ایک رات امین دل بہلانے کے لئے محل سے باہر نکلا۔ اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ ابراہیم! دیکھتے کیا

سہانی رات ہے۔ چاند کیسا صاف اور روشن ہے۔ دجلہ پر اسکا عکس پڑتا ہے تو کیسا
خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ ایسے پُرلطف وقت میں کیا چیز ضرور ہونی چاہئے؟ شراب۔ میں نے
کہا۔ سمعاً وطاعةً + غرض شراب آئی۔ امین نے میری طرف پیالہ۔ بڑھایا۔ میں نے
مزے میں آکر چند اشعار گائے۔ امین نے کہا: نغمہ ہے تو ساز بھی ہونا چاہئے۔" حسب
الطلب ایک مغنّیہ کنیز آئی۔ امین نے نام پوچھا۔ تو اُس نے کہا "ضعف" امین اس
منحوس نام سے متوحش ہؤا۔ پھر کچھ گانے کی فرمایش کی۔ تو وہ یہ شعر گائی ؎

کلیب لعمری کان اکثر ناصرًا　　وایسر جرمًا منک ضرّج بالدم

یعنی "اپنی عمر کی قسم! کلیب کے مددگار زیادہ تھے۔ اور وہ تجھ سے زیادہ مدبر اور عاقل بھی
تھا۔ تاہم خون میں رلایا گیا" امین آور مکدر ہؤا۔ اور دوسری چیز گانے کی فرمائش کی
اُس نے یہ شعر گایا ؎

ابکی فراقھم عینی فارقھا　　ان التفرق لاحباب بکاءٌ

یعنی "ان لوگوں کے فراق نے میری آنکھوں کو رلایا۔ اور نیند کھودی۔ جدائی دوستوں کو
سخت رلانے والی چیز ہے" امین نہایت منغض ہؤا۔ اور خفا ہو کر کہا "کمبخت تجھے اس
کے سوا اور بھی کچھ گانا آتا ہے" اُس نے عرض کیا "میں نے وہی اشعار گائے کہ حضور
اُن کو سُن کر خوش ہوں" پھر اُس نے اور چند ایسے ہی دردناک شعر گائے۔ امین نے نہایت
غصہ میں آکر کہا۔ ملعونہ دور ہو۔ اُٹھی تو ایک بلور کے پیالے سے جو نہایت خوبصورت
بنا ہؤا تھا۔ اور امین اسکو زب رباح کہا کرتا تھا۔ ٹھوکر کھا کر گری۔ اسکے صدمے سے پیالہ بھی ٹوٹ
گیا۔ امین میری طرف مخاطب ہؤا۔ کہ "دیکھتے ہو، آج کیا باتیں پیش آتی ہیں۔ غالبًا اب
میرا وقت پورا ہو چکا" اسی گفتگو میں کسی طرف سے آواز آئی۔ قضی الامر الذی فیہ
تستفتیان + یعنے "جس امر میں تم دو نو بحث کرتے ہو طے ہو گیا" امین نے مجھ سے کہا۔
"کچھ سنا بھی؟" میں نے عرض کیا کہ "مجھکو تو کوئی چیز سنائی نہیں دی" تاہم اٹھکر میں نہر کے

قریب گیا۔ وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ تو واپس آ کر پھر باتوں میں مشغول ہوا۔ دوبارہ پھر وہی آواز آئی۔ امین زندگی سے مایوس ہو کر اُٹھا۔ اس واقعہ کے دو ہی تین دن کے بعد قتل کیا گیا +

اس یاس اور نا امیدی میں امین کو بھائی یاد آیا۔ اُس نے طاہر کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔ وہ آپس کی خانہ جنگیوں سے یہ نوبت پہنچی کہ اب عزت اور ناموس کی طرف سے بھی اندیشہ ہے۔ مجھ کو ڈر ہے کہ یہ موقع دیکھکر غیروں کو خلافت کی ہوس نہ پیدا ہو۔ بہرحال میں اس پر راضی ہوں کہ تو مجھ کو امان دے تو بھائی مامون کے پاس چلا جاؤں۔ اگر اُس نے عنایت کی تو اس کے رحم اور فیاض دلی سے یہی توقع ہے اگر قتل کرا دیا تو گویا ایک زور نے دوسرے زور کو توڑا۔ اور تلوار نے تلوار کو کاٹا۔ اگر شیر پھاڑ ڈالے تو اس سے اچھا ہے کہ مجھکو کتا نوچ کھائے یہ یقینی ہے کہ امین اگر مامون تک پہنچ جاتا تو مامون کی رحمدلی اور برادرانہ الفت کا جوش پھر بھی شفیع ہوتا۔ اور اگر تخت خلافت کی عزت نہ ملتی تو کم سے کم اُسکی جان ضرور بچ جاتی۔ لیکن طاہر نے جسکی قسمت میں تھا کہ ایک خلیفہ ہاشمی کا قاتل کہلائے۔ اس درخواست کو نامنظور کیا +

امین کا قتل ۲۵۔ محرم سنہ ۱۹۸

طاہر کے پیہم حملوں نے امین کے طرفداروں کو یقین دلایا کہ اب اُنکے روکنے کی کوشش قریبًا بیکار ہے۔ محمد بن حاتم بن الصقر و محمد بن اغلب افریقی جن کی پامردی سے طاہر ابتک امین پر دسترس نہیں پا سکتا تھا۔ اب وہ بھی ہمت ہار گئے۔ اور امین کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ۔ نمکخواروں نے کورنمکی کی دشمن حریم شاہی تک پہنچ گیا۔ اب صرف یہ تدبیر ہے کہ رفقا میں سے سات ہزار جان نثار خاص انتخاب کر لئے جائیں۔ جن کے لئے اصطبل خاصہ میں اسی تعداد کے گھوڑے موجود ہیں۔ انہیں کی حفاظت میں حضور رات کے وقت یہاں سے نکل جائیں۔ اسکے ہم ذمہ وار ہیں کہ طاہر یا کوئی اور شخص ہمارے روکنے کا حوصلہ نہیں کر سکتا۔ شام کا ملک سامنے ہے۔ حضور وہیں کا قصد کریں۔ وہاں اسقدر خزانہ و مال موجود ہے

کہ ہم اپنی قوت کافی طور سے بڑھا سکتے ہیں۔ اور پھر دشمن کے حملوں سے بھی کچھ خوف نہ ہوگا
امین نے یہ رائے تسلیم کی اور مصمم ارادہ کر لیا کہ دار الخلافہ چھوڑ کر کسی طرف نکل جائے طاہر
کو یہ خبر پہنچی تو اُس نے سلیمان بن منصور۔ محمد بن عیسےٰ وغیرہ کو بلا بھیجا۔ یہ لوگ ظاہر میں
امین کے ساتھ تھے۔ اور اُس کے پاس آمد ورفت رکھتے تھے۔ لیکن جان کے خوف سے
طاہر کے خلاف کوئی بات نہیں کر سکتے تھے۔ طاہر نے ان لوگوں سے کہا کہ۔ اگر امین بچکر
نکل گیا تو تم کو اپنی زندگی سے بھی مایوس رہنا چاہیئے۔ جسطرح بنے اسکو اس ارادے سے
باز رکھو۔ مجبوراً یہ لوگ امین کے پاس حاضر ہوئے اور کہا۔ جن لوگوں نے حضور کو یہ رائے
دی۔ خود غرضی سے دی۔ چونکہ طاہر کے مقابلے میں زیادہ تر انہیں لوگوں نے سرگرمی
دکھائی ہے۔ انکو یقین ہے کہ اگر اُس نے فتح پائی تو پہلے انہیں کی خبر لے گا۔ اس لئے
یہ چاہتے ہیں کہ جب حضور شام کے قصد سے حریم خلافت سے باہر نکلیں تو گرفتار کر کے
طاہر کے حوالے کر دیں۔ اور اس کارگذاری کے صلہ میں اُس نے عفو تقصیر کے خواستگار
ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ حضور تخت خلافت سے الگ ہو جائیں۔ اور اپنے کو طاہر کے ہاتھ میں
دیدیں۔ وہ آپ کا ادب ملحوظ رکھے گا۔ اور مامون سے تو پوری امید ہے کہ برادرانہ سلوک
کرے۔ امین اس فریب کو نہ سمجھ سکا۔ اور یہ رائے بھی مان لی۔ اسقدر اختلاف کیا کہ بجائے
طاہر کے ہرثمہ کو اختیار کرنا چاہیئے۔ ان جان نثاروں محمد بن حاتم و محمد بن ابراہیم کو جب اس
ارادہ کا حال معلوم ہوا۔ تو امین کے پاس آئے۔ اور عرض کیا کہ "اگر حضور نے ہم خیر خواہوں
کا کہنا نہ مانا۔ اور خود غرضوں کی رائے قبول کی تو طاہر سے براہ راست معاملہ کرنا چاہیئے"
امین نے کہا میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ اسوقت سے طاہر کا نام سنکر مجھ کو وحشت
ہوتی ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک بڑی لمبی چوڑی دیوار ہے جسکی بلندی آسمان تک پہنچی ہے۔
میں اُس دیوار پر لباس شاہانہ پہنے تلوار لگائے کھڑا ہوں۔ تین دیوار میں طاہر ایستادہ ہے اور
دیوار کی جڑ کھود رہا ہے۔ بالآخر وہ گر پڑی۔ جس کے ساتھ میں بھی نیچے آیا۔ اور تاج شاہی سر سے

گر گیا۔ اس خواب کے بعد سے طاہر کے خیال سے میں چونک پڑتا ہوں۔ ہرثمہ[1] اس خاندان کا نمک پروردہ قدیم ہے اور میں اسکو ظل سبحانی ہارون الرشید کے برابر سمجھتا ہوں ؎

امین اسی راے پر قایم رہا اور ہرثمہ سے امان طلب کی۔ اس نے نہایت اخلاص ظاہر کیا۔ اور جواب میں لکھا کہ "آپ اطمینان رکھیں۔ کوئی شخص آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ خود مامون نے بھی اگر کچھ برا ارادہ کیا تو میں سینہ سپر ہونگا۔ اور جب تک دم میں دم ہے ساتھ دونگا" طاہر کو یہ خبر پہنچی تو نہایت طیش میں آیا۔ اور کہا کہ "یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ آج تک تمام معرکوں میں مَیں نے جانبازی کی ہو۔ اور امین کا ہاتھ آنا جو خاتمہ فتح ہے ہرثمہ کو نصیب ہو" اس نزاع کے فیصل کرنے کے لئے عمائد بنی ہاشم شامل تھے۔ بالآخر اس پر فیصلہ ہوا کہ امین بذات خود ہرثمہ کے پاس چلا آئے اور چھڑی و چادر و انگشتری جو سند خلافت ہیں۔ طاہر کے پاس بھیج دے مگر افسوس ہے۔ امین کی بدقسمتی نے اس تجویز کو بھی چلنے نہ دیا۔ ہرش ایک شخص نے جو اس سے پہلے امین کا معتمد تھا۔ اور اب طاہر سے مل گیا تھا۔ اپنا تقرب بڑھانے کے لئے طاہر سے کہا کہ آپ کو دھوکہ دیا گیا ہے لوگوں نے بندوبست کر لیا ہے کہ امین کے ساتھ خاتم خلافت وغیرہ بھی ہرثمہ کے ہاتھ آئے طاہر نہایت برافروختہ ہوا۔ اور تیراندازوں کا ایک دستہ متعین کر دیا کہ خفیہ طور سے قصر الخلد و قصر زبیدہ کی حفاظت رکھے۔ اور اُن کو تاکید کی کہ امین نکل کر جانے نہ پائے۔ محرم ۱۹۸ھ کی ۲۵ تاریخ ہفتہ کی رات کو قریبًا دس بجے امین نے ہرثمہ کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ مگر اُس نے کہلا بھیجا کہ دجلہ پر طاہر نے فوج متعین کر دی ہے۔ آج کی رات حضور اور توقف فرمائیں تو کل میں فوج و حشم سے طیار رہوں۔ اور اگر مقابلہ کی نوبت آئے تو سینہ سپر ہو کر لڑوں۔ امین ایسے اضطراب و خوف کی حالت میں تھا کہ دار الخلافہ میں ایک لحظہ بھی ٹھیرنا اُس کو گراں تھا۔ اُس نے قاصد سے کہا کہ "اس اضطراب میں کس سے رات کٹ سکتی ہے۔ یلا ٹے

---

[1] ہرثمہ نسبًا ہاشمی تھا اور چونکہ امین ہمیشہ سے اُس سے زیادہ مانوس تھا۔ اس موقع پر بھی اُسی سے طالب امن ہوا۔

یا نہ بلائے ہیں تو اسی وقت ہرثمتہ کے پاس جاتا ہوں" امین کا یہ آخری دربار تھا کہ وہ حریم خلافت سے رخصت ہوتے وقت حسن القصر کے صحن میں ایک کرسی پر بیٹھا اور چند خدام اس کے سر پر گرز لئے کھڑے ہوئے۔ اُس نے اپنے دو لو بیٹوں کو بلایا اور سینے سے لپٹا کر پیار کیا۔ انکی پیشانی اور رخساروں پر بوسے دیئے۔ اور پھر گلے سے لگا کر خوب رویا۔ اور نہایت حسرت کے ساتھ یہ کہہ کر رخصت کیا کہ جاؤ خدا کو سونپا۔ امین جب کبھی سوار ہوتا تھا تو ہزاروں زریں کمر غلام رکاب کے برابر چلتے تھے۔ جنکی زرق برق پوشاکوں اور چمکتے ہوئے مرصع ہتھیاروں سے تمام میدان چمک جاتا تھا۔ آج وہ اس حال سے دجلہ کی طرف چلا ہے کہ خادم کے ہاتھ میں صرف ایک شمع ہے جو راستہ دکھائی دینے کے لئے قصر خلد سے ساتھ آئی ہے۔ دجلہ کے کنارہ پر پہنچا تو ہرثمتہ آدمیوں کے ساتھ اُسکے لینے کو پہلے موجود تھا۔ یہ لوگ کشتی پر سوار تھے امین کو آتے دیکھکر سب تعظیم کو اُٹھے۔ ہرثمتہ کو چونکہ نقرس کی شکایت تھی۔ آداب شاہی نہ بجالا سکا۔ اور گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر معافی مانگی کہ "بیماری کی وجہ سے معذور ہوں"۔ امین جب کشتی میں داخل ہوا تو ہرثمتہ نے آغوش میں لیا۔ ہاتھ اور پاؤں کو بوسے دیئے اور ادب آمیز پیار سے کہتا جاتا تھا "میرے آقا۔ میرے مالک۔ میرے سردار"۔ ہرثمتہ نے کشتی کے بڑھانے کا حکم دیا کہ دفعتہً طاہر کے آدمیوں نے ہر طرف سے گھیر لیا۔ اور اسقدر تیھر برسائے کہ تمام تختے ٹوٹ گئے۔ ہرثمتہ کو ملاحوں نے باہر نکالا۔ امین جس کا کوئی دستگیر نہ تھا کپڑے پھاڑ کر ہلکا ہوا۔ اور ڈوبتا تیرتا کنارہ پر پہنچا۔ احمد بن سلام کا بیان ہے کہ امین کے ساتھ میں بھی کشتی میں تھا لوگ مجھ کو طاہر کے ایک افسر کے پاس پکڑ کر لے گئے۔ جب اسکو یہ معلوم ہوا کہ میں بھی امین کے ساتھ تھا تو میری گردن مارنے کا حکم دیا۔ میں نے دس ہزار درہم کے وعدہ پر جان بچائی۔ اور ضمانت میں قید رکھا گیا۔ شام ہوئی تو عجم کے چند سوار آئے اور اس حال میں امین کو گرفتار کئے ہوئے لائے کہ بدن سے ننگا۔ صرف ایک پائجامہ پہنے تھا۔ سر پر ایک عمامہ

اور کاندھے پر ایک بوسیدہ چادر تھی عمامہ سے اُس نے اپنا چہرہ چھپالیا تھا۔ امین جس حجرہ میں محبوس تھا۔ اسی میں امین کو بھی بٹھا کر چلے گئے۔ اور دربانوں سے تاکید کرتے گئے کہ نہایت احتیاط رکھیں۔ ان لوگوں کے چلے جانے پر امین ذرا مطمئن ہؤا اور چہرے سے نقاب الٹی میں نے پہچانا تو بے ساختہ رو پڑا۔ امین نے میرا نام پوچھا میں نے کہا "حضور کا نمکخوار غلام۔ احمد بن سلام" امین نے کہا ہاں میں نے پہچانا بھائی غلامی کیسی اسوقت تو تم میرے برادر اور قوت بازو ہو۔ مجھے ذرا سینہ سے لگالو۔ مجھکو سخت وحشت ہو رہی ہے۔ میں نے لپٹایا تو اس کا کلیجہ دھڑ دھڑ کر تا تھا۔ پھر پوچھا کہ "ماموں کا کچھ حال معلوم ہے۔ میں نے کہا زندہ ہے" کہنے لگا "خدا پرچہ نویسوں کا برا کرے۔ کمبختوں نے خبر دی تھی کہ مر گیا" میں نے کہا۔ خدا آپ کے وزیروں کا برا کرے۔ امین نے کہا "وزیروں کو کچھ نہ کہو۔ اُن کا کیا گناہ ہے کچھ میں ہی پہلا شخص نہیں ہوں۔ جو اپنے ارادے میں ناکام رہا ہو" پھر مجھ سے پوچھا کہ "کیوں احمد! لوگ مجھ کو قتل کر ڈالیں گے؟ یا اپنے عہد پر قائم رہیں گے" میں نے تسکین دی کہ "نہیں ضرور اپنے اقرار کی پابندی کریں گے"

چونکہ شدت کی سردی تھی اور پانی میں بھیگا ہؤا تھا۔ چادر میں لپٹا جاتا تھا۔ میں نے اپنا شلوکہ اُتار کر دیا کہ اِسکو بدن پر ڈال لیجئے اُس نے نہایت شکر گذاری سے کہا کہ بھائی اس موقع پر تو یہ بھی خدا کی بڑی نعمت ہے" آدھی رات گذری ہوگی کہ چند اہل عجم ننگی تلواریں لئے آئے۔ اور دروازے پر ٹھیرے۔ امین یہ دیکھکر کھڑا ہو گیا۔ اور نہایت اضطراب سے انا للہ پڑھتا جاتا تھا۔ اور یہ کہتا تھا "ہائے میری جان مفت جاتی ہے کیا کوئی شخص یاور نہیں کیا کوئی فریادرس نہیں" امین گو عیش پرست اور نازک اندام تھا۔ مگر اس کے ساتھ نہایت شجاع اور قوی بھی تھا۔ اس بیکسی میں بھی قاتلوں کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ کہ آگے بڑھیں ہر شخص دوسرے سے ٹالتا تھا۔ امین نے بجائے سلاح جنگ کے ہاتھ میں ایک تکیہ اُٹھا لیا۔ اور یہ کہتا جاتا تھا کہ میں تمہارے نبیؐ کا ابن عم ہوں۔ ہارون الرشید

کا فرزند ہوں۔ مامون کا بھائی ہوں میرا خون کسی طرح حلال نہیں" بالآخر ایک شخص تلوار لیکر بڑھا۔ اور امین کے سر پر ماری۔ اسی گستاخی اور جرأت نے امین کو یقین دلایا کہ اسکی دردناک فریاد ان سنگدلوں پر کچھ اثر نہیں کر سکتی وہ مرنے کے لئے تیار ہوا۔ مگر ایسا ہی مرنا جیسا کہ ایک عباسی شاہزادہ کو درکار تھا۔ اب اسکی نزاکت غضبناک جراءت سے بدل گئی۔ دلیرانہ بڑھا۔ اور چونکہ تنہا تھا۔ چاہا کہ حریف کی تلوار چھین کر ہاشمی جرأت کے جوہر دکھائے۔ یہ دیکھکر گروہ کا گروہ دفعتًا اس پر ٹوٹ پڑا۔ ایک شخص نے کمر پر تلوار ماری۔ پھر سب نے مل کر پچھاڑا اور الٹی طرف سے ذبح کیا۔ طاہر کے پاس سر لائے تو اُس نے حکم دیا کہ ایک برج پر لٹکا دیا جائے۔ تمام بغداد یہ عبرت انگیز تماشا دیکھنے آیا۔ طاہر یہ کہکر لوگوں سے اپنی کارروائی کی داد چاہتا تھا کہ "یہ خلیفہ معزول کا سر ہے" طاہر نے مامون کو ان دلچسپ اور مختصر لفظوں میں نامہ فتح لکھا۔ "میں امیرالمؤمنین کے حضور میں دنیا اور دین دونو پیشکش بھیجتا ہوں" دنیا سے مطلوم امین کا سر مراد تھا۔ اور دین سے چادر اور خاتم خلافت۔ ذوالریاستین نے امین کا سر ایک سپر پر رکھکر مامون کے سامنے پیش کیا۔ اس غیر متوقع فتح کی خوشی نے مامون جیسے رقیق القلب شخص کو بھی ایسا سنگدل بنا دیا کہ اُس نے اپنے بھائی کے خون آلود سر کو مسرت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور جوش خوشی میں سجدۂ شکر ادا کیا۔ قاصد کو مژدۂ فتح کے صلہ میں دس لاکھ درہم انعام دیئے اسی تقریب سے ایک بڑا دربار منعقد کیا۔ اور تمام اراکین دولت و افسران فوج مبارکباد دینے کو حاضر ہوئے[۱]۔ ذوالریاستین نے دربار عام میں نامہ فتح پڑھا۔ اور ہر طرف سے "مبارک مبارک" کا غل اٹھا۔ اگرچہ اسوقت اتنی خوشیاں منائی گئیں۔ مگر اس خمار کے اترنے کے بعد برادرانہ جوش محبت سے بے اثر نہیں رہا۔ مامون کو اس موقع کا نہایت افسوس ہوا۔ اور طاہر کی تمام کوششیں اس کی آنکھ میں بے قدر ہو گئیں۔

[۱] مامون الرشید کی مستقل خلافت اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ ابن واضح کاتب عباسی جو مامون الرشید سے قریب تر زمانہ میں تھا۔ اس نے اپنی تاریخ میں مامون کی خلافت مستقل کا اسی تاریخ سے حساب کیا ہے اور نجوم کے قاعدے کے موافق مسند نشینی کا ایک زائچہ نقل کیا ہے۔ چونکہ میں نجوم کی اصطلاحات سے بخوبی واقف نہیں ہوں۔ اس کے علاوہ زمانہ نے اس علم کی طرف سے خیالات بھی بدل دیئے ہیں۔ میں نے اس زائچہ کو نقل نہیں کیا۔ منہ۔

زبیدہ خاتون امین کی ماں۔ قصر خلافت میں تشریف فرما تھیں کہ ایک خواص نے آکر کہا "حضور بیٹھی کیا کرتی ہیں امیر المؤمنین قتل کر دیئے گئے" زبیدہ نے کہا پھر کیا کروں۔ اُس نے ترغیب دی کہ حضرت عائشہ جسطرح حضرت عثمان کے خون کی دعویدار ہوئی تھیں حضور بھی امیر المؤمنین کے خون کا عوض لیں۔ زبیدہ نے کہا۔ لا امرلك بالنساء وطالب الدماء پھر مامون کو یہ منظوم خط لکھا[۱]

الوارث علم الاولین وفهمهم　　　وللملك المامون من ام جعفر

ام جعفر کی طرف سے یہ خط ہے خلیفہ مامون کے نام جو کہ اگلوں کے علم و فہم کا وارث ہے۔

كتبتُ وعيني مستهل دموعها　　　اليك ابن عمی من جفون ومحجر

اے ابن عم میں تجھکو لکھ رہی ہوں اور میری آنکھیں پلکوں سے خون برساتی ہیں +

وقد مسنی ذل وضر کآبة　　　وارق عینی یا ابن عمی تفکر

مجھکو ذلت اور اذیت دہ رنج پہنچا۔ اور فکر نے میری آنکھوں کو بے خواب کر دیا +

اتی طاهر لا طهر الله طاهرا　　　فما طاهر فیما اتی بمطهر

یہ طاہر کا کیا ہوا ہے جسکو خدا طاہر نہ کرے۔ اور جو کچھ اُس نے کیا اسکے الزام سے پاک نہیں ہو سکتا

فاخرجنی مکشوفة الوجه حاسرا　　　وانهب اموالی واخرب ادوری

اُس نے مجھکو برہنہ سر اور بے پردہ گھر سے نکالا۔ اور میرا مال لوٹ لیا۔ اور مکانات برباد کر دیئے +

یعز علی هارون ما قد لقیته　　　وما مر بی من ناقص الخلق اعور

اس ایک چشم ناقص الخلقت کے ہاتھ سے جو مجھ پر گذرا۔ ہارون ہوتا تو اس پر گراں گذرتا +

فان کان ما ابدی بامر امرته　　　صبرت لامر من مقدر

طاہر نے جو کچھ کیا اگر تیرے حکم سے کیا تو خدا کے مقدر پر میں صبر کرتی ہوں +

مامون یہ اشعار پڑھکر رویا اور کہا "واللہ! میں خود اپنے بھائی کے خون کا عوض لونگا" +

امین کے قتل کے بعد طاہر نے بغداد میں امن کا اشتہار دیا۔ مسجد جامع میں جمعہ کی نماز

---

[۱] ان اشعار کو ابن الاثیر نے خزیمۃ بن الحسن کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور صاحب عقد الفرید نے ابو العتاہیۃ کی طرف (دیکھو عقد الفرید جلد دوم صفحہ ۲) +

خود پڑھائی اور خطبہ میں مامون کی مدح سرائی کے بعد مرحوم امین کی بہت سی برائیاں بیان کیں۔ شنبہ کے دن اہل بغداد نے عموماً مامون پر بیعت کی۔ امین کا قتل ۲۵۔ محرم کو واقع ہوا۔ ۲۸ برس کی عمر تھی ۴ برس ۷ مہینے ۱۸ دن خلافت کی۔ موزون اندام۔ کشیدہ قامت۔ نہایت خوبرو اور قوی تن تھا۔ کسائی سے فن نحو و ادب کی تکمیل کی تھی۔ نہایت فصیح و بلیغ اور سخن سنج تھا

لطیفہ۔ امین کو بچپن سے شعر گوئی کا ذوق تھا۔ زبیدہ خاتوں نے ابونواس سے کہدیا تھا۔ کہ امین کے اشعار بنظر اصلاح دیکھ لیا کرے۔ ایک دن امین نے زبیدہ کے سامنے ابونواس کو کچھ اشعار جو اُس نے حال ہی میں لکھے تھے بغرض اصلاح سنائے۔ مگر جب ابونواس نے اُن میں عروض کے متعلق چند غلطیاں بتائیں۔ تو وہ نہایت غصہ ہوا اور اسی جرم میں اس کو قید کر دیا۔ چند روز کے بعد جب ہارون الرشید کو خبر ہوئی تو امین پر خفا ہوا۔ اور ابونواس کو قید سے رہائی دی۔ اسکے بعد ایک موقع پر ہارون نے امین سے کہا کہ اپنے تازہ خیالات ابونواس کو سنائے۔ امین نے وہی تین شعر پڑھے ہونگے۔ کہ ابونواس اٹھ کھڑا ہوا۔ ہارون نے پوچھا کیوں کہاں چلے؟ ابونواس نے کہا۔ "پھر قید خانہ"+

امین میں جہاں سینکڑوں برائیاں تھیں بہت سی خوبیاں بھی تھیں۔ علم دوست تھا۔ فیاض۔ اسی کے ساتھ چونکہ صاحب کمال اور پایہ شناس سخن تھا۔ ہزاروں اہل فن اُس کے خوان کرم سے فیضیاب تھے۔ عام ملک پر شاید اس کا قتل اتنا گراں نہ گزرا ہو مگر جن لوگوں نے خود اسکے عروج و حشم ناز نعمت و شان و شوکت کا دلفریب تماشا دیکھا تھا۔ انکی آنکھوں کے سامنے تو زمین و آسمان میں سناٹا ہوگیا۔ شعرا نے جس دردناک لہجہ میں اسکا مرثیہ لکھا۔ کون ایسا سنگدل ہے جو اسکو سنکر ضبط کا دعوے کرسکتا ہے۔ ابوعیسےٰ کے دو شعر کس دل سے نکلے ہونگے کہ نشتر کا کام دیتے ہیں:۔

لست ادری کیف ابکیک ولا کیف اقول + لم تطب نفسی اسمیک قتیلا یا قتیل

میں نہیں جانتا تجھپر کیوں کر روؤں اور کیا کہکے روؤں + اے مقتول دل گوارا نہیں کہ تجھکو مقتول کہوں +

ایک شاعر نے کہا ہے :-

سالت الندی والجود مالی اراکما　　تبدلتما عزا بذل مؤبد۔

میں نے جود وکرم سے پوچھا کہ یہ کیا حال ہے میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم نے اپنی عزت ہمیشہ کی ذلت سے بدل دی

ومالی ارے بیت المکارم واھیا　　فقالا اصبنا بالامین محمد

اور یہ کیا بات ہے کہ میں عزت کی عمارت کو متزلزل دیکھتا ہوں دونو نے جواب دیا کہ ہم پر محمد امین کے مرنیکی مصیبت پڑی ہے

فقلت فہلا متما بعد فقدہ　　وقد کنتما ندیماہ فی کل مشھد

اس پر میں نے کہا کہ تم بھی اسکے مرنے کے بعد کیوں نہ مر گئے اور تم تو ہر موقع پر اسکے ندیم رہتے تھے۔

فقالا اقمنا کے نعرے بفقدہ　　صبیحۃ یوم ثم نتلوہ فی غد

دونو نے جواب دیا کہ ہم اسلئے ٹھیر گئے کہ اسکے مرنیکا ہم کو پرسا دیا جائے پھر کل ہم بھی اس سے جا ملیں گے

مامون کی خلافت ۱۹۸ھ

امین کے قتل کے بعد ۲۶ محرم ۱۹۸ھ ہفتہ کے دن اہل بغداد نے عموماً مامون کے لئے بیعت لی۔ اسکی مستقل خلافت اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے مامون نے گو عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ مگر فضل بن سہل کو دربار میں وہ اقتدار حاصل ہوگیا تھا کہ خلافت بھی درحقیقت اسی کے پنجہ اختیار میں تھی۔ انتظامات ملکی کی جو ابتدا ہوئی وہ اسی وجہ سے ناموزون طریقہ پر ہوئی کہ فضل نے تمام ملک کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہا۔ طاہر جس نے مامون کی خلافت کی بنیاد ڈالی اسکی یہ قدردانی کی کہ اسکے تمام ممالک منقولہ یعنی کوہ الجبال۔ فارس۔ اہواز۔ بصرہ۔ کوفہ۔ یمن وغیرہ کی حکومت حسن بن سہل کو عنایت کی جو فضل کا حقیقی بھائی تھا۔ طاہر نصر بن سیا کے مقابلہ پر مامور ہوا (ابن کے ہوا خواہوں میں تھا۔ اور شام کے اطراف میں بغاوت ظاہر کی تھی) ۱۹۹ھ میں حسن بغداد میں داخل ہوا۔ اور ہر شہر و صوبہ پر اپنی طرف سے عمال و نائب مقرر کرکے بھیجے۔ عرب کا گروہ جو دربار میں ایک بڑی قوت رکھتا تھا۔ ہمیشہ سے اہل عجم کا حریف

مقابل تھا۔ ہارون الرشید کے زمانہ میں خاندان برامکہ کی بربادی کے اصلی باعث یہی
لوگ ہوئے تھے۔ اب مامون کے زمانہ میں بھی یہ باتیں انکو نہایت اندیشہ دلاتی تھیں۔ کہ
عجم پھر دوبارہ محیط نہ ہوجائیں کیونکہ فضل بن سہل وحسن بن سہل حقیقی بھائی اور عجمی الاصل
تھے۔ جس قدر ان دونو بھائیوں کا رسوخ بڑھتا گیا۔ بنو ہاشم اور افسران فوج زیادہ بیدل
ہوتے گئے۔ لوگوں میں یہ بھی ظاہر ہوا کہ فضل مامون کے حضور میں کسی شخص کو حتےٰ کہ
خاندان شاہی کے لوگوں کو بھی باریاب نہیں ہونے دیتا۔ مامون خود پردے میں رہتا
ہے اور انتظامات ملکی عموماً فضل کے ہاتھ سے انجام پاتے ہیں۔ چونکہ مامون ماں کی طرف
سے عجمی الاصل تھا۔ یہ بدگمانی کہ "رفتہ رفتہ اہل عجم سپید وسیاہ کے مالک ہوجائینگے"
زیادہ قوی ہوتی گئی اور بالآخر اُس کی باعث ہوئی کہ اطراف ملک میں جابجا بغاوت
کے شعلے بھڑک اٹھے ۔

ابن طبا طبا کا خروج ۱۹۹ھ

ملک میں جو یہ برہمی پیدا ہوئی تو سادات اور علوئین کے خیالات خلافت تازہ ہوگئے
اول جس شخص نے علم خلافت بلند کیا وہ ابو عبداللہ محمد تھے جو ابن طباطبا کے لقب سے
مشہور تھے۔ اگرچہ اُن کا علو نسب اور تقدس مرجع عوام بننے کے لئے کافی تھا۔ مگر ملکی نظم و
نسق کیلئے ایک مدبر کی ضرورت تھی۔ ابو السرایا کی شرکت سے پولٹیکل بازو بھی قوی ہوگیا۔
یہ شخص اگرچہ ابتدائے حال میں ایک نہایت ذلیل آدمی تھا۔ اور کرایہ کے گدھوں سے
زندگی بسر کرتا تھا۔ لیکن چونکہ شجاعت کا جوہر رکھتا تھا رفتہ رفتہ اُس نے بڑا اقتدار حاصل
کیا۔ امین کے قتل کے بعد ایک مدت تک غارتگری کرتا رہا۔ عین التمرد دقوقا انبار پر
چڑھ گیا۔ عاملوں کو شکستیں دیں اور خزانے لوٹ لئے۔ رقعہ پہنچا۔ تو یہی ابن طبا طبا
ملے جو خلافت کے دعویدار بنکر اُٹھے تھے ابو السرایا کو بھی مشغلہ ہاتھ آیا۔ اُس نے ان

کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اُن سے کہا کہ آپ دریا کی راہ سے کوفہ کی طرف بڑھئے میں بھی خشکی کی راہ سے آتا ہوں۔ کوفہ پہنچ کر اُس نے پہلے قصر العباس کو لوٹا۔ یہ ایک شاہی محل اور گورنران کوفہ کا صدر مقام تھا تمام مال خزانہ۔ دفتر یہیں رہتا تھا۔ اس لوٹ میں بے شمار نقد واسباب ہاتھ آیا۔ جو مدت سے جمع ہوتا آیا تھا۔ شہر پر پورا قبضہ ہو گیا۔ اطراف سے بھی جوق جوق لوگ آئے۔ اور ابن طباطبا کے ہاتھ پر بیعت کی +

حسن بن سہل نے زہیر بن المسیب کو دس ہزار کی جمعیت سے ابن طبا طبا کے مقابلے پر بھیجا۔ قریہ شاہی میں دونوں فوجیں معرکہ آرا ہوئیں۔ زہیر کو شکست ہوئی اور ابو السرایا کے حکم سے جس قدر نقد و اسباب زہیر کی فوج میں تھا لوٹ لیا گیا۔ ابن طبا طبا نے یہ بیرحمی پسند نہ کی اور لوگوں کو غارتگری سے منع کیا۔ ابو السرایا نے یہ دیکھکر کہ ان کے ہوتے میری آزادی میں فرق آتا ہے۔ دوسرے دن ابن طبا طبا کو زہر دلوایا۔ اور برائے نام ایک کم سن لڑکے کو جو آل ہاشم ہونے کی حیثیت سے ابن طبا طبا کا ہم پلہ تھا خلیفہ قرار دیا۔ اور خلیفہ کا نام محمد بن محمد زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب تھا۔ اب حسن بن سہل نے عبدوس کو چار ہزار سوار کے ساتھ اس مہم پر بھیجا۔ مگر بد قسمتی سے اس معرکہ میں بھی جو ۷ ارجب کو واقع ہوا شاہی فوج ناکام رہی۔ عبدوس خود مقتول ہوا۔ اور باقی اہل لشکر کچھ لڑائی میں مارے گئے۔ کچھ زندہ گرفتار ہوئے۔ اس فتح نمایاں کے بعد ابو السرایا نے کوفہ میں اپنا سکہ خطبہ جاری کیا۔ اور بصرہ۔ واسط۔ اہواز۔ یمن۔ فارس۔ مداین پر فوج و افسر بھیجے جو اکثر کامیاب ہوئے۔ یہ تمام افسر بنو فاطمہ یا جعفری تھے۔ اور چونکہ خاندانی عزت کے ساتھ انکی ذاتی شجاعت بھی مسلم تھی۔ آسانی سے اُنکو فتوحات حاصل ہوتی گئیں +

حسن بن سہل کو اب سخت مشکل کا سامنا تھا۔ جتنے نامور افسر تھے سب نے ابو السرایا کے مقابلے میں شکست کھائی یا عین معرکہ جنگ میں لڑکر مارے گئے۔ طاہر ذو الیمینین و ہرثمہ

ابن امین۔ صرف دو ایسے جنرل تھے۔ جو ابوالسرایا کا زور گھٹا سکتے تھے۔ مگر طاہر نصر سے شکست کھا کر رقہ میں گویا محصور تھا۔ اور ہرثمہ۔ خود حسن سے ناراض ہو کر خراسان کو روانہ ہو چکا تھا حسن کو ہرثمہ سے طالب اعانت ہونا۔ اگرچہ موجب عار تھا۔ اسکے علاوہ یہ بھی اطمینان نہ تھا۔ کہ وہ اس درخواست کو منظور کرے گا۔ تاہم مجبوری ایسی آن پڑی تھی کہ ہرثمہ سے اعانت مانگتے ہی بنی۔ ہرثمہ خراسان سے واپس پھرا اور کوفہ کو روانہ ہؤا۔ قصر بن ہبیرہ کے قریب ابوالسرایا سے مقابلہ ہؤا۔ ہرثمہ نے فتح قطعی حاصل کی۔ ابوالسرایا بھاگتا ہؤا کوفہ کو پہنچا۔ سادات یا علوئین جو اسکے ساتھ تھے ہرثمہ سے شکست کھا کر انتقام کے جوش سے لبریز تھے کوفہ میں جس قدر آل عباس اور اُنکے خدم وحشم تھے سب کے مکانات آگ لگا کر برباد کر دیئے۔ جاگیریں لوٹ لیں اور دل کھولکر غارتگری کی۔ ہرثمہ نے ایک مدت تک کوفہ کا محاصرہ قائم رکھا بالآخر ۱۶ محرم ۲۰۰ھ کو ابوالسرایا کوفہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور سوس کے مضافات میں خورستان ایک مقام میں ٹھیرا۔ حسن بن علی ماموُنی جو ایک علاقہ کا عامل تھا۔ اور اس زمانہ میں وہاں موجود تھا۔ یہ خبر سنکر خورستان واپس آیا۔ اور چونکہ خونریزی سے پرہیز کرنا چاہتا تھا۔ ابوالسرایا کے پاس پیغام بھیجا کہ "ہمارا علاقہ چھوڑ کر اور جدہر چاہو چلے جاؤ" غالبًا ابوالسرایا نے اس درخواست کو دلیل عجز قرار دیا۔ کہلا بھیجا۔ کہ میں نے جس حق سے اس مقام پر قبضہ حاصل کیا ہے اسکی شہادت تلوار دے سکتی ہے۔ لیکن جب لڑائی کی نوبت آئی تو فیصلہ جنگ ابوالسرایا کے خلاف ہؤا۔ تمام فوج غارت گئی اور وہ خود بھی زخمی ہو کر گھر کی طرف چلا۔ راہ میں بمقام جلولا گرفتار ہؤا اور قتل کر دیا گیا۔ یہ فتنہ تو یوں فرو ہؤا۔ اگر ابوالسرایا نے ابتدا میں اپنے مفتوحہ شہروں پر جو عمال ونائب مقرر کئے تھے چونکہ اکثر علوی۔ یا فاطمی تھے اسلئے ابوالسرایا کے قتل نے اُنکی خودسری میں کچھ فرق نہیں پیدا کیا۔ ان لوگوں نے اپنی دو روزہ حکومت میں جو ظلم وزیادتیاں کیں۔ اُنکے بیان کرنے کو ایک دفتر چاہیئے۔ زید نے (حضرت موسیٰ کاظم کے فرزند تھے) بصرہ میں ایک قیامت برپا کر رکھی تھی سینکڑوں خاندان تباہ کر دیئے عباسیوں کے ہزاروں مکانات جلائے حسین بن الحسن نے مکہ معظمہ کا وقفی خزانہ

تک لوٹ لیا۔ محمد بن جعفر صادق کی حکومت میں جو چند روز کیلئے عرب کے فرمانروا بن گئے تھے۔ علوئین اور آل فاطمہ کو وہ زور ہو گیا کہ لوگوں کے ننگ و ناموس کا پاس اُٹھا دیا گیا ابراہیم بن موسیٰ یمن کے عامل تھے۔ اور سفاکانہ قتل و غارت کی وجہ سے قصاب کہلاتے تھے۔ مامون نے چاہا کہ صلح و آشتی سے ان لوگوں کو قابو میں لائے لیکن یہ کب رام ہو سکتے تھے۔ لڑے اور شکست کھائی بعض گرفتار ہو کر مامون کے پاس حاضر کئے گئے۔ مگر اُس نے عظمت نسب کا پاس کیا اور چھوڑ دیا +

خاندان عباسیہ پر عموماً سادات کے قتل کا الزام لگایا جاتا ہے۔ جو لوگ حجروں میں بیٹھکر اعتراض کے لئے قلم اُٹھاتے ہیں۔ وہ معذور ہیں لیکن جو شخص پولٹیکل ضرورتوں کا اندازہ دان ہے اس اعتراض کو مشکل سے تسلیم کرے گا۔ سادات اور علوئین کو دو دن کے لئے زور ہو گیا۔ تو ملک میں کیا قیامت برپا ہو گئی۔ عباسی خاندان انکی جانب سے کبھی مطمئن نہیں رہ سکتا تھا۔ اور جو کچھ اُن سے برتاؤ ہوا۔ اسی ضرورت سے ہوا +

ہرثمہ کا قتل اور بغداد کی بغاوت ۲۰۰ھ

سادات اور علوئین کی بغاوتیں تو فرو ہو گئیں۔ لیکن ملک میں جو عام ناراضی پھیلی ہوئی تھی وہ روز بروز زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ عرب کا گروہ جو حکومت کا شریک غالب تھا خراسان کا دارالخلافہ ہونا گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے زیادہ یہ کہ وزارت اعظم اور گورنری کے معزز منصب پر فضل و حسن ممتاز تھے۔ جو مجوسی النسل تھے۔ اہل عرب کو صاف نظر آرہا تھا۔ کہ تمام اسلامی دنیا اور خود عرب پارسی نسلوں کے ہاتھ میں ہے مامون اسوقت تک حکومت کی حیثیت سے گویا بالکل معطل تھا۔ سیاہ و سپید کا مالک فضل تھا۔ اور اسی نے دانستہ خراسان کو بغداد پر ترجیح دی تھی۔ کیونکہ ایک عجمی الاصل کو عرب کے مجمع میں اپنا زور قایم رکھنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ ملک میں یہ کچھ بدامنی پھیلی تھی۔ لیکن فضل نے مامون کو ان حالات کی خبر تک

نہ ہونے دی۔ مامون کے کانوں میں جو یہ صدا جہان سے پہنچی تھی وہ فضل کی صدا تھی ◆

افسران فوج میں ہرثمہ ایک نامور اور مشہور افسر تھا۔ سادات اور علویین کی پرزور بغاوتوں کا جس نے خاتمہ کر دیا وہ بھی ہرثمہ تھا۔ خلافت عباسیہ پر اُسکے اور بہت سے حقوق تھے۔ جنکے اعتماد پر اُسنے یہ جرأت کی کہ مامون کے پاس حاضر ہو کر فضل کی سازشوں کا طلسم توڑ دے۔ ابوالسرایا کی بغاوت سے فارغ ہو کر اُسنے خراسان کا ارادہ کیا۔ فضل نے یہ خبر سنی تو مامون کے متعدد فرمان اُسکے نام بھجوائے کہ یہاں کچھ ضرورت نہیں شام و حجاز انتظام طلب ہیں۔ اُدہر کا قصد کرو۔ مگر ہرثمہ نے جس کو اپنے حقوق خدمت پر ناز تھا ان احکام کا کچھ لحاظ نہ کیا اور سیدھا خراسان کو چلا۔ فضل نے مامون سے کہا۔ حضور نے دیکھا؟ ہرثمہ کو احکام سلطانی کا مطلق پاس نہیں ہے۔ لیکن حضور خود خیال فرماویں۔ ملک پر اس کا کیا اثر پڑیگا؟ ہرثمہ ذوالقعدہ ۲۰۰ھ میں مرو پہنچا۔ اور اس خیال سے کہ شاید اُسکے آنے کی خبر مامون سے مخفی رکھی جائے۔ نقارہ بجنے کا حکم دیا۔ مامون نے درباریوں سے پوچھا۔ کیسا غل ہے؟ لوگوں نے کہا۔ ہرثمہ چکتا گرجتا آرہا ہے۔ ہرثمہ دربار میں حاضر ہوا تو مامون نے نہایت ذلت سے نکلوادیا اور حکم دیا کہ قید رکھا جائے[۵۱]۔ چند روز کے بعد اسکو فضل نے قتل کرا دیا۔ اور مامون سے کہدیا کہ اپنی موت سے مر گیا۔ ہرثمہ کے قتل کی خبر بغداد پہنچی تو ایک طلاطم مچ گیا۔ محلہ حربیہ والوں نے پہلے ہی علم بغاوت بلند کیا تھا اور مامون کے عمال و حکام برطرف کر دیئے تھے۔ اس شورش انگیز خبر نے سارے شہر میں ایک اور نئی ہل چل ڈالدی۔ محمد بن ابی خالد ہرثمہ کا جانشین بنا اور تمام بغداد نے اُسکی اطاعت قبول کی۔ حسن جو مامون کی طرف سے بغداد کا گورنر تھا۔ واسط میں مقیم تھا۔ محمد بن ابی خالد اُسکے مقابلے کے لئے ۲۰۱ھ میں بغداد سے روانہ ہوا اور راہ میں حسن کی متعدد فوجیں مقابل ہوئیں اور شکستیں کھا گئیں۔ محمد دیرالعاقول پہنچا اور زہیر بن المسیب کو جو حسن کا عامل تھا۔ گرفتار کر کے پابزنجیر بغداد بھیج

[۵۱] ابن واضح عباسی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ہرثمہ نے نہایت گستاخانہ طور پر مامون سے گفتگو شروع کی اور کہا۔ آپنے اس مجوسی (فضل بن سہل) کو سر پر چڑہا رکھا ہے۔ مامون نے اس گستاخی کی وجہ سے اسکو دربار سے نکلوادیا ۱۲ منہ

دیا۔ ہارون کے بیٹے نے مضافات نیل پر فتح حاصل کی۔ ان فتوحات کے بعد دونوں باپ بیٹے واسط کی طرف بڑھے۔ حسن نے ایک عظیم الشان فوج اُن کے مقابلہ کو روانہ کی۔ ۲۳۔ ربیع الاول ۲۰۱ھ میں دونو فوجیں صف آرا ہوئیں۔ ایک نہایت سخت جنگ کے بعد محمد بن ابی خالد نے شکست کھائی۔ میدان جنگ میں ثابت قدم رہ کر بہت سے کاری زخم اُٹھائے تھے اس لئے مجبورانہ بغداد کی طرف اُلٹا پھرا۔ حسن برابر تعاقب کرتا آیا۔ محمد بن ابی خالد کے زخم شدت پکڑتے گئے اور بالآخر بغداد پہنچکر انتقال کیا۔ محمد کا فرزند عیسے باپ کا جانشین بنا اور اہل بغداد کو لکھا کہ اگر میرا باپ نہیں رہا تو میں اس کا نعم البدل موجود ہوں۔ اگر خدا نے چاہا تو میں بغداد کو حسن کی حکومت سے آزاد کردونگا۔ تمام بغداد نے نہایت خوشی سے اسکی حکومت تسلیم کی۔ اگرچہ حسن کی قاہر فوجوں نے عیسے اور اُسکے بھائی ابو زنبیل کو فاش شکستیں دیں لیکن یہ پر جوش صدا کہ مجوسی زادہ ہم پر حکومت نہیں کرسکتا۔ پست نہ ہوئی +

حضرت علی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی ۲ رمضان ۲۰۱ھ

یہاں یہ ہنگامے برپا تھے مگر مامون ایسی غفلت کی نیند پڑا سوتا تھا کہ اُسکے کان پر جوں نہ چلی۔ ذوالریاستین تمام دربار پر اس طرح محیط ہوگیا تھا۔ کہ اُسکے خلاف کوئی خبر مامون تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اب اُس نے ایک نئے انتظام سے خاندان عباس کو اور بھی زیادہ برہم کردیا۔ مامون کو بالطبع آلِ پیغمبر سے نہایت محبت تھی جس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ تمام پرزور بغاوتیں جو اُسکے عہد میں ہوئیں اس مقدس خاندان کی افسری میں ہوئیں تاہم اُس نے ہمیشہ درگذر کی۔ اور قابو پانے پر بھی اُن کی عظمت نسب کا لحاظ رکھا +

اس زمانہ میں حضرت علی رضا امام ہشتم موجود تھے۔ جن سے مامون دلی ارادت رکھتا تھا۔ اور چونکہ زہد اور تقدس کے علاوہ اُن کا فضل وکمال بھی خلافت کے

شایاں تھا۔ ماموں نے اُنکو ولیعہد سلطنت کرنا چاہا۔ اس سے پہلے ۲۰۰ھ میں اُسنے فرامین بھیجے۔ کہ تمام ممالک میں جسقدر عباسی خاندان کے لوگ ہیں آستانہ خلافت میں حاضر ہوں عیش و دولت کی ترتیب کا اثر دیکھو کہ نویں ہی پشت میں حضرت عباس کی نسل سے ۳۳ ہزار مرد و زن دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ ماموں نے بڑی عزت سے اُنکا استقبال کیا۔ اور عباسی نسلیں پورے برس دن حریم خلافت کی مہمان رہیں۔ اِس اثنا میں ماموں نے اپنے خاندان کے ہر ایک شخص کو تجربۃً امتحان کی نگاہ سے دیکھا۔ اور یہ قطعی رائے قائم کرلی کہ اس گروہ میں ایک بھی ایسا نہیں جو خلافت کا بار گراں سنبھال لے۔ اب ۲۰۱ھ میں اُس نے ایک دربار (جسمیں تمام اعیانِ سلطنت وارکینِ دربار موجود تھے) منعقد کیا۔ اور سب سے خطاب کرکے کہا۔ کہ آج دنیا میں جسقدر آل عباس ہیں۔ میں انکی لیاقت کا صحیح اندازہ کرچکا ہوں۔ نہ اُن میں اور نہ آل نبی میں آج کوئی ایسا شخص موجود ہے جو استحقاق خلافت میں حضرت علی رضا کے ساتھ ہمسری کا دعوے کرسکے۔ اُسکے بعد اُس نے تمام حاضرین سے حضرت علی رضا کے لئے بیعت لی۔ اور دربار کا لباس بجائے سیاہ کے سبز قرار دیا۔ جو فرقہ سادات کا امتیازی لباس تھا فوج کی وردی بھی بدل دی گئی۔ تمام ملک میں احکام شاہی نافذ ہوئے کہ امیرالمؤمنین ماموں کے بعد حضرت علی رضا تاج و تخت کے مالک ہیں! اور انکا لقب الرضا من آل محمد ہے۔ حسن بن سہل کے نام بھی فرمان گیا کہ انکے لئے بیعت عام لیجاوے اور عموماً اہل فوج و عمائد بنی ہاشم سبز رنگ پھریرے اور سبز کلاہ و قبائیں استعمال کریں۔ اس نوکھے حکم نے بغداد میں ایک قیامت انگیز ہلچل ڈالدی! اور ماموں سے مخالفت کا پیمانہ بالکل لبریز ہوگیا۔ بعضوں نے بجبر اسکے حکم کی تعمیل کی۔ مگر عام صدا یہی تھی۔ کہ خلافت خاندان عباس کے دائرے سے باہر نہیں جاسکتی +

ابراہیم بن المہدی کی تخت نشینی یکم محرم ۲۰۲ھ

جس زمانہ میں حضرت علی رضا کی ولیعہدی کے احکام بغداد میں پہنچے۔ عباسیوں نے

اُسی وقت سے ایک نئے خلیفہ کی تجویز شروع کی تھی ۔ ۲۵ ۔ ذوالحجہ روز سہ شنبہ ۲۰۱ھ میں خاص آل عباس نے خفیہ طور پر ابراہیم بن المہدی کے ہاتھ پر جو مامون الرشید کے چچا تھے بیعت کی ۔ پھر دو شخص مقرر کئے ۔ کہ جمعہ کے دن نماز سے پہلے ایک شخص بخطاب عام کہے کہ ۔ مامون کے بعد ابراہیم کو ولیعہد خلافت قرار دینا چاہتے ہیں ۔ دوسرا برابر سے بولے ۔ کہ مامون تو معزول ہو چکا خلیفہ وقت ابراہیم ہے ۔ اور ولیعہد خلافت اسحٰق بن الہادی ۔ غالباً اس طریقہ سے عباسیوں نے رضامندی عام کا اندازہ کرنا چاہا ۔ مگر اُن کو خلاف توقع یہ معلوم ہوا کہ ملک اگر مامون کے خلاف ہے تو ابراہیم کے ساتھ بھی لوگوں کو عام ہمدردی نہیں ہے ۔ چنانچہ جب یہ دونو شخص سکھلائے ہوئے فقرے کہ کر بیٹھ گئے تو لوگوں نے کچھ جواب نہ دیا ۔ اور ایسی برہمی ہوئی کہ لوگوں نے نماز بھی نہیں پڑھی اور مسجد سے چلے گئے ۔ تاہم سندی اور صالح کی کوشش نے ابراہیم کو منصب خلافت پر پہنچا دیا ۔ اور یکم محرم ۲۰۱ھ کو عموماً اہل بغداد نے بیعت خلافت کی ۔ ابراہیم نے اپنا لقب مبارک ۱۱ اختیار کیا ۔ اس زمانہ میں قصر بن ہبیرہ پر حسن بن سہل کی طرف سے حمید بن الحمید مامور تھا اگرچہ وہ خود حسن کا دل سے طرفدار تھا ۔ مگر اُسکے ساتھ جتنے افسر تھے خصوصاً سعید و ابو بط ابراہیم سے مل گئے ۔ ان لوگوں نے اُدھر تو حسن کے پاس خطوط بھیجے کہ حمید آپ کے خلاف ابراہیم سے خط و کتابت رکھتا ہے ۔ ادھر ابراہیم سے درخواست کی کہ حضور کا کوئی افسر آئے تو ہم قصر بن ہبیرہ پر قبضہ کرادیں ۔ حسن نے گو ان تحریروں کا چنداں اعتبار نہیں کیا ۔ تاہم اسکو شبہ پیدا ہوا اور اطمینان کیلئے حمید کو اپنے پاس بلا لیا ۔ ابراہیم نے موقع پا کر ۔ عیسےٰ بن محمد کو بھیجا جس نے ۱۰ ۔ ربیع الثانی کو قصر بن ہبیرہ پر قبضہ حاصل کیا ۔ اور حمید کا اسباب و خزانہ جس میں نقد کی قسم سے ۱۰۰ توڑے تھے غارت عام میں آیا ۔ حمید نے یہ خبر سنی تو کوفہ کو واپس آیا ۔ یہاں حضرت علی رضا علیہ السلام کے بھائی عباس تشریف رکھتے تھے حمید نے انکو بلایا ۔ اور کہا کہ آپ اپنے بھائی کی طرف سے کوفہ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لیں

تو تمام کوفہ آپ کے ساتھ ہوگا۔ اور میں تو جاں نثاری کے لئے حاضر ہوں۔ حمید نے لاکھ درہم بھی انکی نذر کئے۔ اس کے بعد وہ حسن کے پاس چلا گیا۔ کوفہ کے اکثر لوگوں نے حسن کا ساتھ دیا۔ مگر جن لوگوں کو شیعہ پن میں زیادہ غلو تھا۔ انہوں نے حسن سے کہا کہ اگر حضرت علی رضا کی خلافت مستقل مان کر بیعت لی جاوے تو ہم بدل موجود ہیں۔ لیکن بیچ میں ماموں کا واسطہ ہوگا۔ تو ہم سے امید نہ رکھنی چاہئے۔ چونکہ اُن کی یہ خواہش حسن نے منظور نہ کی۔ یہ لوگ ناراض اُٹھے اور بالکل بے تعلق ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ رہے +

ابراہیم نے اپنے نئے دشمن عباس کے مقابلہ کے لئے سعید و ابوالبط کو متعین کیا۔ جنہوں نے حال میں اپنی کارگذاری دکھائی تھی کہ ابراہیم کے نائب کو قصر ابن ہبیرہ پر قبضہ دلا دیا تھا۔ یہ دونو افسر قریہ شاہی میں پہنچے تو عباس نے اپنے چچیرے بھائی علی بن محمد کو انکے مقابلے کے لئے بھیجا۔ دوسری جمادی الاول ۲۰۲ھ کو دونو حریف معرکہ آرا ہوئے علی بن محمد نے ذرا دیر لڑ کر شکست کھائی۔ اب ابوالبط و سعید کوفہ پر حملہ آور ہوئے۔ آل عباس جو یہاں موجود تھے۔ وہ بھی اُنکے ساتھ ہو گئے + نہایت سخت معرکہ ہوا۔ یہ لوگ حملہ کرتے ہوئے ابراہیم کی جے پکارتے تھے۔ اور نعرے مارتے تھے کہ ماموں کی حکومت نہیں رہی۔ تمام دن لڑائی قائم رہی۔ تاہم فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ اور دوسرے دن کی نوبت آئی۔ چونکہ فریقین کا یہ حال تھا کہ جس نے شہر کے جس حصہ پر فتح پائی آگ لگا کر غارت کر دیا۔ روسائے کوفہ سعید کے پاس حاضر ہوئے۔ اور اس شرط پر امان طلب کی کہ عباس اپنے ساتھیوں کو لیکر کوفہ سے چلے جائیں۔ فریقین نے اس پر رضامندی ظاہر کی۔ اور کوفہ دونو دعویداروں سے خالی ہو گیا۔ کیونکہ اس عہد کے بعد سعید بھی حیرۃ کو واپس چلا گیا۔ کوفہ و اطراف کوفہ میں ابراہیم کی حکومت مسلم ہو گئی لیکن یہ فتحیں خلافت کا قطعی فیصلہ کرنے والی نہ تھیں۔ کیونکہ ہنوز واسط میں حسن بن سہل ایک فوج گراں کے ساتھ موجود تھا۔ ابراہیم نے اس بڑی مہم کیلئے عیسیٰ کو انتخاب کیا۔ ابن

عائشہ ہاشمی ونعیم بن خازم کو بھی حکم ہوا کہ عیسیٰ کے ہمراہ جائیں۔ راہ میں سعید و ابوالبط بھی جو کوفہ کی فتح سے آئے تھے۔ ساتھ ہوئے۔ غرض بے شمار لشکر واسط کے قریب مقام صبادہ میں صف آرا ہوا۔ حسن بن سہل قلعہ بند ہوا۔ عیسیٰ چند بار حملے کی غرض سے حسن کے لشکر گاہ کی طرف گیا۔ مگر اُس نے بالکل خاموشی اختیار کی تھی۔ اور حکم دیدیا تھا۔ کہ لشکر کا کوئی شخص قلعہ سے باہر نہ جائے۔ غالباً۔ اس مدت میں اُس نے عیسیٰ کی قوت کا اندازہ کیا۔ بالآخر ۲۶ رجب کو فوج اسکے حکم سے عیسیٰ پر حملہ آور ہوئی۔ صبح سے دوپہر تک قیامت انگیز معرکہ رہا۔ عیسیٰ نے شکست کھائی اور طرنایا یہنچ کر دم لیا +

مامون کا عراق روانہ ہونا اور ذوالریاستین کا قتل ۲۰۲ھ

مامون جس تاریخ سے تخت نشین ہوا تھا۔ ایک دن بھی خونریزیوں سے خالی نہ گیا۔ تاہم اُسکو بالکل نہ معلوم ہوسکا کہ تمام ملک بغاوتوں کا دنگل بن رہا ہے۔ ابتدا میں تو حسن بن سہل کی گورنری کا جھگڑا تھا۔ لیکن اب جو ہنگامے قائم تھے حضرت علی رضا کی ولیعہدی پر تھے درباریوں میں سے جب کسی نے مامون کے کان تک یہ صدا نہ پہنچائی۔ تو خود حضرت علی رضا نے اس فرض کو ادا کیا۔ انہوں نے مامون سے کہا۔ کہ امین کے قتل کے بعد ایک دن بھی ملک کو امن نصیب نہیں ہوا۔ رات دن خونریز لڑائیاں قائم ہیں اور اہل بغداد نے ابراہیم کو خلیفہ قرار دیا ہے۔ یہ بالکل ایک نئی اور غیر مانوس صدا تھی۔ مامون دفعۃً چونک اٹھا اور جیسا کہ ذوالریاستین نے اسکو یقین کرادیا تھا۔ اُس نے تعجب و انکار کے ساتھ کہا کہ نہیں ابراہیم خلیفہ نہیں ہے۔ بلکہ لوگوں نے انتظاماً اسکو نائب الریاست بنا رکھا ہے حضرت علی رضا نے فرمایا کہ ذوالریاستین نے ملک کے اصلی واقعات آپکی نظر سے چھپا دیئے اور اب جو کچھ آپ کہتے ہیں اُسی کی زبان سے کہتے ہیں۔ ابراہیم جس کو آپ نائب الریاست سمجھ رہے ہیں۔ حسن بن سہل سے لڑ رہا ہے۔ اور آل عباس میں عموماً ذوالریاستین

کی وزارت اور میری ولیعہدی پر نہایت مخالفانہ جوش پھیلا ہوا ہے (مامون) دربار میں کوئی اور شخص بھی ان حالات سے واقف ہے ؟ (علی رضا علیہ السلام)" ہاں۔ یحییٰ بن معاذ اور عبدالعزیز بن عمران اور بہت سے افسر" مامون نے ان لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ جو کچھ حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔ تم اسکی نسبت کیا جانتے ہو؟ ذوالریاستین کے ڈر سے کسی کو شہادت دینے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ مگر جب مامون نے خود ذمہ داری کی کہ ذوالریاستین انکو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔ اور اس مضمون کی ایک دستاویز بھی اپنے ہاتھ سے لکھدی۔ تو ان لوگوں نے پوست کندہ حالات بیان کر دیئے اور کہا کہ ہر ثمہ انہیں باتوں کے عرض کرنے کے لئے حضور میں حاضر ہوا تھا۔ مگر ذوالریاستین نے ایسے جاں نثار کو حضور کی نگاہ میں دشمن بنا دیا۔ اور اُسکی تمام امیدیں خاک میں ملا دیں۔ ان لوگوں نے مامون کو یہ بھی جتا دیا۔ کہ اگر جلد تلافی نہیں کی جاتی تو بنیاد خلافت کے متزلزل ہونے میں کچھ باقی نہیں رہا ہے چونکہ ان لوگوں نے اپنی شہادت میں یہ بھی رائے دی تھی کہ حضور کا دارالخلافہ میں تشریف رکھنا ان سب مشکلوں کو حل کر دیگا۔ مامون نے بغداد کا قصد کیا۔ ذوالریاستین کو اس ارادے کی اطلاع ہوئی تو اُس نے بآسانی معلوم کر لیا کہ مامون کے کان میں کوئی نئی صدا پڑی ہے۔ اُس نے تمام افسروں کے نام بھی تحقیق کر لئے اور حضرت علی رضا کے سوا (جن پر اسکا قابو نہیں چل سکتا تھا۔ یا پاس ادب مانع تھا) باقی ہر ایک کو مختلف قسم کی اذیتیں پہنچائیں۔ کسی کو قید کیا۔ کسی کو کوڑے پٹوائے۔ کسی کی ڈاڑھی اکھڑوائی۔ اس پر بھی مامون ذوالریاستین سے کچھ باز پرس نہ کر سکا۔ اور جب حضرت علی رضا نے اس کا تذکرہ کیا۔ تو مامون نے نرمی سے جواب دیا کہ میں غافل نہیں ہوں۔ مگر تدبیر مناسب سے کام لینا چاہتا ہوں۔

مامون جب سرخس پہنچا۔ تو چند آدمیوں نے جن کا پیشوا غالب مسعودی تھا۔ حمام میں پہنچکر جمعرات کے دن ۲ شعبان ۲۰۲ھ کو ذوالریاستین کو قتل کر دیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو لوگ ذوالریاستین کے قتل میں شریک تھے۔ سب مختلف اور دور دور ملکوں کے رہنے والے تھے۔ یعنے

قسطنطین روم کا۔ فتح دیلم کا۔ موفق صلیقہ کا۔ مامون نے اشتہار دیا کہ جو شخص قاتلوں کو گرفتار کر کے لادے اسکو دس ہزار اشرفیاں انعام میں ملیں گی۔ عباس بن الهشیم نے یہ انعام حاصل کیا۔ جب یہ لوگ مامون کے پاس حاضر کئے گئے اور پوچھا گیا کہ کس کے ایما سے تم نے ایسا کیا؟ تو سب نے خود مامون کا نام لیا۔ اور اس بیباکی پر یا اصل جرم کی پاداش میں مامون کے حکم سے قتل کر دیئے گئے۔ اسکے بعد عبدالعزیز بن عمران و موسیٰ وغیرہ چند اشخاص جن پر شبہ تھا طلب ہوئے اور استفسار ہوا کہ اس واقعہ کے متعلق کچھ جانتے ہو۔ سب نے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ مامون نے ان لوگوں کو بھی قتل کرا دیا۔ گو تمام واقعات شہادت دے رہے تھے کہ ذوالریاستین کا قتل مامون کے ایما سے ہوا۔ مگر مامون نے اپنی متعدد کارروائیوں سے اس یقین کو شبہ سے بدل دیا۔ قاتلوں کے سر حسن بن سہل کے پاس بھجوائے اور نامۂ تعزیت میں بہت کچھ رنج و غم ظاہر کیا۔ اور کہا کہ تم اپنے بھائی کی جگہ منصب وزارت پر مقرر کئے گئے۔ ذوالریاستین کی ماں کے پاس برسم تعزیت گیا۔ اور تسلی دے کر کہا کہ آپ صبر کریں بجائے ذوالریاستین کے میں آپ کا مطیع فرزند موجود ہوں۔ ان موثر فقروں نے اسکو اور بھی بیتاب کر دیا۔ اور رو کر کہا کہ "ایسے بیٹے کا غم نہ کروں جس نے میرے لئے تم سا فرزند چھوڑا"۔ ذوالریاستین کے قتل کے تھوڑے دن بعد اُسکے باپ سہل نے بھی وفات پائی۔ اسی زمانہ میں مامون نے حسن بن سہل کی بیٹی سے شادی کی۔ ان کارروائیوں سے گو مامون کی گردن ذوالریاستین کے خون سے ہلکی نہ ہوئی۔ تاہم عام خلقت کی نگاہ بہت کچھ بدل گئی۔ اور کم سے کم اتنی بات ضرور ثابت ہو گئی کہ اگر ایسا ہوا بھی تو وہ ایک ذاتی اور ناگزیر معاملہ تھا۔ ورنہ ذوالریاستین کے عام احسانات کو اُس نے فراموش نہیں کیا ہے۔ اور اُس کے خاندان کے ساتھ اب بھی اسکو وہی ہمدردی ہے جو پہلے تھی۔ ذوالریاستین کی موت نے یوں تو اُسکے تمام خاندان کو نہایت صدمہ پہنچایا۔ مگر اُسکے بھائی حسن نے اس واقعہ کے بعد سے ایک دن بھی رونے پیٹنے سے نجات نہ پائی اور بالآخر اسی صدمہ نے

اُس کو مختل الحواس کر دیا ۲۰۳ھ میں اُسکے ہوش بالکل درست نہیں رہے۔ تو احتیاط کے لئے پاؤں میں بیڑیاں ڈالدی گئیں۔ مامون نے اُسکی جگہ احمد بن ابی خالد کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ یاد رکھنا چاہئے کہ مامون کی مستقل خلافت کا زمانہ دراصل فضل کے قتل ہونیکے بعد سے شروع ہوتا ہے +

حضرت علی رضا علیہ السلام کی وفات اخیر صفر ۲۰۳ھ

اس سفر میں حضرت علی رضا علیہ السلام بھی مامون کے ساتھ تھے۔ طوس پہنچکر دفعۃً انتقال فرمایا۔ کہتے ہیں کہ انگور میں زہر دیا گیا۔ ہارون الرشید کی قبر بھی یہیں ہے۔ مامون نے اسی وجہ سے یہاں قیام کیا تھا۔ حضرت علی رضا نے وفات پائی تو مامون نے حکم دیا کہ ہارون الرشید کی قبر اکھڑوا کر حضرت علی رضا بھی اُسی میں دفن کئے جائیں۔ جس سے مقصود یہ تھا۔ کہ رشید بھی حضرت علی رضا کی برکت سے مستفید ہو۔ مامون کو حضرت علی رضا کی وفات کا نہایت صدمہ ہوا۔ وہ جنازہ کے ساتھ ننگے سر گیا۔ اور رو رو کر کہتا تھا "اے ابوالحسن! تیرے بعد میں کہاں جاؤں۔ تین دن تک قبر پر مجاور رہا۔ اور صرف ایک روٹی و نمک روزانہ اُسکی خوراک رہی[له] + اس پر دعبل ایک شاعر نے جو اہل بیت کا مداح اور خلفائے بنی عباس کا نہایت دشمن تھا۔ ایک ظرافت آمیز ہجو لکھی جس کا ایک شعر یہ ہے :-

ما ینفع الرجس من قرب الزکی ولا   علی الزکی بقرب الرجس من ضرر

(یعنی "ناپاک آدمی کو پاک کے قرب سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور نہ پاک کا اُسکے قرب سے کچھ نقصان ہوتا ہے"۔ یہ ایک تاریخی سوال ہے کہ حضرت علی رضا کو کس کے ایما سے زہر دیا گیا؟ مگر ایک خاص فرقہ نے اس واقعہ پر مذہبی رنگ چڑھایا ہے

شیعہ بلا استثنا اس پر متفق ہیں کہ خود مامون نے زہر دلوایا۔ افسوس ہے کہ ہم کو شیعوں کی تاریخی تصنیفات نہیں ملیں کہ ہم اس بحث کو دونو فریقوں کی روایتوں کے لحاظ سے فیصل کر سکتے۔ تمام وہ بڑی بڑی تصنیفیں جن کو دنیا نے اسلامی تاریخ کا لقب

له ابن واضح [illegible] یہ واقعہ خود اس شخص سے روایت [illegible] شریک تھا جس سے ابن واضح کی تاریخ سے اسکو نقل کیا ہے ۱۲ منہ

دیا ہے سُنیوں کی ہی تصنیفیں ہیں۔ اور بظاہر اُن میں مذہبی حیثیت کا خاص لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ تاریخی واقعات کی نسبت ہمکو انہیں کی طرف رجوع کرنا پڑیگا۔ جہانتک ہم کو معلوم ہے۔ ایک مورخ نے بھی مامون پر اس الزام لگانے کی جرأت نہیں کی ہے۔ بلکہ علامہ ابن اثیر نے صاف لفظوں میں اس غلط خیال پر استعجاب ظاہر کیا ہے۔ مامون الرشید کے زمانہ سے نہایت قریب تر تاریخ جو آج دستیاب ہو سکتی ہے۔ ابن واضح عباسی کی تاریخ ہے۔ یہ مصنف مامون کے زمانہ کے واقعات ان لوگوں کی زبانی روایت کرتا ہے۔ جو خود مامون کے عہد میں موجود تھے۔ ہم اُسکی تاریخ میں شیعہ پن کا اثر بھی پاتے ہیں۔ تاہم اس نے مامون کی بجائے یہ بدگمانی علی بن ہشام کی نسبت کی ہے۔ تاریخی اصول تحقیق سے اگر ہم کام لیں تو بھی یہی ماننا پڑیگا۔ مامون نے حضرت علی رضا کو ولیعہد خلافت مقرر کیا تو اُس سے اُسکو کوئی سازش مقصود نہ تھی۔ حضرت علی رضا کوئی ملکی شخص نہ تھے اور نہ اُن سے حکومت عباسیہ کو کسی خطرہ کا احتمال تھا۔ جیسا کہ شیعوں کا دعوٰی ہے۔ مامون کو اہل بیت کے ساتھ جو دلی خلوص تھا۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے حضرت علی رضا کے بعد مامون کا طریق عمل سادات کے ساتھ کیا رہا؟ اس خاص حیثیت سے مامون کے ان تمام حالات اور واقعات کو ترتیب دو جو حضرت علی رضا کی وفات سے پہلے اور پیچھے پیش آئے۔ یہ مرتب اور نتیجہ خیز سلسلہ خود بتا دیگا۔ کہ مامون پر یہ غلط اتہام ہے۔ بے شبہ مامون کے خاندان والے حضرت علی رضا کی ولیعہدی سے ناراض تھے۔ انھیں میں سے کسی نے یہ بیہودہ حرکت کی ہوگی*

* حضرت علی رضا ائمہ اثنا عشریہ میں ہیں اور حضرت موسٰی کاظم کے خلف الرشید ہیں۔ مدینہ منورہ میں ۱۴۸ھ میں جمعہ کے دن پیدا ہوئے۔ نہایت بڑے عالم اور اتقائے روزگار میں سے تھے۔ مامون کیلئے طب میں ایک رسالہ تصنیف کیا تھا۔ ابو نواس عرب کے مشہور شاعر سے لوگوں نے کہا کہ تو نے ہر مضمون کے شعر لکھے اور حضرت علی رضا جو فخر روزگار ہیں ان کی شان میں دو شعر بھی نہ کہے۔ اُس نے جواب دیا کہ ان کا پایہ کمال میری مدح سے بہت اونچا ہے چونکہ

ذوالریاستین اور حضرت علی رضا کی وفات نے اہل بغداد کی کل شکایتوں کا فیصلہ کر دیا۔
مامون نے بغداد کے لوگوں کو ایک خط لکھا کہ "اب کیا چیز ہے جس کی تم شکایت کر سکتے ہو"
مگر مامون کو خلاف توقع اپنی تحریر کا نہایت سخت جواب ملا +

ابراہیم کی معزولی ۲۰۳ھ

مامون جس زمانہ میں بغداد کو روانہ ہوا تھا۔ تو ابراہیم مدائن میں موجود تھا اور عیسےٰ بن محمد و مطلب بن عبداللہ وغیرہ افسران فوج اُسکے ساتھ تھے۔ یہ لوگ اس وقت تک اگرچہ نہایت ثابت قدم رہے۔ مگر غالباً اس بات کا سب کو یقین تھا کہ ابراہیم کی خلافت اسی وقت تک ہے جب تک مامون بغداد سے دور ہے۔ جب اسکی آمد کی خبر مشہور ہوئی۔ تو لوگ ابراہیم کا ساتھ چھوڑنے لگے۔ مطلب بیماری کا بہانہ کر کے مدائن سے چلا آیا۔ اور بغداد میں لوگوں سے خفیہ مامون کے لئے بعیت لینی شروع کی۔ خود منصور بن المہدی ابراہیم کے بھائی نے اول بعیت کی مطلب نے علی بن ہشام و حمید کو بھی لکھا کہ بغداد چلے آؤ ابراہیم کو یہ حالات معلوم ہوئے تو مدائن سے روانہ ہو کر ۵ اصفر ۲۰۲ھ کو زندہ رود پہنچا۔ اور جن لوگوں نے مامون کیلئے بعیت کی انکو طلب کیا۔ جن میں سے منصور و خزیمہ تو حاضر ہو گئے۔ اور اُن کا قصور معاف کر دیا گیا۔ لیکن مطلب کو اُسی کے خاندان نے روکا کہ اپنی بات پر قائم رہنا چاہئے۔ ابراہیم نے اذن عام دیدیا کہ ۷ اصفر کو مطلب کا گھر بار لوٹ لیا جاوے۔ حمید و علی بن ہشام اب ابراہیم کی خلافت مدائن پر قابض ہو گئے۔ ابراہیم کا نہائت نامور افسر عیسےٰ بن محمد بھی حسن بن سہل سے مل گیا۔ شوال ۲۰۲ھ میں باب الجسر پر اُس نے یہ اعلان دے دیا کہ میں اس معاملہ میں دونو فریق سے الگ ہونگا۔ اور حمید نے بھی اس بات کو منظور کر لیا ہے ابراہیم نے اُس کی طلب کے لئے متعدد قاصد بھیجے۔ بڑے اصرار سے آیا۔ تو ابراہیم نے عتاب ظاہر کیا۔ اُس نے معذرت کی۔ ابراہیم نے غیظ میں آکر اس کو قید خانے

بھیجدیا۔ اور اُسکے چند افسر داعزہ کو بھی سزا دی۔ عیسٰے ایک نہایت معزز رتبہ کا آدمی تھا اور بہت سے نامور افسر اُسکے ساتھ تھے۔ اس کے قید ہونے نے سب کو برہم کر دیا۔ بالخصوص عباس جو عیسٰے کا خلیفہ خاص تھا۔ اُس نے اپنی پرجوش تقریروں سے تمام بغداد کو ابراہیم کا مخالف بنا دیا۔ جسر و کرخ وغیرہ پر ابراہیم کے جو عامل تھے سب نکال دیئے گئے۔ اور لوگوں نے حمید کو خط لکھا کہ آپ یہاں کا قصد کیجئے کہ ہم بغداد آپ کے حوالہ کر دیں حمید نہر صرصر پہنچکر ٹھیرا۔ عباس اور تمام افسران فوج اُسکے استقبال کو گئے۔ یہ قرار پایا کہ جمعہ کے دن مقام یاسریہ میں مامون کا خطبہ پڑھا جاوے۔ اور ابراہیم معزول کر دیا جاوے حمید نے اہل فوج کو پچاس پچاس روپیہ دینے کا وعدہ بھی کیا۔ تاریخ معینہ پر حمید یاسریہ میں داخل ہوا۔ مگر انعام کی تعداد میں اسلیئے اختلاف پیدا ہوا کہ اہل فوج نے پچاس کے عدد کو منحوس بتایا۔ کیونکہ علی بن ہشام نے بھی یہی تعداد مقرر کی تھی اور بالآخر فساد کی باعث ہوئی۔ اہل فوج نے کہا کہ اسوقت ہم کو چالیس دلائے جائیں تاکہ پچاس کے منحوس عدد سے یہ تعداد مختلف رہے عیسٰے نے فیاضی سے پچاس کے عدد کو بڑھا کر ساٹھ کر دیا۔ جسکے ساتھ نحوست کا شبہ بھی رفع ہو گیا۔ ابراہیم نے اس مشکل وقت میں عیسٰے کو قید سے رہائی دیکر حکم دیا کہ حمید کے مقابلہ پر جاوے۔ عیسٰے نے ایک سازشی حملہ کیا۔ اور وسط فوج میں گھس گیا۔ جس سے ظاہر میں یہ دکھانا مقصود تھا۔ کہ ابراہیم کی وفاداری میں اُس نے جان تک کی بھی پروا نہ کی۔ لیکن فوج نے اسکی دلی خواہش کے موافق زندہ گرفتار کر لیا۔ ابراہیم نے باقی ماندہ فوج سے حمید کا مقابلہ کیا۔ یہ اس کی اخیر کوشش تھی لیکن اب وہ بھی کامیاب نہ ہوا۔ اخیر ذیقعدہ ۲۰۳ھ میں جو معرکہ ہوا اس نے ابراہیم کی قسمت کا قطعی فیصلہ کر دیا۔ ذی الحجہ کی ۱۷ تاریخ بدھ کی رات ۲۰۳ھ ابراہیم کی تاریخ حکومت کا اخیر صفحہ تھا جس دن اُس نے تبدیل لباس کی اور کہیں غایب ہو گیا ابراہیم کی خلافت نے کل ایک برس گیارہ مہینے ۱۲ دن کی عمر پائی ✤

مامون کا بغداد داخل ہونا صفر ۲۰۴ھ

مامون قریبًا رجب ۲۰۲ھ میں مرو سے روانہ ہؤا۔ اور صفر ۲۰۴ھ میں بغداد پہنچا۔ اس کا یہ سفر ایک طرح پر ملک کا دورہ تھا جس میں اُس نے حالات ملک سے بہت کچھ واقفیت پیدا کی اور مختلف شہروں میں مناسب انتظامات کئے۔ نہروان پہنچا تو بغداد کے تمام اعیان و عمائد و افسران فوج بڑے جوش سے اُسکے استقبال کو گئے۔ طاہر بن الحسین بھی جس کو مامون نے رقعہ سے طلب کیا تھا یہیں باریاب حضور ہؤا۔ نہروان میں آٹھ دن قیام کرکے مامون بغداد کو چلا۔ اور ۵ صفر ۲۰۴ھ کو بڑی شان و شوکت سے دارالخلافہ میں داخل ہؤا۔ جہاں ایک مدت سے ہزاروں نگاہیں اسکا انتظار کر رہی تھیں۔ مامون خود اور اُسکے تمام افسر سبز لباس میں تھے۔ اہل بغداد بھی مامون کے لحاظ سے سبز لباس پہنے دربار میں آئے مگر عام خواہش اُسکے خلاف تھی۔ لوگ آرزومند تھے کہ اُنکی آنکھیں عباسیہ حکومت کو اس کے اصل لباس میں دیکھیں چنانچہ جب مامون نے طاہر کو بلا کر اسکی کارگذاریوں کا صلہ دینا چاہا۔ اور کہا کہ "جو مانگنا ہو مانگ"۔ تو اُس نے یہی خواہش ظاہر کی کہ آل عباس کی یہ آرزو پوری کر دی جائے۔ مامون نے یہ معقول درخواست منظور کی۔ اُس نے خود دربار عام میں سیاہ لباس منگوا کر پہنا۔ اور طاہر ذوالیمینین اور تمام افسران فوج کو سیاہ رنگ کے خلعت مرحمت کئے ۲۳ صفر ۲۰۴ھ کو کل اہل بغداد سیاہ لباس میں تھے۔ اور اُس دن گویا یہ عملی اعلان عام دے دیا کہ "اب تمام اسلامی دنیا میں **آل عباس** کی حکومت ہے"

طاہر کا خراسان کی حکومت پر مقرر ہونا ۲۰۵ھ

اس سال ایک عجیب تقریب سے طاہر کو اپنے کارہائے نمایاں کا مناسب صلہ ملا یعنی وہ کل مشرقی حکومت پر جسکی دارالخلافہ بغداد سے شروع ہو کر سندھ تک ملتی ہوتی ہے نائب السلطنت

مقرر ہوا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک رات طاہر مامون کی بزم عیش میں حاضر ہوا۔ مامون بادہ نوشی کے مزے لے رہا تھا۔ بے تکلفی میں اُس نے دو پیالے طاہر کو بھی مرحمت کئے اور اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دی۔ طاہر نے باادب عرض کیا کہ میرا منصب اس عزت کا مستحق نہیں ہے۔ مامون نے کہا۔ یہ قیدیں دربار عام کیلئے مخصوص ہیں۔ بے تکلفی کے جلسوں میں اس قسم کے قواعد کی پابندی ضروری نہیں طاہر آداب بجالا کر بیٹھ گیا۔ مامون نے اسکی طرف نگاہ کی تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ طاہر نے عرض کیا کہ اب کیا آرزو باقی رہی ہے جس کا حضور رنج کر سکتے ہیں۔ مامون نے کہا کچھ ایسی بات ہے جسکے پوشیدہ رکھنے میں تکلیف اور ظاہر کرنے میں ذلت ہے طاہر اُسوقت تو چپ ہو رہا مگر دل میں خلش پیدا ہوئی کہ آخر کیا بات ہے حسین جو مامون کا ساقی اور ندیم خاص تھا۔ طاہر نے اُسکو دو لاکھ درہم نذر بھیجے اور درخواست کی کہ اُس دن کے واقعہ کا سبب دریافت کر دے حسین نے موقع پا کر پوچھا۔ مامون نے کہا۔ اگر یہ بات آگے بڑھی تو تیرا سر اڑادونگا۔ سچ یہ ہے کہ جب طاہر میرے سامنے آتا ہے۔ تو بھائی امین کا ذلت و بیکسی سے مارا جانا یاد آتا ہے۔ میرے ہاتھ سے ضرور طاہر کو کسی دن ضرر پہنچے گا۔ طاہر کو یہ بات معلوم ہوئی تو احمد بن ابی خالد الاحول کے پاس گیا (حسن بن سہل کے بعد وزیر اعظم مقرر ہوا تھا)۔ اور کہا تم جانتے ہو کہ میں احسان فراموش نہیں ہوں اور میرے ساتھ بھلائی کرنی فائدے سے خالی نہیں میں تم سے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ مامون کی آنکھ سے دور رہوں۔ احمد بن ابی خالد نے اُس کا ذمہ لیا اور دوسرے دن صبح کے وقت مامون کے پاس حاضر ہوا۔ چونکہ چہرہ سے تردد اور پریشانی نمایاں تھی (مامون نے پوچھا) کیوں؟ کیا کوئی نئی بات ہے؟ (احمد) حضور مجھے تو ساری رات نیند نہیں آئی (مامون) آخر کیوں؟ (احمد) میں نے سنا کہ حضور نے خراسان کی حکومت غسان کو دی جس کے ساتھ مٹھی بھر آدمی سے زیادہ نہیں ہیں۔ اگر سرحد کے ترکوں نے حملہ کیا تو کیا غسان انکو روک سکیگا؟ (مامون) یہ خیال تو مجھکو بھی تھا۔ اچھا تم کسی کو تجویز کرتے ہو؟ (احمد) طاہر ذوالیمینین سے بہتر کون شخص انتخاب

ہوسکتا ہے (مامون) مگر اُس کے خیالات تو باغیانہ ہیں۔ اور وہ نقض بیعت پر آمادہ ہے (احمد) اس کا میں ذمہ وار ہوں (مامون) اچھا تم اپنی ذمہ واری پر مقرر کرو۔ طاہر طلب ہؤا اور سند حکومت کے ساتھ ایک کروڑ درہم بھی جو عموماً خراسان کے گورنروں کو ملتے تھے عطا ہوئے طاہر نے ایک مہینہ میں ساز و سامان سفر درست کیا اور ۲۹۔ ذوقعدہ ۲۰۹ھ کو خراسان روانہ ہؤا۔ طاہر کا بیٹا اُس کے بعد صاحب الشرطۃ مقرر ہؤا۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں میں اُسکی ذاتی لیاقت نے مصر کی گورنری پر پہنچا دیا۔ تقرر کے وقت مامون نے اسکو اپنے سامنے بلایا اور کہا کہ یوں تو ہر شخص اپنی اولاد کی نسبت حسن ظن رکھتا ہے لیکن طاہر نے جو کچھ تمہاری تعریف میں کہا اُس سے کم کہا جس کے تم دراصل مستحق ہو۔ طاہر نے یہ مژدہ سنا بیٹے کو ایک نہایت مفصل[1] خط لکھا جو آئین حکومت انتظامات ملکی۔ رفاہ رعایا کے متعلق ایک نہایت مدبرانہ دستور العمل تھا۔ یہ خط اس قدر مقبول عام ہؤا کہ تمام لوگوں نے اُس کی نقلیں لیں۔ خود مامون نے اُسکی باضابطہ نقلیں عموماً حکام سلطنت کے پاس بھجوائیں اور کہا کہ طاہر نے دنیا و دین و تدبیر و رائے و سیاست و اصلاح ملک و حفاظت سلطنت و قیام خلافت کے متعلق کوئی بات اٹھا نہیں رکھی ٭

عبدالرحمٰن بن احمد کی بغاوت ۲۰۶ھ

انکی بغاوت نہ چنداں بیجا تھی نہ بہت پُر زور تھی لیکن وہ اسلیئے زیادہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اُس سے مامون کی تاریخ زندگی میں ایک نیا انقلاب شروع ہوتا ہے یمن کے لوگ عمال کی بے اعتدالیوں سے باغی ہو گئے تھے اُنکو ایک صاحب اثر شخص سمجھ کر خلیفہ قرار دیا۔ مامون نے دینار بن عبداللہ کو مقابلے کیلئے بھیجا لیکن ایک معاہدہ امن بھی لکھکر دے دیا کہ اگر عبدالرحمٰن قبول کرلے تو لڑائی کی کچھ ضرورت نہیں۔ زمانہ حج میں دینار یمن کو روانہ ہؤا اور معاہدہ امن عبدالرحمٰن کے پاس بھیجدیا۔ عبدالرحمٰن نے خود

[1] اس خط کو ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں تمام و کمال نقل کیا ہے ۔ صفحہ ۱۱۲ ببعد

دینار کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اور بغداد چلا آیا۔ مامون سادات کی پیہم بغاوتوں سے نہایت تنگ آگیا تھا۔ اب اُس نے ۲۸۔ ذوقعدہ ۲۰۱ھ کو حکم دے دیا کہ عموماً آل علی اپنا امتیازی لباس چھوڑکر سیاہ لباس اختیار کریں۔ اور آج سے دربار میں نہ آنے پائیں۔ مامون کو اس خاندان سے جو بے لاگ محبت تھی سیاست ملکی نے اسکو اس صورت میں بدل دیا۔ جسکی تاریخ ۲۰۔ ذوقعدہ سے شروع ہوتی ہے +

ذوالیمینین طاہر کا وفات پانا۔ روز شنبہ جمادی الثانی ۲۰۷ھ مقام مرو

مامون نے اگرچہ احمد بن ابی خالد کی ذمہ داری پر طاہر کو خراسان ایسے بڑے صوبے کی حکومت دے دی تاہم وہ اُسکی طرف سے مطمئن نہ تھا۔ طاہر خراسان کو روانہ ہوتے ہوتے جب مامون سے رخصت ہونے گیا۔ تو مامون نے ایک خاص غلام اُسکے ساتھ کر دیا جس کی نسبت طاہر کو یہ یقین دلایا کہ اُس کی کارگذاریوں کا صلہ ہے۔ مگر درپردہ غلام کو ہدایت کی تھی۔ کہ اگر طاہر کے خیالات بغاوت کی طرف مائل دیکھے تو زہر دیدے۔ خراسان پہنچکر غالباً طاہر نے بغاوت کا ارادہ کیا۔ مگر مورخین اُسکا کوئی ثبوت بجز اسکے نہیں پیش کرتے کہ ایک جمعہ میں طاہر نے خطبہ میں مامون کا نام نہیں پڑھا۔ کلثوم بن ثابت خراسان کا پرچہ نویس اس موقع پر موجود تھا اُس نے گھر آکر غسل کیا۔ اور کفن پہن کر مامون کو اس واقعہ کی عرضی لکھی۔ اُس کو یہ یقین تھا کہ طاہر کو بھی ضرور اس حال سے خبر ہوگی۔ اور وہ اُسکو زندہ نہ چھوڑے گا۔ مامون نے عرضی پڑھی تو احمد بن ابی خالد کو بلا بھیجا اور کہا کہ اسی وقت خراسان روانہ ہو۔ احمد نے بڑے اصرار سے رات بھر کی مہلت لی۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسرا پرچہ پہنچا کہ طاہر نے دفعتہً انتقال کیا احمد کا جانا ملتوی رہ گیا۔ طاہر کو جمعہ کے دن بخار چڑھا۔ ہفتہ کی صبح کو لوگ عیادت کے لئے گئے۔ تو دربانوں سے معلوم ہوا کہ آج خلاف معمول ابھی تک خوابگاہ میں ہے۔ زیادہ دیر ہوئی تو لوگ اندر گئے طاہر سر سے پاؤں تک کپڑے میں لپٹا ہوا مردہ پڑا تھا۔ بعضوں کا بیان ہے

کہ پلکوں میں کچھ عارضہ پیدا ہوا جس سے وہ دفعۃً گر پڑا۔ اور مرگیا[۹۱]۔

مامون نے طاہر کے بعد اُسکے بیٹے طلحہ کو خراسان کی حکومت دی۔ دوسرے بیٹے عبداللہ کو بھی معزز عہدے دیئے۔ طاہر کی تین پشتوں یعنی خود طاہر و عبداللہ بن طاہر و عبیداللہ بن عبداللہ نے دولت عباسیہ میں بڑا اقتدار حاصل کیا۔ ہم کو اس میں کچھ شبہ نہیں۔ کہ طاہر کو زہر دیا گیا۔ اور خود مامون نے زہر دلوایا۔ لیکن اگر مامون کی جگہ کوئی دوسرا بادشاہ ہوتا تو کیا کرتا۔ اگر اس نظیر کے لئے ہم دور نہ جائیں اور خود مامون کے نامور باپ ہارون الرشید کی طرف نگاہ اٹھائیں تو کیا ثابت ہوگا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ اُسنے ایک خیالی الزام پر برامکہ کا وہ فیاض خاندان جسکی نظیر سے کل تاریخ اسلام خالی ہے ایک لحظہ میں دنیا سے ناپید کردیا۔ لیکن مامون نے جو کچھ کیا سیاست ملکی کے لحاظ سے اُس کا ضروری فرض تھا تاہم اُس کے خاندان سے کچھ تعرض نہ کیا بلکہ اُسکی اولاد کو اس رتبہ پر پہنچایا کہ کچھ زمانے کے بعد خراسان میں انکی مستقل حکومت قائم ہوگئی۔ مامون کے پاس جب طاہر کے مرنے کی خبر آئی۔ تو اُس نے کہا کہ "خدا کا شکر ہے جس نے طاہر کو مجھ سے پہلے بلایا"۔ اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ طاہر کی بغاوت کا اُس کو کافی یقین ہوچکا تھا۔ اس کتاب کے دوسرے حصہ میں معلوم ہوگا کہ مامون ملک کے ہر ایک جزئی حالات سے کس قدر واقفیت رکھتا تھا۔ اور اس وجہ سے اُسکی رائے ان معاملات میں نہایت وقعت کے قابل ہے۔

افریقیہ۔ اور منصور بن نصیر کی بغاوت ۲۰۸ھ

افریقیہ کو ممالک اسلامیہ میں داخل ہوئے قریباً سو برس گذر چکے تھے مگر عہد فتح سے آجتک

---

[۹۱] مصنف عیون والحدائق۔ کامل۔ ابن خلدون۔ ابوالفدا کسی نے نہیں کہا کہ طاہر کیوں مرا۔ مگر عربی مورخین کی یہ عام عادت ہے کہ وہ واقعات کو بالکل سادہ لکھتے ہیں اور اس بات سے بحث نہیں کرتے صرف ابن خلکان ایک شخص ہے جس نے اس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ اور چونکہ اُس نے نہایت معتبر تاریخ کا یعنی ہارون بن عباس بن مامون الرشید کی تاریخ کا حوالہ دیا ہے۔ میں نے اس موقع پر جو کچھ لکھا ہے اسی سے لکھا ہے۔ دیکھو تاریخ ابن خلکان۔ ترجمہ طاہر ۱۲ منہ

ہمیشہ خطرناک بغاوتیں برپا رہیں۔ یہاں کی آب و ہوا میں پہلے بھی اطاعت کا مادہ نہ تھا
اور قبائل عرب کے مل جانے سے جو ایک مدت سے ان اطراف میں جاکر آباد ہوتے جاتے تھے
ان کی سرکشی اور پرخطر اور تیز ہوگئی تھی۔ یہاں کا جو خراج تھا وہ یہیں کے امن و انتظام قائم رکھنے
میں صرف ہوتا تھا۔ بلکہ مصر کے خزانے سے اور پانچ لاکھ روپیہ سالانہ منگانے پڑتے تھے
۱۸۴ھ میں ہارون الرشید نے ابراہیم بن الاغلب کو افریقہ کا گورنر مقرر کیا تھا جس نے
افریقہ سے چالیس ہزار دینار بطور خراج کے دینے منظور کئے تھے۔ ابراہیم نے نہایت نیک
نامی کے ساتھ حکومت کی اور پھر افریقہ کی گورنری اُسکے خاندان کا موروثی ترکہ ہوگیا۔ چنانچہ
مامون کے زمانہ میں جو شخص اس منصب پر ممتاز تھا۔ وہ ابراہیم کا نامور فرزند زیادۃ اللہ تھا۔
۲۰۸ھ میں ٹونس میں ایک تازہ بغاوت کی ابتدا ہوئی۔ جس کا بانی منصور بن نصیر تھا۔ زیادۃ اللہ
نے ایک افسر کو جس کا نام محمد بن حمزہ تھا۔ تین سو سوار دے کر بھیجا۔ کہ دفعۃً ٹونس پہنچ کر
منصور کو گرفتار کرلائے۔ لیکن محمد کے پہنچنے سے پہلے منصور کو خبر ہوگئی۔ اور وہ طنبیذہ
چلا گیا۔ محمد کو ٹونس میں بالکل ناکامی ہوئی۔ اب اُس نے یہاں کے قاضی کو منصور کے پاس
بطور سفارت کے بھیجا۔ چالیس اور بڑے بڑے ثقات قاضی صاحب کے ساتھ گئے کہ غط
و پند کا فسون پھونک کر منصور کو مسخر کر لائیں۔ مگر منصور ان سادہ دل ملاؤں سے زیادہ
چالاک تھا۔ اُس نے قاضی صاحب سے کہا کہ میں تو قدیم نمکخوار ہوں۔ آج کی رات آپ حضر
قبول فرمادیں کل میں خود آپ کے ہمرکاب جاؤنگا۔ منصور نے محمد کو بھی دعوت کے کھانے
اور فواکہ بھیجے۔ اور لکھا کہ کل قاضی صاحب کے ساتھ شرف خدمت حاصل کروں گا
محمد اور اسکی مختصر فوج نے نہایت اطمینان کے ساتھ دعوت کے مزے اڑائے۔ اور
خوب شرابیں پئیں۔ ہنوز خمار نہیں اترا تھا کہ دفعۃً طبل جنگ کی مہیب آواز نے ان
بدمستوں کو چونکا دیا۔ اٹھے تو منصور ایک جمعیت کثیر کے ساتھ سر پر موجود تھا۔ محمد کی
فوج نے بھی ہتھیار سنبھالنا چاہا۔ مگر اعضا قابو میں نہ تھے تاہم ایک سخت معرکہ ہوا۔ اور

ساری رات لڑائی رہی۔ محمد کی فوج بالکل قتل ہوگئی۔ صرف وہ لوگ بچ گئے جو دریا میں کود پڑے اور تیر کر اُس پار نکل گئے۔ ٹونس میں جو شاہی فوج تھی اُس نے بھی منصور کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت پر آمادگی ظاہر کی۔ مگر اس اندیشہ سے کہ آیندہ منصور اگر زیادۃ اللہ سے مل گیا تو وہ کسی طرف کے نہ ہونگے۔ یہ شرط پیش کی کہ آپ زیادۃ اللہ کے کسی عزیز کو قتل کرا دیجئے۔ اسمعیل کے قتل سے جو زیادۃ اللہ کا رشتہ دار اور ٹونس کا عامل تھا۔ یہ خواہش پوری کر دی گئی۔ ٹونس کے اضلاع میں منصور کی قوت روز افزوں ترقی کر رہی تھی۔ اور اس وجہ سے ضرور تھا کہ زیادۃ اللہ بھی برابر کی طاقت سے اُسکا مقابلہ کرے۔ اُس نے اپنے وزیر خاص غلیون کو اس مہم کیلئے انتخاب کیا۔ مگر دسویں ربیع الاول کو جو معرکہ ہوا۔ اس میں غلیون نے شکست کھائی۔ اور فوج جو ساتھ تھی۔ باغیانہ افریقہ کے مختلف شہروں میں پھیل گئی۔ غلیون کو شکست دیکر منصور کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اُس نے خود زیادۃ اللہ کی دار الحکومت قیروان کو جا گھیرا۔ ۴۰ دن تک محاصرہ رہا۔ اور بڑے بڑے معرکے ہوئے مگر اخیر لڑائی میں جو ۱۵۔ جمادی الثانی کو پیش آئی زیادۃ اللہ اس سر و سامان سے نکلا۔ کہ منصور نے پہلے ہی ہمت ہار دی۔ مقابلہ ہوا۔ لیکن نتیجہ جنگ وہی تھا جو منصور کے خیال میں۔ چونکہ محاصرہ کے زمانہ میں قیروان والے منصور سے مل گئے تھے۔ زیادۃ اللہ نے اب اُس سے انتقام لینا چاہا۔ لیکن علماء اور فقہاء بیچ میں پڑے اور اسکو اس ارادے سے باز رکھا۔ تاہم عبرت کے لئے قیروان کی شہر پناہ بالکل برباد کر دی گئی +

اگرچہ منصور خود شکست کھا کر قیروان سے چلا گیا۔ مگر اُس کے سرداروں نے افریقہ کے اکثر اضلاع دبا لئے تھے۔ ان میں سے ایک شخص عامر بن نافع تھا۔ جس نے سبیبہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ سنہ ۲۰۹ھ میں زیادۃ اللہ نے محمد بن عبداللہ اپنے ایک عزیز کو اُس کے مقابلے پر بھیجا۔ ۲۰ محرم کو ایک سخت معرکہ ہوا۔ محمد نے شکست کھائی اور قیروان کو الٹا واپس آیا۔ اِس اثنا میں منصور نے دوبارہ قوت حاصل کی اور چونکہ فوج جو منصور کے

ساتھ تھی۔ اُس کے اہل وعیال قیروان میں رہ گئے تھے۔ اُس نے پھر قیروان کا محاصرہ کیا۔ ۱۶ دن محاصرہ رہا۔ اگرچہ کوئی لڑائی نہیں ہوئی مگر منصور اپنے مقصد میں کامیاب ہوا اہل فوج کے عزیز و اقارب قیروان سے نکل آئے۔ اور اپنے عزیزوں سے آکر مل گئے۔ منصور بھی تونس کو واپس چلا آیا۔ افریقہ کے اکثر اضلاع زیادۃ اللہ کے ہاتھ سے نکل گئے خود شاہی فوج نے جو منصور کے ساتھ ہوگئی تھی۔ زیادۃ اللہ کو مغرورانہ پیغام کہلا بھیجا کہ جو تدبیر تم کو جانبر کرسکتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ تم افریقہ سے اور کہیں چلے جاؤ اس سعادت کے صلے میں ہم تمہاری جان سے کچھ تعرض نہ کریں گے۔ چند اتفاقی واقعات نے اگر مساعدت نہ کی ہوتی تو آل اغلب کا خاتمہ ہوچکا تھا۔ مگر سنہ ۲۱۱ھ میں عامر جو منصور کا داہنا ہاتھ تھا۔ خود منصور سے ناراض ہوگیا۔ اور بالآخر اسکو قتل کرادیا۔ یہ محسن کُش بھی کچھ زیادہ نہ پھلا۔ دو ہی تین برس کے بعد قضا کی۔ اور زیادۃ اللہ کے لئے افریقہ کی حکومت بے خلش چھوڑ گیا۔ زیادۃ اللہ کو ان واقعات نے بالکل مطمئن کردیا۔ اُس نے کچھ بیجا نہیں کہا۔ کہ اب لڑائی نے اپنے ہتھیار رکھدیئے +

نصر بن شیث کا گرفتار ہونا سنہ ۲۰۹ھ

نصر حلب کے شمال میں کیسوم کے علاقہ کا رہنے والا تھا۔ اور امین الرشید کا نہایت جاں نثار دوست تھا۔ محاصرہ کے زمانہ میں تو امین کی کچھ مدد نہ کرسکا۔ لیکن امین کے قتل کے بعد علانیہ بغاوت ظاہر کی اور چونکہ عرب کے بعض قبائل اور بہت سے خانہ بدوش بدو بھی اُسکے ساتھ ہوگئے اُس نے حلب۔ دمیاط وغیرہ پر قبضہ کرلیا۔ حسن بن سہل نے طاہر کو جو حال ہی میں بغداد کی فتح کا فخر حاصل کرچکا تھا۔ اُسکے مقابلے کے لئے بھیجا۔ ایک جنگ کے بعد طاہر نے شکست کھائی اور رقہ کو واپس گیا۔ سنہ ۱۹۹ھ میں جزیرے کے تمام اضلاع نصر کے قبضۂ اقتدار میں آگئے۔ اور سنہ ۲۰۰ھ تک اُسکی بغاوت شاہی قوت

کی حریف مقابل رہی ۲۰۶ھ میں جب طاہر رقہ سے چلا آیا تھا تو اُسکا بیٹا عبداللہ اس مہم پر مامور ہوا۔ لیکن چار برس کی متواتر کوششوں نے بھی کوئی نتیجہ نہیں پیدا کیا ۲۰۹ھ میں مامون نے محمد عامری کو نصر کے پاس سفیر کر کے بھیجا۔ نصر نے گو اطاعت پر آمادگی ظاہر کی مگر شرطیں وہ پیش کیں جو مامون کے نزدیک بغاوت کی سرکشی سے کچھ کم نہ تھیں۔ پہلی شرط یہ تھی کہ میں دربار میں حاضر نہ ہونگا۔ مامون نے اُسکے قبول کرنے سے بالکل انکار کیا۔ محمد عامری واپس گیا۔ اور نصر سے کہا کہ مامون کو تمہاری حاضری ہی پر زیادہ اصرار ہے۔ نصر دفعۃً جھلا اٹھا اور کہا کہ چند مینڈکوں (قوم زط[۱]) پر جس کا زور نہ چل سکا۔ اُسکے آگے عرب کے ہزاروں جانباز کیونکر سر جھکا سکتے ہیں۔ لیکن نصر کا یہ غرور قائم نہ رہا۔ عبداللہ بن طاہر نے اُسکو اتنا تنگ کیا کہ بلا کسی شرط کے ہتھیار رکھدیئے۔

ابن عائشہ و مالک کا قتل اور ابراہیم کی گرفتاری ۲۱۰ھ

ابراہیم جس نے بغداد میں علم خلافت بلند کیا تھا۔ گو مدت سے روپوش ہو گیا تھا لیکن اُسکے قدیم رفقا اب بھی اپنی کوششوں میں سرگرم تھے اور چاہتے تھے کہ ابراہیم کو دوبارہ تخت خلافت دلائیں۔ مامون کو اس سازش کی بہت جلد اطلاع ہو گئی۔ اور صفر ۲۱۰ھ میں یہ سب گرفتار کر لئے گئے۔ ابن عائشہ اور مالک اس جماعت کے سرگروہ تھے۔ ان لوگوں نے ایک بڑی فہرست تیار کر کے مامون کی خدمت میں بھیجی کہ اور بہت سے لوگ اس کوشش میں ہمارے ساتھ ہیں لیکن مامون نے اس خیال سے کچھ التفات نہ کی کہ شاید اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گرفتار کرانا چاہتے ہیں۔ باغی قیدخانے بھیجدیئے گئے۔ مگر وہاں بھی نچلے نہ بیٹھے۔ ایک دن اندر سے چاروں طرف کے کواڑ بند کر دیئے اور چاہا کہ دیوار توڑ کر باہر نکل جائیں۔ مامون کو خبر ہوئی تو خود جیل خانہ پہنچکر ابن عایشہ کے سوا سب کو قتل کرا دیا۔ ابن عائشہ

---

[۱] چونکہ قوم زط کی بغاوت کو مامون فرو نہ کر سکا تھا۔ نصر نے طعنہ دیا۔

ہاشمی تھا۔ اسلئے یہ امتیاز رکھا گیا کہ بجائے قتل کے اُسکو سولی دی گئی۔ لیکن اس کے
ساتھ یہ قاعدہ ٹوٹ گیا کہ اب تک کسی ہاشمی نے پھانسی پانے کی ذلت نہیں اُٹھائی تھی +
یہ واقعہ ابراہیم کی گرفتاری کا دیباچہ تھا۔ خود ابراہیم کی زبانی منقول ہے کہ مامون جب
عراق پہنچا تو لاکھ درہم کے انعام پر میری گرفتاری کا اشتہار دیا۔ میں نے خیال کیا کہ اب
بغداد میں جان کی خیر نہیں۔ گرمی کے دن تھے اور ٹھیک دوپہر تھی کہ میں گھر سے نکل کھڑا
ہوا۔ مگر یہ کون بتا سکتا تھا کہ کہاں جاؤں ایک گلی میں پہنچا لیکن اسکی دوسری طرف راستہ
نہ تھا۔ اب نہ آگے بڑھ سکتا تھا نہ الٹا پھر سکتا تھا۔ اسی اضطراب میں ایک مکان نظر پڑا۔
جس کے دروازے پر ایک حبشی غلام کھڑا تھا۔ میں نے بڑھکر اُس سے التجا کی کہ ذرا دیر
کے لئے اپنے مکان میں جگہ دے سکتے ہو؟ اُس نے نہایت خوشی سے منظور کیا۔ اور
مجھ کو ایک کمرہ میں لے جا کر بٹھایا۔ جو عمدہ اور بیش بہا ساز و سامان سے مزین تھا۔
لیکن چونکہ خود باہر چلا گیا۔ اور کواڑ بند کرتا گیا۔ میری تازہ اُمید پھر یاس سے بدل گئی کہ
غلام میرے گرفتار کرانے کو پولیس کے پاس گیا ہے۔ میں اسی پیچ و تاب میں تھا کہ اسی
نے کواڑ کھولے۔ اور ایک مزدور کے ساتھ مکان میں داخل ہوا۔ میں نے مسرت آمیز
تعجب سے دیکھا کہ وہ گوشت۔ دیگچی۔ کورے پیالے اور تمام ضروری چیزیں اپنے ساتھ لایا
ہے۔ اُس نے یہ تمام سامان میرے سامنے حاضر کئے اور کھڑے ہو کر دست بستہ عرض کی
کہ میں ذات کا حجام میری جرأت نہیں کہ اپنے گھر کا پکا ہوا کھانا حضور کی دعوت میں حاضر
کروں۔ اسلئے بازار سے سب نئی چیزیں مول لایا ہوں۔ اب حضور جو پسند فرمائیں۔
میں نے خود کھانا طیار کیا۔ اور خوب سیر ہو کر کھایا۔ پھر اُس نے مجھ سے پوچھکر شراب حاضر
کی اور کھڑے ہو کر کہا کہ اگر اجازت ہو تو میں بھی ایک کنارے بیٹھ جاؤں۔ میں نے
اجازت دی۔ شراب کا دور چلتا رہا۔ ذرا دیر کے بعد وہ ایک نے اٹھا لایا اور دست
بستہ کہا کہ میرا یہ منصب نہیں کہ حضور سے گانے کے لئے عرض کروں لیکن حضور کا فیاض

اخلاق خود میری آرزو پورا کرسکتا ہے۔ میں نے تعجب سے پوچھا کہ تم نے کیونکر معلوم کیا کہ میں اس لطیف فن سے واقف ہوں۔ اُس نے کہا سبحان اللہ کیا حضور چھپائے چھپ سکتے ہیں۔ کیا حضور کا اسم مبارک ابراہیم نہیں ہے؟ کیا بغداد کے تخت نے حضور کے قدموں سے عزت حاصل نہیں کی؟ مامون الرشید نے کس کے لئے لاکھ درہم کا اشتہار دیا ہے؟[۱]

یہ سنکر میں حیرت زدہ ہو گیا۔ اور دل میں کہا کہ یہ غلام بھی خدا کی عجیب قدرتوں کا ایک نمونہ ہے۔ میں نے ایسے فیاض میزبان کا رنجیدہ کرنا خلاف انسانیت سمجھا۔ اور نَے کے ساتھ حسب حال کچھ اشعار گائے۔ غلام بدمست ہو گیا۔ مزے میں آکر خود بھی گانا شروع کیا۔ اور اس درد سے گایا کہ در و دیوار بول اُٹھے۔ میں تمام خطرات کو یک لخت بھول گیا۔ اور فرمایش کی کہ کچھ اور گاؤ۔ اُس نے نہایت دلکش آواز میں یہ اشعار گائے:۔

تعیرنا انہ قلیل عدیدنا　　　فقلت لہا ان الکرام قلیل

وہ ہم کو عیب لگاتی ہے کہ ہمارا شمار کم ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ بڑے لوگ کم ہی ہوتے ہیں۔

وانا لقوم ما نرے القتل سیئۃ　　　اذا ما رأتہ عامر و سلول

عامر و سلول قتل ہونے کو عیب سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم ایسا نہیں سمجھتے +

ان پر اثر شعروں نے میرے ہوش و حواس بالکل کھو دیئے۔ اور غفلت زدہ ہو کر سو گیا۔ جاگا تو شام ہو چکی تھی۔ میں نے جیب سے ایک تھیلی نکالی اور غلام کو یہ کہکر دینا چاہا کہ لو خدا حافظ۔ سردست یہ حقیر پیشکش قبول کرو۔ خدا نے اگر وہ دن کیا کہ میری بدقسمتی اقبال مندی سے بدل گئی۔ تو میں تمہارے احسانات کا کافی صلہ دے سکوں۔ غلام نے نہایت رنجیدہ ہو کر کہا۔ افسوس غریب آدمی آپ لوگوں کی نگاہ میں نہایت حقیر

[۱] اس قصے کو کسی قدر اختلاف کے ساتھ خود یوسف کاتب نے جو ابراہیم کا خاص ندیم تھا اپنی ایک تصنیف میں جو صرف ابراہیم کے حالات میں ہے لکھا ہے۔ دیکھو مروج الذہب مسعودی خلافت مامون الرشید

مخلوق ہے مجھکو حضور کی ذرہ نوازی سے جو عزت ملی۔ کیا میں اُسکو درہم و دینار کے عوض
بیچ سکتا ہوں خدا کی قسم یہ الفاظ دوبارہ سننے کی میں طاقت نہیں رکھتا۔ اور اگر آپ مکرر
فرمائیں گے تو میں اپنی حقیر زندگی کو قربان کر دونگا۔ میں نے ندامت کے ساتھ اپنا بے موقع
عطیہ واپس لیا۔ اور چاہا کہ غلام سے رخصت ہوں لیکن اُس نے عاجزانہ لہجہ میں کہا کہ
میرے آقا آپ یہاں زیادہ امن و آرام کے ساتھ رہ سکیں گے۔ کچھ دنوں اور صبر کیجئے۔ یہ
فتنہ فرو ہو لے۔ تو حضور کو اختیار ہے۔ میں چند روز اور اُسکے مکان پر مقیم رہا لیکن
اس خیال سے کہ میرا میزبان میرے مصارف کی وجہ سے گرانبار ہوا جاتا ہے۔ چپکے سے
نکل کھڑا ہوا اور اخفائے حال کیلئے زنانہ لباس پہن لیا۔ تاہم راہ میں ایک فوجی سوار
نے مجھکو پہچان لیا۔ اور چلا کر لپٹ گیا کہ لینا مامون کا اشتہاری جانے نہ پائے میں
نے پوری قوت سے اُسکو پرے دھکیل دیا وہ ایک گڑھے میں جا پڑا۔ اور بازار کے
آدمی شور و غل سنکر ہر طرف سے دوڑ پڑے۔ میں فرصت پاکر بھاگتا ہوا اُس پار جا پہنچا۔
اور ایک عورت سے جو اپنے مکان کے دروازے پر کھڑی تھی درخواست کی کہ میری جان
بچالے۔ اُس نے نہایت خوشی سے میرا استقبال کیا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ نیک دل عورت
اُسی سوار کی جورو نکلی۔ جس نے میرا پردہ فاش کرنا چاہا تھا۔ ذرا دیر کے بعد وہ بیرحم سوار
آپہنچا۔ مکان میں گھسنے کے ساتھ ہی اُسکی نگاہ مجھ پر پڑی۔ اور بیوی کو الگ لے جاکر
ساری داستان سنائی تاہم اُس فیاض عورت نے مجھکو آکر تسکین دی کہ جب تک میں ہوں
آپکو کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔ میں تین دن تک اُس کا مہمان رہا۔ لیکن چونکہ شوہر کی جانب
سے اسکو اطمینان نہ تھا۔ چوتھے دن مجھ سے کہا کہ افسوس میں اُسکی حفاظت کا ذمہ
نہیں اٹھا سکتی۔ مجبورانہ وہاں سے بھی نکلنا پڑا۔ اس اضطراب میں مجھکو اپنی ایک کنیز خاص
یاد آئی۔ میں سیدھا اُسکے مکان پر گیا۔ مجھکو دیکھکر باہر نکل آئی۔ اور روتی ہوئی آواز اور
ریائی آنسوؤں سے میرا استقبال کیا۔ تھوڑی دیر تک غمخواری کی باتیں کرتی رہی۔ پھر باہر

چلی گئی۔ میں نے بغیر کسی تردد کے خیال کیا کہ دعوت کے اہتمام میں جاتی ہے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد جو تحفہ وہ میرے لئے بازار سے لائی۔ وہ پولیس کے تنخواہ دار سپاہی تھے۔ میں اسوقت تک زنانہ لباس میں تھا اور اسی ہیئت میں گرفتار ہو کے مامون کے دربار میں حاضر کیا گیا سامنے پہنچا تو دربار کے قاعدے کے موافق سلام کیا۔ مامون نے کہا۔ خدا تیرا برا کرے۔ میں نے کہا۔ امیرالمؤمنین ذرا ٹھیر جا۔ میں بے شبہ سزا کا مستحق ہوں۔ لیکن تقوے عفو کا باعث ہے میرا گناہ ہر گناہ سے بڑھ کر ہے۔ لیکن تمام فیاضیاں تیرے رتبہ سے فروتر ہیں۔ اگر تو مجھکو سزا دے تو تجھکو حق ہے۔ اگر بخشدے تو نوازش ہے۔ پھر میں نے یہ اشعار پڑھے:۔

ذنبی الیک عظیم   وانت اعظم منہ

میرا گناہ بڑا ہے۔ لیکن تو اس سے بالاتر ہے۔

فخذ بحقك اولا   فاصفح بحلمك عنہ

یا اپنا حق لے۔ یا اپنے حلم کی وجہ سے درگذر۔

ان لم اکن فی فعالی   من الکرام فکنہ

اگر میرے کام شریفانہ نہیں ہیں۔ تو آخر تیرے تو ہونے چاہئیں۔

میرے عاجزانہ فقرے اور پر تاثیر اشعار مامون کے دل پر قبضہ پاتے جاتے تھے محبت سے میری طرف نگاہ کی۔ میں نے چند اور شعر دردناک لہجہ میں پڑھے۔ اُسکا دل بھر آیا اور ارکان دولت کی طرف مخاطب ہؤا کہ کیا رائے ہے۔ سب نے متفق اللفظ کہا۔ "قتل"۔ مگر احمد بن ابی خالد وزیراعظم نے عام رائے کے خلاف شفاعت کی۔ اور کہا۔ تاریخ میں ایسی مثالیں بہت موجود ہیں کہ بغاوت کے جرم پر قتل کا حکم دیا گیا۔ لیکن اے امیرالمؤمنین! اگر تو بخشدے تو ہم تیری فیاضی کی نظیر پچھلی تاریخوں میں بھی نہیں دکھا سکیں گے۔ مامون نے سر جھکا لیا۔ اور شعر پڑھا:۔

قومی ھم قتلوا امیم اخی   فاذا رمیتھم یصیبنی سھمی

میرے بھائی امیم کو میری قوم نے قتل کیا۔ میں اگر ان پر تیر چلاؤں۔ تو مجھ ہی کو لگے گا۔

میں نے دفعتہً چہرے سے نقاب الٹ دی اور چلا اٹھا کہ وہ اللہ اکبر۔ خدا کی قسم! امیرالمؤمنین نے بخشدیا! مامون سجدہ میں گرا۔ اور دیر تک سربسجدہ رہا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہؤا اور کہا کہ چچا جان آپ جانتے ہیں۔ میں نے کیوں سجدہ کیا۔ میں نے عرض کیا کہ شاید میری اطاعت پر۔ مامون نے کہا۔ نہیں بلکہ اس بات پر کہ خدا نے مجھکو عفو کی توفیق دی۔ مامون نے پھر میری ساری داستان سُنی۔ اور غلام۔ عورت۔ کنیز کو طلب کر کے غلام کو ہزار دینار سالانہ مقرر کر دیا۔ عورت کو بھی انعام عطا کیا۔ لیکن کنیز کو اپنی توقع کے خلاف خیر خواہی کا کچھ صلہ نہ ملا۔ بلکہ اُلٹی سزا پائی[۱]+

مصر و اسکندریہ کی بغاوتیں ۲۱۰ھ

۲۰۶ھ میں عبیداللہ سری مصر کا عامل مقرر ہؤا۔ اگرچہ نہایت رعب داب اور حسن انتظام کے ساتھ حکومت کی مگر امید سے زیادہ کامیابی نے خود سری کا خیال پیدا کر دیا۔ طاہر کا نامور فرزند عبداللہ اس کے مقابلہ پر مامور ہؤا۔ مصر جب ایک منزل رہ گیا تو اُس نے ایک سردار کو تھوڑی سی فوج دے کر آگے روانہ کیا۔ کہ پڑاؤ کے لئے کوئی محفوظ مقام معین کر رکھے۔ عبیداللہ سری نے یہ خبر پا کر دفعتہً سردار پر چھاپہ مارا لیکن اُس نے نہایت استقلال سے مقابلہ کیا۔ اور ایک قاصد دوڑا دیا کہ عبداللہ کو جا کر خبر کر دے۔ عبداللہ عین وقت پر پہنچا۔ عبیداللہ ایسا نادان نہ تھا کہ اب بھی جنگ قائم رکھتا۔ سیدھا مصر کو واپس گیا۔ اور شہر پناہ کے دروازے بند کروا دیئے۔ عبداللہ نے شہر کا محاصرہ کیا۔ کچھ دن نہیں گذرنے پائے تھے کہ عبیداللہ نے انجام کار پر غور کر کے

---

[۱] ابن واضح کاتب عباسی کی تاریخ میں اس فقرہ کو کسی قدر تغیر کے ساتھ مامون ہی کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ کسی شخص نے ابراہیم کی شفاعت نہیں کی + [۲] دیکھو ثمارالاوراق بر حاشیہ مستطرف صفحہ ۱۷۳ الکامل الاثیر۔ اغانی۔ ابن خلدون وغیرہ میں ابراہیم کی گرفتاری کے حالات مختلف طریقوں سے بیان کئے گئے ہیں +

سپر ڈالدی۔ اور عبداللہ کی خدمت میں ایک گرانبہا تحفہ جسکو رشوت کہنا زیادہ بجا ہے
ارسال کیا۔ یہ بیش قیمت تحفہ جس میں ہزاروں لونڈی غلام اور ہرایک کے ہاتھ میں
ہزار ہزار اشرفیاں تھیں گو قصدًا رات کے وقت بھیجا گیا۔ لیکن عبداللہ نے صاف
انکار کیا۔ اور لکھ بھیجا کہ میں دن کو تیرا ہدیہ قبول کرسکتا تو رات کو بھی مجھکو انکار نہ ہوتا
خط کے اخیر میں قرآن مجید کی یہ پر رعب آیتیں لکھیں "ارجع الیھم فلنا تینھم
بجنود لا قبل لھم بھا" ترجمہ تو اُن کی طرف واپس جا۔ میں ایک ایسا لشکر لے کر
اُن پر آتا ہوں۔ جسکا وہ لوگ سامنا نہیں کرسکتے " اس غضبناک خط نے تلوار سے
بڑھکر کام دیا۔ عبیداللہ نے مجبور ہوکر امان طلب کی۔ مصر سے تو اطمینان ہوا۔ مگر ہنوز
اسکندریہ کا مرحلہ باقی تھا۔ عبیداللہ کے زمانہ بغاوت میں اسپین سے دولت بنی امیہ
کی ایک فوج آئی اور اسکندریہ پر قابض ہوگئی۔ لیکن عبداللہ کی آمد آمد نے اس کے حواس
کھودئے۔ اور امن کی طالب ہوکر اسکندریہ سے نکل گئی۔ اب یہ ممالک فتنہ و فساد سے
یک لخت پاک ہوگئے۔ اور ہر طرف امن و امان ہوگیا *

زریق کی بغاوت اور سید بن انس کا مقتول ہونا ۲۱۱ھ

زریق عربی النسل تھا۔ اور ۲۰۹ھ میں آرمینا و آذربایجان کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ لیکن باغی
ہوگیا اور اپنی حکومت کے کل علاقے دبا لئے۔ سید بن انس جو موصل کا لفٹننٹ تھا چند
بار اُس سے معرکہ آرا ہوا۔ مگر فتح نہ حاصل کرسکا۔ ۲۱۱ھ میں زریق نے ایک فوج کثیر طیار کی
جو کم و بیش چالیس ہزار تھی۔ ایک بہادر شخص مدت سے زریق کے پاس نوکر تھا۔ اور لاکھ درہم
سالانہ فقط اس بات کے پاتا تھا کہ اُس نے سید کے قتل کا بیڑا اُٹھایا تھا قسم کھائی تھی
کہ جب سید کو دیکھ پائیگا۔ تنہا اُسکے قتل کی عزت حاصل کریگا۔ اب زریق نے جو یہ فوج
گراں سید کے مقابلہ پر بھیجی تو یہ بہادر شخص بھی ساتھ گیا۔ سید لڑائیوں میں ہمیشہ تنہا

حملہ آور ہوتا تھا۔ اس معرکہ میں حریف کی فوج گو چالیس ہزار سے کم نہ تھی۔ مگر اُس نے اپنا طریقہ چھوڑنا پسند نہ کیا۔ اور تنہا اتنے بڑے لشکر پر حملہ آور ہوا۔ زریق کی فوج سے وہی بہادر شخص نکلا ہر ایک نے جان توڑ کر شجاعت کے جوہر دکھائے۔ اور دونوں کے ایک ساتھ قتل ہونے نے یہ ثابت کر دیا کہ دونو برابر کے حریف تھے ✦

مامون محمد بن حمید طوسی کو موصل کی حکومت عطا کی۔ محمد ۲۱۲ھ میں موصل پہنچا اور فوج شاہی کے علاوہ عرب کے بہت سے قبائل ساتھ لئے جو ایک مدت سے موصل میں آ کر آباد ہو گئے۔ سید بن اُنس کا فرزند محمد بھی جو برسوں سے باپ کے خون کا عوض لینے کے لئے بے قرار تھا۔ اس فوج کے ہمراہ گیا۔ زریق محمد کی آمد سنکر خود مقابلے کے لئے بڑھا اور مقام زاب پر دونو فوجیں صف آرا ہوئیں۔ ایک سخت جنگ کے بعد زریق امن طلب کرنے پر مجبور ہوا۔ مامون نے اس فتح نمایاں کی صلح میں زریق کا تمام مال و اسباب محمد کو عنایت کیا۔ مگر اُس نے زریق کی اولاد کو بلا کر سب واپس دے دیا۔ اور کہا کہ "میں اپنی طرف سے تم کو دیتا ہوں" محمد نے آذربایجان پہنچکر اُن تمام باغیوں کو بھی گرفتار کیا۔ جو زریق کے نائب بن کر ان اضلاع پر قابض تھے ✦

بابک خرمی کی بغاوت

جاویدان ایک مجوسی تھا جو ایک نئے مذہب کا بانی ہوا۔ اور نہایت شہرت حاصل کی اُس کے مرنے پر بابک نام ایک شخص نے دعوےٰ کیا کہ جاویدان کی روح میرے جسم میں آ گئی ہے۔ ۲۰۱ھ میں اُس نے بڑی قوت حاصل کی اور اسلامی سلطنت کے زوال کے درپے ہوا۔ ۲۰۶ھ میں عیسیٰ (گورنر آذربایجان و آرمینیہ) اُسکے مقابلے پر مامور ہوا۔ مگر شکست کھائی۔ ۲۰۹ھ میں احمد اسکافی نے حملہ کیا۔ مگر بابک کی فوج نے زندہ گرفتار کر لیا۔ ۲۱۴ھ میں محمد جس نے زریق کی پرزور بغاوت کا خاتمہ کر دیا تھا بڑے ساز و سامان سے روانہ ہوا۔ اور

بڑے بڑے میدان اور دشوار گذار گھاٹیاں طے کرتا ہوا بابک کی مستقر حکومت تک پہنچ گیا ہشتادسر کے آگے پہاڑوں کا ایک بڑا وسیع سلسلہ ہے۔ بابک نے یہیں ایک محفوظ اور بلند موقع پر اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا تھا۔ محمد نے بڑی ترتیب سے فوج کو اوپر چڑھایا قلب فوج پر ابوسعید اور میمنہ و میسرہ پر سعدی و عباس کو متعین کیا خود عقب میں رہا کہ ہر طرف سے دیکھ بھال رکھے۔ بابک نے پہلے سے کچھ فوج کمینگاہوں میں بٹھا رکھی تھی۔ محمد کی فوج قریباً تین فرسنگ تک اوپر چڑھتی چلی گئی۔ بابک کا صدر مقام بالکل قریب آگیا تھا کہ دفعۃً اُسکے رسالے کمینگاہوں سے نکل کر محمد کی فوج پر ٹوٹ پڑے اُدھر خود بابک بھی ایک جماعت کثیر لے کر بڑھا۔ محمد کا لشکر دونو طرف سے بیچ میں آگیا اور سخت ابتری پڑگئی۔ ابوسعید اور محمد نے بہت کچھ سنبھالا مگر فوج نہ سنبھل سکی محمد تنہا رہ گیا۔ اور چونکہ لڑائی کے مرکز سے دور پڑ گیا تھا۔ چاہا کہ کسی طرف نکل جائے اس ارادے سے چند قدم چلا تھا کہ سامنے شاہی فوج نظر آئی جس کو بابک کی فوجیں پامال کئے دیتی تھیں۔ محمد فطری شجاعت کا جوش ضبط نہ کرسکا اور الٹا پھرا۔ ایک بہادر افسر بھی اُسکے ساتھ تھا۔ دونوں بابک پر حملہ آور ہوئے۔ اور نہائت جانبازی کے ساتھ لڑکر مارے گئے +

مامون الرشید ۲۱۸ھ تک زندہ رہا۔ مگر اُس کی زندگی تک بابک کا فتنہ فرو نہ ہوا[۹۱] معتصم باللہ کے عہد خلافت کا یہ ایک مشہور اور یادگار واقعہ گنا جاتا ہے کہ اسکے سردارون نے متعدد پُرخطر لڑائیوں کے بعد بابک کو زندہ گرفتار کیا +

فتوحات ملکی[۹۲]

اگرچہ مامون کا عہد حکومت شروع ہی سے خانہ جنگیوں اور بغاوتوں میں اُلجھا رہا۔ تاہم

---

[۹۱] بابک کا ظہور ۲۰۱ھ میں ہوا۔ اور اس لحاظ سے مناسب تھا کہ یہ عنوان بابک کی بغاوت۔ اسی سنہ کے واقعات کے ساتھ لکھا جاتا۔ لیکن چونکہ اُسکی بغاوت کا سلسلہ مامون کی وفات کے ساتھ بھی ختم نہیں ہوا۔ میں نے اسکو آخر ہی میں لکھنا مناسب خیال کیا ۱۲

[۹۲] عموماً مورخین نے مامون کی فتوحات کو اور خلفا کی فتوحات کی طرح بقیہ بر صفحہ ۸۳

اُس کے وسیع حوصلوں نے فتوحات اسلامی کا دائرہ تنگ نہیں ہونے دیا۔ صحابہ۔ اور بنی امیہ کی سی عظیم فتوحات تو دولت عباسیہ کی تاریخ میں سرے سے ناپید ہیں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اس میدان میں مامون اپنے ناموراسلاف ہارون الرشید۔ منصور۔ مہدی سے کچھ پیچھے نہیں ہے۔ بنو امیہ کے قبضہ میں صرف تلوار تھی۔ بخلاف اسکے دولت عباسیہ کے ہاتھ میں قلم بھی تھا۔ اس لحاظ سے اگر اس خاندان کی ملکی فتوحات زیادہ وسیع نہوں تو نہ کچھ تعجب ہو سکتا ہے نہ ہم اس پر کوئی الزام عاید کر سکتے ہیں +

عباسیوں کو جس چیز نے دنیا کی تاریخ میں زیادہ نامور کر دیا وہ اُنکے قلم کی فتوحات ہیں جس کا اقرار ایشیا یورپ دونوں کو ہے۔ اور جس کی وجہ سے یورپ کی اُستادی کا مردہ فخر آج بھی مسلمانوں کے دماغ کو مختل رکھتا ہے۔ سنہ ۱۹۷ھ میں مامون کی اکثر فوجیں گو بغداد کے محاصرے میں مصروف تھیں تاہم ممالک مشرقیہ میں اسکی عظمت کا اثر کامیابی کے ساتھ پھیلتا جاتا تھا۔ کابل پر فوجیں بھیجیں۔ والی کابل اسلام لایا اور تاج و تخت نذر بھیجا۔ یہ بھی درخواست کی کہ کابل و قندھار دارالخلافت خراسان کے اضلاع میں داخل کر لئے جائیں اس سے پہلے بھی اسلامی فتوحات کا سیلاب ان کوہستانوں کے بلند مقامات سے گزر گیا تھا۔ لیکن یہ فخر مامون ہی کی قسمت میں تھا کہ اُسکے عہد میں والی کابل اسلام لایا قندھار۔ غزنین وغیرہ سے بت پرستی قریبًا معدوم ہوگئی۔ اور یہ ممالک ہمیشہ کے لئے علم اسلام کے سایہ میں آ گئے۔ سینکڑوں۔ ہزاروں مسجدیں تعمیر ہو گئیں اور توحید کی خالص آواز سے دشت و جبل گونج اُٹھے۔ سندھ ایک مدت ممالک اسلامیہ میں داخل تھا منصور عباسی کے زمانہ میں اُسکے عامل۔ نے یہاں ایک شہر بھی آباد کرایا تھا جس کا نام **منصورہ** رکھا تھا۔ سندھ کے گورنر ہمیشہ اپنا صدر مقام اُسی کو اختیار کرتے رہے۔

بقیہ صفحہ ۸۲ - مختلف سنوں کے ذیل میں لکھا ہے جسکی وجہ سے نہایت متفرق اور پریشان ہو گئے ہیں۔ صرف علامہ ابن خلدون نے عمومًا ہر خلیفہ کی فتوحات کو ایک جگہ سمیٹ کر لکھا ہے۔ اور میں نے اُسکی تقلید کی ہے +

مامون کے عہد میں موسیٰ بن یحییٰ برمکی وہاں کا گورنر مقرر ہوا۔ اور ایک مشرقی رئیس پر فتح حاصل کی (فتوح البلدان صفحہ ۴۴۵) فضل بن ہامان نے سندان فتح کیا۔ اور ایک ہاتھی مامون کی خدمت میں بھیجا۔ جو اہل عرب کیلئے ایک نادر تحفہ خیال کیا جاتا تھا فضل کے بیٹے محمد نے ستر جہاز تیار کئے اور میتد[۵۱] ہند پر چڑھائی کی۔ دشمنوں کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ اور قالری فتح ہوا۔ (افسوس ہے کہ ان مقامات کے اصلی نام ہم معلوم نہ کر سکے۔ اسلئے معرب نام پر اکتفا کی) اسی زمانہ میں ذوالریاستین کشمیر و تبت کی طرف بڑھا۔ بوخاں دراور پر قبضہ کر لیا گیا۔ والی ترک بھی محفوظ نہ رہے۔ فاداب یشاغر۔ اطراز وغیرہ پر علم اسلام نصب ہوا۔ جیغویہ۔ خزلجی (فرمانروائے ترک) کی اولاد اور حرمیں گرفتار ہوئیں۔ اور فرغانہ پر سبز پھریرے[۵۲] لہرائے گئے۔ اشروستہ جو ایک مستقل حکومت ہے۔ کاؤس وہاں کا فرمانروا اسلام لایا۔ اس کی ابتدا اسطرح ہوئی کہ کاؤس کا چھوٹا بیٹا حیدر[۵۳] ایک فوجی افسر سے ناراض ہوا اور اسکو قتل کرا دیا۔ یہ افسر معزز رتبہ کا آدمی تھا۔ اور کاؤس نے اپنے بڑے بیٹے کی شادی اسکی لڑکی سے کی تھی۔ حیدر نے باپ کے خوف سے شہر چھوڑ دیا۔ اور مامون کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ تھوڑی سی فوج اشروسنہ کی فتح کے لئے کافی ہے۔ مامون نے احمد بن ابی خالد کو ایک بڑا لشکر دے کر روانہ کیا۔ کاؤس نے یہ خبر سنی تو اپنے بڑے

۵۱ اردو کی بعض کم رتبہ تاریخوں میں لکھا ہے کہ مامون نے خاص ہندوستان پر بھی حملہ کیا۔ اور متعدد روائیوں میں راجپوتوں سے شکست کھا کر واپس گیا مگر کسی معتمد تاریخ میں اسکا ذکر نہیں ہے فتوح البلدان میں صرف اسقدر لکھا ہے کہ فضل بن ہامان نے سندان کو فتح کیا۔ اور مامون کی خدمت میں ایک ہاتھی بطور یادگار فتح روانہ کیا اُس نے سندان میں ایک جامع مسجد بنوائی (دیکھو کتاب مذکورہ صفحہ ۲۴۶) لیکن یہ امر خود مشتبہ ہے کہ سندان کہاں ہے اور اب کس نام سے پکارا جاتا ہے۔ یاقوت حموی نے معقول طریقہ سے ایک مصنف کے اس خیال کو رد کیا ہے کہ وہ ہندوستان کا شہر ہے۔ یاقوت نے اُسکو سندھ کے حدود کے قریب خیال کیا ہے + سندان کہیں ہو مگر راجپوتوں سے شکست کھانا شاید نئی گڑھت ہے۔ گو ایک ہندو مصنف نے اپنی برائے نام تاریخ میں اُسکا تذکرہ علانیہ کیا ہے + ۵۲ اسوقت تک مامون الرشید کی فوج کا لباس اور پھریرے فاطمیوں کی طرح سبز رنگ کے ہوتے تھے + ۵۳ غالباً یہ نام اسلام کے بعد کا ہوگا +

بیٹے کو ترک بادشاہوں کے پاس بھیجا کہ اشروسنہ کو اسلام کے غارتگروں سے بچائیں۔ ترکوں نے ایک جمعیت اعظم ساتھ کر دی۔ مگر اسلامی فوجوں نے اُسکے پہنچنے سے پہلے اشروسنہ کا فیصلہ کر دیا۔ کاؤس بغداد چلا گیا۔ اور اسلام لایا۔ جس کے صلے میں مامون نے اُسکی حکومت قائم رکھی[۵۱]۔ تبت کے رئیسوں میں سے بھی ایک والی ملک اسلام لایا۔ وہ ایک بت کی پرستش کیا کرتا تھا۔ جس کی ظاہری صورت سے ایک عجیب اوج و شان کا اظہار ہوتا تھا۔ سر پہ سونے کا تاج تھا۔ جس میں نہایت بیش قیمت زمرد و یاقوت لگے تھے۔ ایک تخت سیمیں جلوس کے لئے تھا۔ اور اُس پر ہر وقت دیبا کا فرش بچھا رہتا۔ بادشاہ تبت جب اسلام لایا۔ تو بت اور تخت دونو مامون کے پاس بھیج دیئے۔ اور نامہ لکھا کہ میں فلاں ابن فلاں حلقۂ اسلام میں داخل ہوا۔ اور بت کے تخت کو جو میری گمراہی کا ایک ذریعہ تھا کعبہ پہ نذر چڑھانے کے لئے بھیجتا ہوں۔ نصیر بن ابراہیم عجمی ۲۰۱ھ میں اس تخت کو لے کر مکہ معظمہ پہنچا۔ اور حکم دیا کہ صفا مروہ کی گذرگاہ عام میں رکھا جائے۔ تین دن تک ایک شخص صبح و شام دونو وقت تخت پر کھڑا ہو کر بآواز بلند کہتا تھا۔ کہ فرمانروائے تبت اسلام لایا۔ اور یہ اُسکے پہلے معبود کا تخت ہے۔ عامۂ مسلمانوں کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ اُسکو اسلام کی توفیق دی[۵۲]۔ اسی سن میں عبداللہ بن خردازبہ گورنر طبرستان نے دیلم پر چڑھائی کی۔ بڑے بڑے مشہور اضلاع فتح کئے۔ والی دیلم جس کا نام ابولیلی تھا زندہ گرفتار ہوا۔ طبرستان اگرچہ مدت سے ممالک اسلامیہ میں محسوب

---

[۵۱] فتوح البلدان صفحہ ۴۳۰ میں یہ پوری تفصیل مرقوم ہے۔

[۵۲] یہ تمام حالات اُن فرامین سے اخذ کئے ہیں جو مامون نے اس تخت و تاج کے کعبہ پہ چڑھائے جانے کی نسبت لکھے تھے۔ تاج کے ساتھ یہ فرامین بھی کعبہ پہ آویزاں کئے گئے اور قریباً ۲۸۲ھ تک بعینہا کعبہ میں محفوظ تھے علامہ ازرقی نے ان فرامین کو خود دیکھا تھا۔ اور تاریخ مکہ میں انکی پوری عبارت نقل کی ہے۔ (دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۱۵۷) ان فرامین میں کشمیر بلاد ترک کے فتوحات کا بھی مجمل تذکرہ ہے۔ جیسا کہ میں نے اس موقع پر لکھا ہے۔ افسوس ہے کہ اور کسی مورخ نے یہ واقعات نہیں نقل کئے۔ فتوح البلدان میں صرف اسقدر ہے کہ مامون کے عہد میں بادشاہ کابل اسلام لایا ۱۲

ہوتا تھا لیکن پہاڑسی آبادیاں ابتک شہریار و مازیار کے قبضہ حکومت میں تھیں۔ جو مجوسی النسل و مجوسی المذہب تھے۔ عبداللہ ان اضلاع پر بڑھا۔ شہریار و مازیار دونو نے اطاعت قبول کی۔ مازیار مامون کی خدمت میں روانہ کیا گیا کہ فتح کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا۔ ابو دلف نے بھی دیلم کے چند مشہور قلعے مثلاً اقلیم۔ بوج۔ ابلام۔ انداق۔ فتح کئے۔ مامون نے یورپ میں بھی نامور فتوحات کی یادگاریں قائم کیں۔ جزیرہ کریٹ کو جو بحر الغرب میں واقع ہے اور جس کا دور ۳۶۰ میل سے کم نہیں ہے۔ ابو حفص اندلسی (مامون کا ایک فوجی افسر تھا) نے اس طرح فتح کیا کہ پہلے ایک قلعہ پر قبضہ کیا۔ اور وہیں پر برسوں تک مقیم رہا۔ پھر بتدریج فتوحات حاصل کرتا گیا۔ یہاں تک کہ ۲۱۰ھ میں پورا جزیرہ تسخیر کر لیا گیا۔[۱]

جزیرہ صقلیہ (سسلی)[۲] کی فتح ۲۱۲ھ

یہ فتح مامون کے عہد کی نامور یادگار ہے۔ ۲۱۲ھ میں میکل شہنشاہ روم نے جسکا نام عربی مورخ میخائیل لکھتے ہیں قسطنطین کو سسلی کا گورنر مقرر کیا تھا قسطنطین نے فیمی نام ایک شخص کو امیر البحری کی خدمت دی۔ فیمی ایک مشہور بہادر تھا۔ اُس نے افریقہ کے سواحل پر فتوحات

---

[۱] اکثر عربی مورخوں نے اس فتح کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ گبن صاحب نے سچ لکھا کہ دو مسلمان مورخوں نے جو پیئراد مانس کی شرارت سے ناواقف تھے جزیرہ کریٹ کی فتح کو حقیر سمجھا ہے مگر رومی مورخوں نے اس سے چشم پوشی نہیں کی عربی تاریخوں میں سے میں نے اس فتح کا تذکرہ صرف فتوح البلدان میں دیکھا ہے اور یہ اجمالی حالات اُسی سے نقل کئے ہیں۔

[۲] سسلی کی فتح کا حال علاوہ عربی تاریخوں کے میں نے گبن صاحب کی رومن امپائر سے بھی لیا ہے۔ خصوصاً فیمی سے شاہنشاہ روم کی ناراضی کی وجہ اور اسلامی بیڑہ جہازات کی تفصیل صرف گبن صاحب کے حوالہ پر میں نے لکھی ہے۔ جزیرہ سسلی قریباً دس ہزار میل مربع ہے سات ضلعوں میں منقسم ہے جنکے نام ہم ذیل لکھتے ہیں۔ جن شہروں کے نام ہم نے اصل کتاب میں لکھے ہیں۔ وہ معرب نام ہیں ذیل کی تصریح سے اُنکے نام معلوم ہونگے ؎

بلرم۔ سینا۔ قطانیہ۔ سرقوسہ۔ جرجنت۔ کلتانیتا۔ تریسینی

یہ جزیرہ جب مسلمانوں کے ہاتھ میں آیا۔ تو اسکی آبادی میں اسلامی نسلیں نہایت کثرت سے پھیل گئیں۔ زمانہ کا انقلاب دیکھو کہ جب ابن حوقل جو بغداد کا مشہور تاجر تھا۔ اس جزیرہ میں پہنچا تو خاص پلرمو میں ایک تیر کے فاصلہ پر دس مسجدیں دیکھیں (دیکھو معجم البلدان حالات صقلیہ) اور اب اس جزیرہ میں ایک شخص محمد کے نام کا ادب کرنیوالا نہیں۔

نمایاں حاصل کیں۔ لیکن اس جرم پر کہ ایک پارسا عورت کو عبادت گاہ سے بھگا لایا شہنشاہ نے حکم بھیجا کہ اُسکی زبان کاٹ ڈالیں۔ فیمی اس وحشیانہ سزا کا متحمل نہ ہؤا اور علانیہ بغاوت ظاہر کی جزیرہ کے ایک مشہور شہر سرقوسہ پر قبضہ کرلیا اور اپنی قوت کو ترقی دیتا گیا قسطنطین نے سرقوسہ پر حملہ کیا۔ مگر شکست کھائی اور قسطانیہ میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ فیمی نے قسطانیہ پر چڑھائی کی قسطنطین گرفتار ہؤا اور مار ڈالا گیا۔ اب تمام جزیرہ میں فیمی کی مستقل حکومت قائم ہوگئی۔ سرقوسہ کو پایہ تخت قرار دیا اور اضلاع میں عمال و نائب مقرر کر کے بھیجے۔ دشمنوں میں سے کوئی شخص اُسکا حریف مقابل نہ تھا۔ مگر بدقسمتی سے خود اُسکا ایک عزیز جس کا نام بلاطہ تھا۔ مخالف ہوگیا۔ اور اپنے بھائی کی مدد سے سرقوسہ پر حملہ آور ہؤا فیمی نے شکست فاش کھائی اور مجبور ہو کر زیادۃ اللہ کو جو مامون کی طرف سے افریقہ کا گورنر تھا۔ خط لکھا کہ اسلامی فوج اس موقع پر اگر میری آبرو رکھ لے تو اُسکے صلے میں سسلی کا جزیرہ نذر کرتا ہوں۔ زیادۃ اللہ نے ربیع الاول ۲۱۲ھ میں سو جنگی جہاز جن میں سات سو سوار اور دس ہزار پیادے تھے فیمی کی اعانت کو بھیجے۔ فوج کے سپہ سالار اسد بن فرات تھے۔ جو مشہور محدث اور امام مالک کے شاگرد رشید تھے سسلی پہنچکر اسلامی فوج نے جسکی طرف رخ کیا وہ بلاطہ تھا جس نے فیمی کو شکست دیکر سرقوسہ سے نکال دیا تھا۔ دونو فوجیں نہایت جوش سے ایک دوسری پر حملہ آور ہوئیں۔ فیمی اس معرکہ میں موجود تھا۔ مگر مسلمانوں نے اس خیال سے اُسکو الگ کر دیا کہ جس فتح میں غیر قوم کا کوئی شخص شریک ہو وہ فخر کا مستحق نہیں جنگ کا خاتمہ بلاطہ کی شکست پر ہؤا۔ اب اسد کی فتوحات کا کوئی سد راہ نہیں رہا۔ جس طرف گذرا فتح و ظفر نے خود آگے بڑھکر اُس کا استقبال کیا۔ اس جزیرہ میں کراث ایک مشہور قلعہ تھا اور چونکہ اسد کے ڈر سے جزیرے والے اکثر ہر طرف سے آکر وہاں جمع ہوگئے تھے وہ ایک محفوظ مقام بن گیا تھا۔ اسد نے اُس پر حملہ کرنا چاہا۔ مگر قلعہ والوں نے فریب سے یہ ظاہر کیا۔ کہ ہم خود جزیہ دینے پر راضی ہیں۔ ادھر فیمی نے مخفی طور سے اہل قلعہ کو لکھا کہ مسلمان قبضہ نہ کرنے پائیں۔ اسد نے جزیہ قبول کیا اور اُنکی یہ شرط بھی منظور کر لی کہ اسلامی فوج قلعہ کی حد سے

دور ٹھیرے گی۔ فرصت پاکر اہل قلعہ نے پوری قوت سے جنگ کے سامان بہم پہنچائے اور جزیہ دینے سے انکار کر دیا۔ اسد نے بڑے جوش سے دشمن کا پیغام سُنا اور دفعۃً تمام جزیرے میں فوجیں پھیلا دیں۔ سرقوسہ کا ہر طرف سے محاصرہ کر لیا۔ عین موقع پر افریقہ سے امدادی لشکر بھی پہنچ گیا۔ اور قریب تھا کہ اس شہر پر اسلامی پھریرا اُڑایا جائے۔ لیکن بلاطہ کا بھائی میکل ایک فوج کثیر کے ساتھ آ پہنچا۔ اور اسلامی فوج خود محاصرے میں آگئی۔ اسد نے حفاظت کے لئے خندق طیار کرائی اور اُس سے کچھ فاصلے پر بہت سے گڑھے کھدوائے اور اُن پر گھانس پھونس بچھوا دی۔ میکل کی فوج نے بڑے جوش سے حملہ کیا۔ مگر جسقدر آگے بڑھی اپنی ہی لاشوں سے گڑھوں کو بھرتی گئی۔ یہ مہم تو سر ہوئی۔ لیکن ۲۱۳ھ میں ایک عام وبا پھیلی اور اسلامی فوج کا بڑا حصہ تباہ ہو گیا۔ سپہ سالار اسد بھی بیمار ہؤا اور مر گیا۔ رہی سہی فوج کی کمان محمد بن ابی الجواری نے لی۔ اسی اثناء میں قسطنطنیہ سے بادشاہ روم کا جنگی جہاز پہنچا۔ مسلمانوں نے سسلی سے ہاتھ اُٹھایا اور چاہا کہ افریقہ کو واپس چلے جائیں لیکن رومی فوجوں نے تمام راستے روک لئے۔ مایوسی نے مسلمانوں کو مرنے پر آمادہ کیا۔ اُنہوں نے اپنے جہازات خود جلا دیئے اور جانبازی کے ساتھ تمام جزیرہ میں پھیل پڑے۔ مینا کا محاصرہ کیا اور تین دن میں قلعہ چھین لیا۔ جرجنت پر بھی خفیف مقابلے کے بعد قابض ہو گئے۔ قصریانہ کا محاصرہ ہؤا۔ اس معرکہ میں فیمی بھی مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ قصریانہ والوں نے فیمی سے اپنی قدیم اطاعت کا اظہار کیا اور کہا کہ تخت حکومت حضور کا منتظر ہے۔ فیمی اس فریب میں آگیا۔ اور آخر اُن کے ہاتھ سے قتل ہؤا۔ اسی اثناء میں روم سے ایک بیشمار لشکر پہنچا۔ اور قصریانہ والوں کا مددگار ہؤا۔ تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ رومی فوج زیادہ تر برباد ہوئی اور جس قدر رہ گئی وہ قصریانہ میں محصور ہوئی۔ ان متواتر فتوحات نے مسلمانوں کے حوصلے اور جوش انتقام دونوں کو اعتدال سے بڑھا دیا۔ فتوحات کی بجائے غارتگری پر جھکے۔ فوج کے متعدد ٹکڑے

ہوئے اور جس نے جدہر موقع پایا لوٹ مار شروع کی رومیوں نے یہ دیکھکر کہ اُنکی طاقت یکجائی نہیں رہی۔ ہر طرف اُن پر حملے کئے اور پے در پے شکستیں دیں۔ ایک لڑائی میں اسلامی فوج کے کم و بیش ہزار سوار و پیادے کام آئے۔ اب رومیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور رسد تک بند کر دی۔ مسلمانوں نے چاہا کہ شبخون مار کر نکل جائیں۔ مگر ناکامی ہوئی۔ رومی پہلے خبر پا چکے تھے۔ اور اپنے خیموں کو چھوڑ کر اِدہر اُدہر پھیل گئے تھے۔ مسلمان اُن کے پڑاؤ تک پہنچے تو خیمے بالکل خالی پائے۔ واپس آنا چاہا تو رومیوں کے حصار میں تھے۔ مجبور ہو کر لڑنا پڑا۔ مگر اکثر قتل ہوئے اور جو بچ رہے۔ وہ بھاگ کر مینا میں محصور ہوئے۔ لیکن اسی سختی سے دن گذر رہے کہ کتا بلی تک مار کر کھا گئے۔ اس مایوسی میں ایک غیبی مدد نے انکو مرنے سے بچا لیا۔ اسپین کے اسلامی جہازات ہمیشہ نئے جزیروں اور نو آبادیوں کی تلاش میں سمندر کے ہر حصہ میں پھرتے رہتے تھے۔ اتفاق سے ایک بیڑا جہازات اِدہر آنکلا۔ ساتھ ہی افریقہ سے بھی بہت سے جنگی جہاز مدد کو آگئے۔ ان سب جہازوں کا شمار قریبًا تین سو تھا۔ رومیوں نے فتح کا خیال چھوڑ دیا اور محاصرہ سے دست بردار ہو گئے۔ مسلمان محاصرہ سے چھوٹے تو انتقام کے جوش میں لبریز تھے۔ شہر بلرم اُنکے حملوں کا پہلا آماجگاہ ہوا۔ اور ۲۱۶ھ میں بالکل فتح کر لیا گیا۔ ۲۱۹ھ میں اور اُسکے بعد سسلی کے بڑے بڑے شہر فتح ہوئے۔ مگر چونکہ مامون کی تاریخ زندگی اس سن سے پہلے ختم ہو گئی۔ ہم ان فتوحات کا ذکر نہیں کرتے ✦

روم پر حملے[1]

یہ حملے اس لحاظ سے زیادہ دلچسپی کے قابل ہیں کہ ان میں مامون خود بذات خاص شریک تھا اور سچ یہ ہے کہ اگر ان لڑائیوں میں اُسکی دلیری شجاعت کے جوہر ظاہر نہ ہوتے۔ تو وہ

---

[1] یاد رکھنا چاہئے کہ عربی قدیم مورخ روم کے لفظ سے ایشیائے کوچک مراد لیتے ہیں یہاں بھی یہی مقصود ہے۔ جن شہروں کے نام ان فتوحات میں لئے گئے ہیں اُنکو ایشیائے کوچک کے جغرافیہ میں ڈھونڈنا چاہئے۔ ناظرین اگر اس نکتہ سے واقف نہ ہونگے تو اٹلی یا قسطنطنیہ کی خاک چھانتے پھریں گے کیونکہ اب روم کے لفظ سے یہی معنے مراد لیتے ہیں ۱۲

مورخین کے قلم سے۔ صرف شاعر یا صاحب القلم کا لقب پاتا۔ ان فتوحات کی سند پر علم مورخین مان گئے ہیں کہ وہ تیغ و قلم دونو کا مالک تھا۔

جمادی الاولیٰ ۲۱۵ھ میں روم پر حملہ ہوا۔ روم کی سرحد کے قریب پہنچا تو بادشاہ روم کے قاصد صلح کی درخواست لے کر آئے اور یہ شرطیں پیش کیں:-

(۱) دار الخلافہ سے یہاں تک آنے میں جو کچھ صرف ہوا ہے ہم ادا کریں گے۔

(۲) جسقدر مسلمان ہمارے ملک میں مدتوں سے قید ہیں بغیر کسی عوض کے سب رہا کر دیئے جائینگے

(۳) اسلامی شہروں میں سے جو شہر روم کے اگلے حملوں میں برباد ہوئے ہیں ہم اپنے صرف سے اُنکی مرمت کر دیں گے۔ ان تین شرطوں میں سے جو پسند ہو ہم اُس پر راضی ہیں جس کے عوض میں ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ دار الخلافہ کو واپس جائیں"۔ مامون نے دو رکعت نماز پڑھی اور خود دیر تک سوچتا رہا کہ کون پہلو اختیار کرے۔ مگر اُسکی بلند حوصلگی نے یہی رائے دی کہ یہ سب شرطیں فتح سے کم قیمت ہیں۔ اُس نے قاصدوں کو بلاکر کہا "پہلی شرط کی نسبت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح تم سے کہتا ہوں۔ کہ تم اپنا تحفہ اپنے پاس رکھو" دوسری شرط بھی بے سود ہے۔ کیونکہ جو مسلمان تمہارے ہاں قید ہیں اگر وہ دین کیلئے لڑنے گئے تھے تو قید اُنکے لئے مایۂ فخر ہے۔ اور اگر ان کا قصد دنیا حاصل کرنا تھا تو وہ قید ہی کے مستحق ہیں۔ تیسری شرط بھی منظور نہیں کر سکتا۔ قید ہوتے وقت جس مسلمان عورت نے ہائے محمدؐ! کہکر پکارا ہوگا۔ میں اُسکی اس دردناک آواز کو روم کے بڑے سے بڑے قلعہ کے عوض میں بھی نہیں بیچ سکتا[۱]۔

بڑے ساز و سامان سے لڑتا بھڑتا روم کی حدود میں پہنچ گیا۔ قلعہ قرہ کا محاصرہ کیا اور ۲۶۔ جمادی الاولیٰ کو فتح کے بعد برباد کر دیا۔ قلعہ ماجدہ کے لوگوں نے خود اطاعت قبول کی۔ قلعہ سنان لڑ کر فتح ہوا۔ اشناس اپنے غلام کو قلعہ سندس پر بھیجا جو فتح کے ساتھ

---

[۱] یہ واقعہ تفصیل صرف مروج الذہب مسعودی سے لی گئی ہے ۱۲

مالک قلعہ کو بھی گرفتار کر کے ساتھ لایا۔ اسی طرح عجیف وجعفر نے جو مامون کے ممتاز افسروں میں سے تھے قلعہ سنا دیر فتح کے پھریرے اُڑا دیئے +

مامون اتنی کامیابیوں کے ساتھ دمشق کو واپس آیا۔ مگر ۲۱۶ھ میں یہ خبر سنکر بادشاہ روم نے طرطوس و مصیصہ پہنچکر نہایت بیرحمی سے دو ہزار مسلمان قتل کرا دیئے۔ بڑے جوش اور غصہ کے ساتھ پھر روم پر چڑھائی کی۔ خود ہر قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اور عباس اپنے بیٹے اور ابو اسحٰق معتصم اپنے بھائی سے کہا کہ تمہارے حوصلوں اور بہادری کیلئے۔ دشمن کا ملک وسیع جولانگاہ ہے۔ فتوحات کیلئے جسقدر ملک چاہو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے "

ابو اسحٰق نے کم و بیش تیس نامور قلعے فتح کئے۔ جن میں خرونلہ نہایت مشہور اور نامی قلعہ تھا اور بارہ قلعوں پر مشتمل تھا۔ ابو اسحٰق نے اس قلعہ کو بالکل برباد کر دیا۔ اور آگ لگا دی۔ عباس الطیفو۔ قلعہ احرب قلعہ حصین کو فتح کرتا ہوا خود بادشاہ روم پر حملہ آور ہوا۔ اور نہایت سخت پرخطر جنگ کے بعد حریف کو شکست فاش دیکر بے شمار غنیمت کے ساتھ واپس آیا +

۲۱۷ھ میں بادشاہ روم نے صلح کی درخواست کی۔ مگر اتنی گستاخی پر کہ خط میں اپنا نام پہلے لکھا تھا۔ ماموں غصہ سے بے تاب ہوگیا۔ اور انتقام کے فراموش شدہ حوصلے پھر تازہ ہوگئے۔ بڑے ساز و سامان سے روانہ ہوا۔ ممالک محروسہ میں فرامین بھیجے کہ ہر شہر سے اسلام کے حوصلہ مند جہاد پر کمربستہ ہوں اور روم کی طرف رُخ کریں +

اس زمانہ میں روم کا سب سے نامی قلعہ لولوہ تھا۔ جو ہر قلعہ کی گذشتہ عظمت کا ہمسر گنا جاتا تھا۔ مامون نے پہلے اُسکا محاصرہ کیا اور جب متواتر حملوں کے بعد کچھ کامیابی نہ حاصل ہوئی تو حکم دیا کہ قلعہ کے سامنے کچھ دور ہٹ کر دو نئے قلعے طیار کئے جائیں۔ غیر ملک میں اس حکم کی فوراً تعمیل ہونے سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسلامی فوج اپنے پاس کیا سر و سامان رکھتی ہوگی ان دونوں قلعوں میں سے ایک پر جبلہ اور دوسرے پر ابو اسحٰق معتصم کو متعین کیا اور عام افسری عجیف کو دی۔ خود ایک دوسرے قلعہ کے فتح کرنے کو بڑھا جس کا نام سلغوس تھا

عجیف دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوگیا۔ اور پورے ایک مہینہ اس عذاب میں گرفتار رہا +
بادشاہ روم خود قلعہ لولوۃ تک آیا مگر جیلہ وابو اسحٰق اپنے قلعوں سے نکلکر نہایت دلیری سے مقابل ہوئے۔ اور شاہ روم کے فوجی سامان بالکل لوٹ لئے۔ لولوۃ والے یہ دیکھکر خود اُنکا بڑا شہنشاہ اسلامی تلواروں کے سامنے نہ ٹھیر سکا۔ ہمت ہار گئے۔ اور عجیف کو اس درخواست کے ساتھ رہا کردیا کہ ہم کو تمہارے صدقے میں امن ملجائے۔ مامون نے اُنکی درخواست قبول کی۔ اور یادگار فتح کے طور پر وہاں بہت سے مسلمان آباد کرائے +
حدود روم کے قریب طوانہ جو ایک معمولی قصبہ تھا۔ ۲۱۸ھ میں مامون نے حکم دیا۔ کہ وہاں ایک شہر بسایا جاوے +
شہزادہ عباس تعمیر پر مامور ہوا۔ شہر سے تین فرسنگ کے فاصلہ پر شہر پناہ تیار کی گئی جس میں صدر دروازہ چار تھے۔ اور ہر دروازہ پر ایک مستحکم قلعہ تھا +
فرامین صادر ہوئے کہ ہر شہر سے ایک خاص تعداد یہاں آباد ہونے کے لئے بھیجی جائے[۵۱] جن کی تنخواہیں اس شرح سے مقرر ہوئیں۔ سوار ۱۰۰ سو درہم۔ پیادہ ۴۰ چالیس درہم +

مامون کی وفات۔ ۱۸ رجب ۲۱۸ھ

اسوقت مامون نے زندگی کے کل ۴۸ مرحلے طے کئے ہیں۔ مامون کا ابتدائی زمانہ زیادہ تر بغاوتوں اور خانہ جنگیوں کی نذر ہوگیا۔ ان جھگڑوں سے نجات پاکر عنانِ سلطنت اُس نے خاص اپنے ہاتھ میں لی۔ اور یہی وہ وقت تھا کہ وہ اپنے حوصلوں کو پوری آزادی دیتا اور وہ کر دکھاتا جو اسلام کے گذشتہ ناموروں نے کر دکھایا تھا۔ بلاد روم کے حملے اُسکی بہادری کی ابتدائی بازیگاہ ہیں تاہم اس میدان میں وہ اپنے اسلاف سے ایک قدم پیچھے نہیں ہے۔ یادگار فتوحات حاصل کرنے پر بھی اب تک وہ اُنہیں اطراف میں موجود ہے۔ اور شاید اس خواہش میں سرگرم ہے کہ شہنشاہ روم کی قوت

---

[۵۱] مامون کے فتوحات گو ابن خلدون۔ ابوالفدا۔ ابن الاثیر سب نے کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں۔ لیکن میرا خاص ماخذ عیون الحدائق ہے۔ جس کے بیان میں وہ تفصیل کے ساتھ واقعات کا تسلسل اور حسن اتساق عموماً دوسروں سے بڑھا ہوا ہے ؎

کا بالکل استیصال کر دے۔ خاص قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کا وہ قطعی ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن زمانے نے کس کی سب آرزوئیں پوری ہونے دی ہیں۔ بہت سے پر فخر خیالات اُسکے دل میں پھر رہے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ موت نے یہ پیغام سُنا کر سب کو مٹا دیا کہ "اب میری حکومت ہے"

ایک دن وہ اپنے بھائی معتصم کیساتھ نہر بذندون کی سیر کو نکلا۔ پانی نہایت صاف تھا۔ اور چلتی ہوئی لہروں کی حرکت عجیب دلفریب سماں دکھا رہی تھی۔ مامون و معتصم دونو ایک کنارے زمین پر بیٹھ گئے۔ اور پانی میں پاؤں لٹکا دیئے۔ سعد قاری۔ مامون کا خاص ندیم بھی اس موقع پر موجود تھا۔ مامون نے اُسکی طرف مخاطب ہو کے کہا "کیوں سعد۔ ایسا سرد اور صاف پانی تم نے کبھی دیکھا ہے" (سعد تھوڑا سا پانی پی کر) حقیقت میں بے نظیر ہے" (مامون) اُس پانی پر غذا کیا ہو؟ (سعد) حضور خود اس سوال کا جواب عمدہ دے سکتے ہیں (مامون) اذاذ کی کھجوریں" یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سُنائی دی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ ڈاک ہے۔ اس حُسن اتفاق پر سب کو حیرت ہوئی کہ سرکاری کاغذ کے علاوہ مامون کی فرمایش بھی ڈاک کے ساتھ تھی سب نے بڑے شوق سے کھایا اور نہر کا پانی نوش جان کیا۔ لیکن اُٹھے تو حرارت محسوس ہوئی۔ قیام گاہ پہنچکر ۱۳ جمادی الثانی مامون کو سخت بخار چڑھا۔ اور اسی عارضہ میں انتقال کیا۔ مرنے سے چند روز پہلے جب زیست سے بالکل مایوسی ہو گئی تو تمام ممالک میں فرامین روانہ کیئے۔ جنکا یہ عنوان تھا "امیر المؤمنین مامون اور اُسکے بھائی ابو اسحٰق کی طرف سے شہزادہ عباس بھی اگرچہ اس سفر میں ساتھ تھا۔ اور اگر اُس کو ولیعہدی کا دعوی ہوتا تو ناموزون بھی نہ تھا۔ لیکن مامون کی فیاض دلی محبت پدری پر غالب تھی۔ اُس نے اپنے نامور فرزند کو چھوڑ کر اپنے بھائی ابو اسحٰق کو انتخاب کیا۔ حالانکہ خود ہارون الرشید اپنی زندگی میں اُسکو خلافت کے آیندہ استحقاق سے بالکل محروم کر چکا تھا۔

اس کام سے مامون نے صرف اپنی فیاض دلی نہیں ثابت کی۔ بلکہ یہ انتخاب اُسکے صائب الرائے ہونیکا بھی ایک کافی ثبوت تھا۔ یہی ابو اسحٰق ہے جو معتصم باللہ کے لقب سے مشہور ہے اور

اُسکے عظیم الشان کارناموں کے یاد دلانے کے لئے صرف اُسکا نام لینا کافی ہے۔ ماموں نے مرنے سے ذرا پہلے تمام افسران فوج۔ علما۔ قضاۃ۔ خاندان شاہی کو جمع کیا۔ اور نہایت موثر لفظوں میں وصیت کی۔ جس کا مختصر مضمون یہ ہے:" مجھکو اپنے گناہوں کا اقرار ہے۔ اور بیم وامید دونو مجھپر حاوی ہو رہے ہیں لیکن جب میں خدا کے عفو کا خیال کرتا ہوں۔ تو امید کا پلہ گراں ہو جاتا ہے۔ جب میں مرجاؤں تو مجھکو اچھی طرح سے غسل دو۔ اور وضو کراؤ۔ کفن بھی اچھا ہو۔ پھر خدا کی حمد و ثنا پڑھ کے مجھکو تابوت پر لٹاؤ۔ اور تدفین میں جہانتک ممکن ہو جلدی کرو۔ جو شخص کبیر السن اور رشتہ میں سب سے زیادہ قریب ہو۔ وہ نماز پڑھائے۔ نماز میں تکبیر پانچ بار کہی جائے۔ قبر میں وہ شخص اتارے جو رشتہ میں قریب ہو اور مجھ سے بہت محبت رکھتا ہو۔ قبر میں میرا منہ قبلے کی طرف رہے۔ اور سر اور پاؤں پر سے کفن ہٹا دیا جائے۔ پھر قبر کو برابر کرکے لوگ چلے آئیں۔ اور مجھکو میرے اعمال کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ کیونکہ تم سب لوگ ملکر بھی نہ مجھکو کچھ آرام پہنچا سکتے ہو۔ نہ مجھ سے کوئی تکلیف دفع کرسکتے ہو۔ ہو سکے تو بھلائی سے میرا نام لو۔ ورنہ چپ رہو۔ کیونکہ برا کہنے سے تم پر بھی مواخذہ ہوگا۔ مجھ پر کوئی شخص چلاّ کر نہ روئے۔ شاید میں بھی اُسکے ساتھ مواخذہ میں آؤں +

تعریف کے قابل صرف خدا کی ذات ہے۔ جس نے سب کی قسمت میں مرنا لکھدیا۔ اور بقا میں آپ یگانہ رہا۔ دیکھو۔ میں کس اوج کا تاجدار تھا۔ لیکن حکم الٰہی کے سامنے کچھ زور نہ چل سکا۔ بلکہ حکومت نے میری آیندہ زندگی اور پرخطر کردی۔ اے کاش عبداللہ (ماموں کا اصلی نام ہے) نہ پیدا ہوتا۔ اے ابو اسحٰق میرے سامنے آ۔ اور میرے حال سے عبرت پذیر ہو۔ خدا نے خلافت کا طوق تیری گردن میں ڈالا ہے۔ تجھکو اُس کی طرح رہنا چاہئے۔ جو مواخذہ الٰہی سے ہر وقت ڈرتا رہتا ہے۔ رعایا کی بھلائی کا جو کام پیش آئے۔ اُسکو سب کاموں پر مقدم رکھنا۔ زبردست۔ عاجزوں کو ستانے نہ پائیں ضعیفوں سے ہمیشہ محبت اور آشتی سے پیش آنا۔ جو لوگ تمہارے ساتھ ہیں۔ اُنکی خطاؤں سے اغماض کرنا اور سب کے رونیے اور

تنخواہیں برقرار رہیں"۔ اُسکے بعد اُس نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھی تھیں کہ غش سا آگیا حاضرین میں سے کسی نے کلمۂ توحید کی تلقین کی۔ ایک نصرانی حکیم جس کا نام ابن ماسویہ تھا اسبات پر متعجب ہوا۔ اور حقارت سے کہا کہ اپنی ہدایت رہنے دو۔ اسوقت مامون کے نزدیک خدا اور مانی دونو یکساں ہیں۔ مامون اس آواز سے دفعتہً چونک پڑا۔ اور اس قدر غضبناک ہوا کہ اُسکے تمام اعضا تھرانے لگے۔ چہرہ اور آنکھیں بالکل سرخ ہوگئیں۔ ہاتھ بڑھا کر چاہا کہ ابن ماسویہ کو پکڑ لے اور اس بدگمانی کی پوری سزا دے۔ مگر اعضا قابو میں نہ تھے۔ منہ سے کچھ کہنا چاہا۔ زبان نے یاری نہ دی۔ نہایت حسرت سے آسمان کی طرف دیکھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اسی حالت میں خدا نے اُسکی زبان کھولدی وہ خدا کی طرف مخاطب ہوا اور کہا اے وہ جس کی سلطنت کبھی نہ زائل ہوگی۔ اُس پر رحم کر جس کی سلطنت زائل ہو رہی ہے"۔ اسی فقرہ پر۔ اُسکے نفس واپسیں نے دنیا کو الوداع کہا۔ اور خدا کے سایۂ رحمت میں چلی گئی ع کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ"۔

عباس اور ابواسحق معتصم اُسکا لاشہ طرطوس لے گئے۔ اور خاقان کے مکان میں جو ہارون الرشید کا خادم خاص تھا۔ دفن کیا۔ مورخین اس بات کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ مامون جو باپ کا سب سے زیادہ لاڈلا تھا۔ اُس کی قبر ہارون الرشید کے مدفن سے جو طوس میں ہے بُعدالمشرقین کا فاصلہ رکھتی ہے۔

مامون کا حلیہ

رنگ سفید سرخی مایل تھا۔ آنکھیں بڑی تھیں۔ ڈاڑھی لمبی مگر پتلی تھی۔ پیشانی تنگ اور چہرہ پر ایک تل تھا۔ موزون اندام اور خوش رو تھا۔

مامون کی اولاد ذکور

محمد اکبر۔ محمد اصغر۔ عباس۔ علی۔ حسن۔ اسمٰعیل۔ فضل۔ موسٰی۔ ابراہیم۔ یعقوب۔ حسین۔ سلیمان۔ جعفر۔ اسحق۔ احمد۔ ہارون۔ تیلیثہ۔

تمت

المامون کا دوسرا حصہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

ہماری تاریخ کا پہلا حصہ گو نہایت معتمد اور مستند تاریخوں سے ماخوذ ہے اور اس اعتبار سے وہ اُن تمام تاریخوں کا ایسا جامع انتخاب ہے جس سے بڑھکر نہیں ہو سکتا تاہم وہ مامون کے عہد سلطنت کی یکرخی تصویر ہے جس میں چند معمولی واقعات اور باہمی خانہ جنگیوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ پولٹیکل انتظامات اور قوانین ملکی ایک طرف مامون کے سوشل حالات کا خط و خال بھی اُسمیں دکھائی نہیں دیتا۔ اسلئے ضرور ہے کہ اپنے رہنما مورخوں کے نقش قدم کو چھوڑکر ہم خود دلیل راہ بنیں۔ اور ناظرین کو وہ مرقع دکھائیں جس میں مامون کو جس رنگ میں دیکھنا چاہیں دیکھ سکیں۔ تمام خلفاء و سلاطین کی فہرست میں مامون جامعیت کی حیثیت سے ایک خاص امتیاز رکھتا ہے۔ ادب۔ حدیث۔ فقہ ایام العرب۔ شاعری۔ انساب۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ جس فن کی بزم میں جاوگے وہ صدر نشین نظر آئے گا۔ اُس کی دلیرانہ فتوحات نے دنیا کے ممتاز حصوں میں اپنی نامور۔ اور محسوس یادگاریں چھوڑی ہیں۔

بہادری کے معرکوں میں اُسکی تیز دستیاں دیکھکر یقین نہیں آسکتا کہ ان ہاتھوں نے تلوار کے سوا کبھی قلم بھی چھوا ہے۔ اُسکے ذاتی اخلاق بھی ایسے پاک اور برگزیدہ ہیں کہ سلاطین

توکیا فقرا اور درویشوں میں بھی وہی چار ایسے فرشتہ خو گزرے ہونگے۔ تواضع۔حلم۔عفو فیاضی۔دریا دلی۔بلند ہمتی۔دلیری۔فرزانگی کوئی ایسی صفت نہیں جو قدرت نے اُس سے دریغ رکھی ہو۔ان سب خوبیوں کے ساتھ شخصی حکومت کے اقتدار میں بعض ایسی بے اعتدالیاں بھی اُس سے سرزد ہوگئی ہیں جن کے خیال کرنے سے دل کانپ جاتا ہے اور دفعتہً اُس کی خوبیاں آنکھوں سے چھپ جاتی ہیں۔تاہم مجموعی حیثیت سے **اسلامی ہیروز** (نامور لوگ) میں وہ ایک نامور ہیرو ہے اور ظلم ہے اگر ایسے بے نظیر شخص کو بقائے دوام کے دربار میں پیش کرنے کے وقت ہم بھی عام نقیبوں کی طرح چند معمولی الفاظ پر اکتفا کر جائیں +

افسوس ہے کہ ملکی نظم ونسق کے متعلق ہماری واقفیت بھی محدود ہے جسکا الزام ہماری قلت نظر پر یا اگر پاس ادب نہ ہو تو قدیم موزخوں پر ہوگا۔جو آنے والی نسلوں کے تاریخی مذاق کا اندازہ نہ کر سکے۔دوسری قسم کے حالات کے لئے بھی گو مجھکو ہزاروں ورق الٹنے پڑے ہیں لیکن جو سرمایہ جمع ہوگیا ہے۔میں اُسکو ہر حال کافی خیال کرتا ہوں اور قدما کا مشکور ہوں کہ جو کچھ ہے اُنہیں کا ہے +

اگرچہ یہ حضرت ریزہ چینی اور مختلف پریشان اور گمنام موقعوں سے پتہ لگانے کی محنت پھر بھی میرے لئے چھوڑ گئے +

اس حصہ کے آغاز پر **بغداد** کا پراثر نام زیادہ موزون ہوگا۔جو ایک مدت تک نہ صرف عباسیوں کا بلکہ عموماً اسلامی جاہ وجلال کا مرکز رہا ہے +

مامون اگرچہ ابتدائی زمانہ میں خراسان کا بادشاہ کہلایا۔اور اسی بنا پر بعض یوروپین موزخوں نے اُسکی نسبت۔اس باب میں ہمیشہ غلطی کی ہے لیکن امتداد زمانہ اور استقلال خلافت۔دونو حیثیت سے اُس کا دارالخلافہ بغداد کہا جا سکتا ہے نہ خراسان اسلیئے پہلے مختصر طور پر ہم اس مشہور شہر کا حال لکھتے ہیں +

بغداد

بغداد[1] کی جس نے بنیاد ڈالی۔ وہ مامون الرشید کا پر دادا ابوجعفر منصور تھا۔ منصور اگرچہ خاندان عباسیہ کا دوسرا ہی خلیفہ تھا۔ اور ۱۳۶ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ تاہم سلطنت کو وسعت اور استحکام دونو لحاظ سے اب ایک مستقل پایۂ تخت کی ضرورت تھی۔ منصور نے کوفہ کے نواحی میں ایک عارضی مقام ہاشمیہ اختیار کیا تھا۔ لیکن فرقہ راوندیہ کی بغاوت اور اہل کوفہ کی مشہور بے وفائی نے کوفہ سے اُسکا دل پھیر دیا تھا۔ نہایت جستجو اور کوشش اور بہت سے اہل الرائے کے مشورہ کے بعد اُس نے وہ مختصر آبادی انتخاب کی جو کسی زمانے میں نوشیروان عادل کے انصاف سے منسوب تھی۔ اور اب مختصر ہوہوا کر بغداد[2] کے نام سے پکاری جاتی تھی ✤

یہ انتخاب ہر لحظہ سے موزون تھا۔ اُسکے دونو طرف چار نہایت اور زرخیز صوبے تھے **دجلہ** (ٹیگرس) اور فرات کے متصل ہونے کی وجہ سے۔ ہندوستان۔ بصرہ۔ واسط۔ مغرب۔ شام مصر۔ آذربائیجان۔ دیار بکر وغیرہ کا مشترک تجارتگاہ ہوسکتا تھا۔ آب وہوا بھی نہایت معتدل اور قریبًا ہر مزاج کے مناسب تھی۔ پولٹیکل مصلحتوں کے خیال سے بھی نہایت مناسب مقام تھا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ تمام ممالک اسلامیہ میں لاجواب تھا۔ نہ تو بالکل عرب کی ناف میں تھا۔ جہاں شاہانہ جاہ وحشم اور شخصی حکومت اپنا زور نہیں دکھا سکتی نہ اس قدر دور تھا کہ عرب کی قوت واثر سے بالکل فائدہ نہ اٹھا سکے۔ ان حیثیتوں میں اگر اور کوئی اسلامی شہر اُسکا ہمسر ہوسکتا تو صرف دمشق تھا۔ لیکن وہاں کی آب وہوا میں مروانی حکومت کا زہرآلود اثر اب بھی موجود تھا۔ منصور گو بخالت کے وصف میں یکتا مانا جاتا تھا۔ لیکن نئی دار الخلافت

---

[1] بغداد کے متعلق میں نے جو کچھ لکھا ہے مرآت البلدان ناصری سے لکھا ہے۔ کہیں کہیں دوسری کتابوں سے کچھ حالات اضافہ کئے ہیں تو وہاں نوٹ میں خاص حوالے دے دیئے گئے ہیں ۱۲

[2] بغداد کی وجہ تسمیہ میں یہ روایت غالبًا زیادہ اعتبار کے قابل ہے کہ اُسکے قریب نوشیروان کا ایک باغ تھا۔ جہاں بیٹھکر وہ مقدمات فیصل کرتا تھا اور اسی وجہ سے وہ باغ داد یعنے انصاف کا باغ مشہور ہوگیا ۱۲

کے شوق میں اُس کی ہمت نے غیر معمولی پلٹا لیا۔ قیمت مناسب دیکر راہبوں سے بغداد کی کل زمین مول لی اور فرامین بھیجکر شام۔ موصل۔ کوہستان۔ کوفہ۔ واسط سے بڑے بڑے مشہور کاریگر اور صناع بُلائے ✤

۱۴۵ھ میں خود اپنے ہاتھ سے بنیاد کا پتھر رکھا۔ اور اُس نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ یعنی زمین کل خدا کی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے عنایت کرتا ہے۔ چند ریاضی دان عالم معین کئے کہ عمارتیں اصول ہندسی کے لحاظ سے طیار ہوں۔ امام ابوحنیفہ صاحبؒ کو اس جرم پر کہ وہ منصب قضا کے قبول کرنے کی نسبت منصور کے اصرار چند بار نہایت آزادی سے رد کر چکے تھے[1] خشت شماری کا ذلیل کام دیا جس کو امام صاحب نے قضا کے پرخطر کام کے مقابلے میں نہایت خوشی سے قبول کیا۔ بنیاد نیچے سے پچاس ہاتھ چوڑی رکھی گئی لیکن سطح خاک کے برابر آکر صرف بیس ہاتھ کا عرض کافی سمجھا گیا۔ کہتے ہیں کہ دنیا میں یہی ایک شہر ہے جسکی آبادی بالکل دائرہ کی صورت میں ہے۔ منصور نے خاص ایوان شاہی مرکز کی طرح عین وسط میں تعمیر کرایا جس سے تمثیلاً یہ اشارہ مقصود تھا کہ حاکمانہ حیثیت سے بادشاہ کے ساتھ ہر خاص و عام کو یکساں نسبت ہے ✤ شہر پناہ کے چار دروازے تھے اور ہر دروازے سے دوسرے دروازے تک ایک میل کا فاصلہ تھا۔ تعمیرات کے سلسلے میں ایوان خلافت مسجد جامع۔ قصر الذہب قصر الخلد۔ نہایت بلند اور شاندار عمارتیں تھیں لیکن سب کا سرتاج قبۃ الخضرا یعنی سبز گنبد تھا جس کا ارتفاع قریباً ۸۰ گز سے کم نہ تھا۔ نئی آبادی کے بعد بغداد کا نام **مدینۃ السلام** سے بدل دیا گیا جو عام زبانوں پر گو محیط نہ ہوا لیکن دفاتر اور تصنیفات پر عموماً حاکمانہ عزت و زور کے ساتھ قابض ہو گیا ✤

منصور نے گو نہایت کفایت شعاری سے کام لیا حتے کہ ایک افسر پر اس حساب میں سے

---

[1] منصور نے امام ابوحنیفہؒ صاحب کو منصب قضا قبول کرنے کے لئے کہا۔ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ میں اس قابل نہیں۔ منصور نے غیظ میں آکر کہا۔ تم جھوٹ کہتے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا۔ تو میرا یہ دعوے سچا ہے کہ میں قاضی نہیں ہو سکتا کیونکہ جھوٹا شخص قاضی کیونکر مقرر ہو سکتا ہے ✤ ۱۲

پندرہ درہم باقی نکلے تو قید کی سزا دی تاہم جب مصارف تعمیر کا حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ دفتر خزانہ میں دو کروڑ درہم کی رقم خالی ہو گئی[ھ۱]+

یہ بغداد (جسکا ذکر ہوا) منصور کا بغداد تھا لیکن بہت جلد روز افزوں ترقی کے ساتھ اُسکی اصلی ہیئت بھی بدل گئی منصور کے جانشین **مهدی** نے دار الخلافہ کو دجلہ کی شرقی جانب بدل دیا جس سے شہر کی یہ صورت ہو گئی کہ دجلہ بیچ میں آگیا اور اُسکے قدرتی منظر میں ایک عجیب لطف پیدا ہو گئی۔ یہ اسلامی شہر ہر عہد میں حیرت انگیز ترقیاں حاصل کرتا گیا۔ قریبًا پانسو برس تک خلفاء و اعیان سلطنت اور بڑے بڑے دولتمند امرا کے فیاضانہ بے روک حوصلے اس کی آبادی کی رونق بڑھانے میں رقیبانہ سرگرمی کے ساتھ صرف ہوا کئے +

ہارون الرشید کے وزیر اعظم **جعفر** برمکی نے ایک قصر کی تیاری میں جو صرف کردیا وہ منصور کی کل فیاضی کے برابر (یعنے دو کروڑ درہم) اترا[ھ۲]۔ رنگین مزاج امین الرشید نے بھی دو کروڑ سے زاید کی عمارتیں تیار کرائیں +

مامون الرشید کے عہد میں خاص شہر کی مردم شماری دس لاکھ سے زیادہ تھی[ھ۳] آثار الاول میں لکھا ہے کہ ایک زمانہ میں تیس ہزار مسجدیں اور دس ہزار حمام وہاں موجود تھے گبن صاحب لکھتے ہیں کہ شہر بغداد میں آٹھ سو ساٹھ طبیبوں کو مطلب کرنے کی اجازت تھی +

بغداد کی مشہور عمارتوں کا تذکرہ ایک مستقل کتاب میں ہو سکتا ہے جسکے لئے ناظرین کو ہمارے اُس سلسلۂ تصنیف کا منتظر رہنا چاہئے جس کا نام عمارات الاسلام ہوگا لیکن **دار الشجرہ** کے ذکر کیلئے اس مختصر کتاب کو بھی گبن صاحب کی تاریخ سے کچھ کم حق حاصل نہیں ہے۔ اِسلئے اجمالاً ہم اُسکا حال لکھتے ہیں۔ یہ عجیب و غریب عمارات خلیفہ المقتدر باللہ نے بنوائی تھی جو ۲۹۵ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ صحن کے ایک وسیع حوض میں

ھ۱ دیکھو نجوم زاہرۃ فی تاریخ مصر والقاہرۃ صفحہ ۳۷۔ مصارف تعمیر میں مختلف روایتیں ہیں مگر ہم نے ایک متوسط اور معتمد روایت اختیار کی ہے۔ درہم چار آنہ کا ہوتا ہے اس حساب سے دو کروڑ درہم کے پچاس لاکھ روپیہ ہوئے ۱۲

ھ۲ کامل ابن الاثیر۔ ذکر تباہی خاندان برمکہ ۱۲ ھ۳ دائرۃ المعارف تذکرۂ بغداد ۱۲

سونے کا ایک درخت تھا جس میں سونے چاندی کے اٹھارہ گدّے تھے اور ہر گدّے میں بہت سی شاخیں تھیں۔ ہر شاخ میں بیش بہا مختلف رنگوں کے جواہرات اس خوبی سے مرصع تھے کہ قدرتی پھولوں اور پھلوں کا دھوکا ہوتا تھا۔ نازک ٹہنیوں اور شاخوں پر رنگ برنگ اور مختلف اقسام کے طلائی پرند تھے اور اس ترکیب سے بنائے تھے کہ ہوا چلنے کے وقت سب کے سب اپنے ذاتی نغمات سے خوش الحانی کرتے سنائی دیتے تھے۔ حوض کے دونو جانب پندرہ مصنوعی سوار تھے جو نہایت قیمتی دیبا و حریر کی وردیاں پہنے۔ مرصع زرین تلواریں لگائے اسطرح حرکت کرتے نظر آتے تھے کہ گویا ہر سوار اپنے مقابل کے سوار پر حملہ کرنیکے لئے بڑھ رہا ہے[۱]

بغداد میں خلفاء کا ملکی رعب داب گو وہ ہی صدیوں کے بعد جاتا رہا لیکن عام اسلامی عظمت تاتاری سیلاب کے آنے تک قائم رہی۔ آستانہ خلافت پر بڑے بڑے ذی اقتدار فرمانروا سجدہ کرجاتے تھے ضعیف سے ضعیف خلیفہ کے سامنے بھی **دیلم و سلجوق** کا سر جھک جاتا تھا۔ محمود غزنوی نے یمین الدولہ کا پر فخر خطاب جس سے حاصل کیا تھا وہ بغداد کا ایک مسلوب الاختیارات تخت نشین تھا۔ ہزاروں شعرا۔ مجتہدین۔ اہل فن۔ دور و دراز ملکوں سے آکر وہیں پیوندخاک ہوگئے **بغداد** کے مقبروں نے جن اسلامی جوہروں کو اپنی آغوش میں چھپا رکھا ہے۔ زمانہ سینکڑوں برس کی مدت میں اُنکو پیدا کرسکا تھا۔ امام موسےٰ کاظم امام ابو حنیفہ۔ امام احمد حنبل۔ حضرت جنید۔ شیخ شبلی معروف کرخی۔ جنکو ہاتھ سے کھو دینے کا خود زمانہ کو بھی افسوس رہےگا۔ یہیں کی قبرستانی آبادی میں سو رہے ہیں ✤

علمی فیاضی کے لحاظ سے دیکھو۔ تو جب وہ کچھ نہیں رہا تھا۔ اسوقت بھی تیس بڑے بڑے کالج خاص شہر کے مشرقی حصہ میں موجود تھے۔ علامہ ابن جبیر ۵۸۰ھ میں جب وہاں پہنچے تو ایک کالج شاندار ایوانات اور وسیع سلسلۂ عمارات دیکھکر اُن کو دھوکا ہوتا تھا کہ یہ اب بھی ایک مستقل آبادی میں موجود ہوں[۲] ✤

---

[۱] دیکھو معجم البلدان و گردار الشجرہ و گبن صاحب کی رومن امپائر عہد عباسیہ [۲] سفرنامہ ابن جبیر حالات بغداد ۱۲ منہ

انوری نے ایک قصیدہ میں بغداد کی خوشگوار آب وہوا۔ دجلہ کی روانی کشتیوں کی سیر باغوں کی رنگینی کا نہایت دلربا سماں دکھایا ہے۔ اُسکے چند شعر یہ ہیں۔ **اشعار**

خوشا نواحی بغداد جائے فضل و ہنر — کہ کس نشاں ندہد در جہاں چناں کشور

سواد او بمثل چوں سپہر مینا رنگ — ہوائے او بصفت چوں نسیم جاں پرور

کنار دجلہ ز ترکان سیمتن خلخ — میاں رحبہ خوبان ماہ رخ کشمر

ہزار زورق خورشید شکل بر سر آب — براں صفت کہ پراگندہ سپہر اختر

بشبہ باغ شود۔ آسماں بوقت غروب — بشکل چرخ شود بوستاں بوقت سحر

بوقت شام ہمے ایں بآں سپارہ وگل — بگاہ بام ہمے آں باین دہد اختر

شگفتہ نرگس بویا بطرف لالہ ستاں — چنانکہ در قدح گوہریں مئے اصفر

نوائے طوطی و بلبل بغروس عکہ وسار — ہمے کنند خجل لحنہائے خُنیاگر

وسعت سلطنت۔ خراج۔ بڑے بڑے اضلاع اقسام آمدنی یعنی خراج۔ عُشر۔ زکوٰۃ۔ جزیہ۔ فوج کی تعداد۔ تنخواہیں۔ جنگی جہازات

مامون الرشید جن ممالک کا فرمانروا تھا وہ نہایت وسیع سلطنت تھی۔ جو حدود ہند اور تاتار سے بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسلامی دنیا کا کوئی خطہ اسپین کے سوا اُس کی حکومت سے آزاد نہ تھا۔ ہندوستان کے سرحدی شہروں میں اُسکے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ شہنشاہ روم گو خود سر فرمانروا تھا۔ تاہم اکثر اوقات سالانہ خراج دینے پر مجبور ہوتا تھا۔ ہارون الرشید کے عہد میں کل ملک کا خراج آج کل کے حساب سے اکتیس کروڑ پچاس لاکھ روپیہ سالانہ تھا۔ مامون کی خلافت نے اُس پر بہت کچھ اضافہ کر دیا۔ چند

مشہور[۵۱] اضلاع اور ہر ایک کے جداگانہ خراج کا ہم ایک نقشہ درج کرتے ہیں۔ اور چونکہ وہ خاص مامون کے سرکاری[۵۲] کاغذات سے طیار کیا گیا ہے۔ غالباً زیادہ تر اعتبار کے قابل ہوگا۔

ضلع	خراج
سواد	دو کروڑ اٹھتر لاکھ درہم[۵۳]۔ دو سو بحرانی حلے۔ ایک خاص قسم کی مٹی جو مہر کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ دو سو چالیس رطل
کسکر	ایک کروڑ سولہ لاکھ درہم
دجلہ کے اضلاع	دو کروڑ آٹھ لاکھ درہم
حلوان	اڑتالیس لاکھ درہم
اہواز	پچیس ہزار درہم۔ اور تیس ہزار رطل شکر
فارس	دو کروڑ ستر لاکھ درہم۔ گلاب تیس ہزار بوتل۔ زبیب سیاہ بیس ہزار رطل
کرمان	بیالیس لاکھ درہم۔ یمن کے تھان پانسو۔ کھجور بیس ہزار رطل
مکران	چار لاکھ درہم
سندھ	ایک کروڑ پندرہ لاکھ درہم۔ عود ہندی ڈیڑھ سو رطل
سیستان	چالیس لاکھ درہم۔ خاص قسم کے کپڑے تین سو تھان۔ فانید بیس رطل
خراسان	دو کروڑ اسی لاکھ درہم۔ چار ہزار گھوڑے۔ ایک ہزار غلام۔ بیس ہزار تھان تیس ہزار رطل ہلیلہ۔ دو ہزار نقرہ چاندی
جرجان	ایک کروڑ بیس لاکھ درہم۔ ریشم ہزار شقہ
قومس	دس لاکھ درہم۔ پانچ لاکھ نقرہ چاندی

۵۱ اس تعیین میں ہم نے واقعات ذیل پر اعتماد کیا ہے:- (۱) رشید کے زمانہ میں سالانہ خراج سات ہزار پانسو قنطار تھا۔ دیکھو مقدمہ ابن خلدون فصل دوم ۱۸ (۲) ایک قنطار آٹھ ہزار چار سو دینار کا ہوتا ہے۔ دیکھو معجم البلدان جلد اول صفحہ ۳۲۶ (۳) دینار کم از کم پانچ روپیہ کا ہوتا ہے۔ جیسا کہ گبن صاحب وغیرہ نے تصریح کر دی ہے ۱۲

۵۲ علامہ ابن خلدون نے اس کاغذ کو خود دیکھا تھا۔ اور اُسکے حوالہ سے یہ تفصیل نقل کی ہے۔ دیکھو مقدمہ ابن خلدون فصل دوم کی فصل ۱۸۔ ۵۳ درہم چار آنے کا ہوتا ہے

ضلع	خراج
رے	ایک کروڑ بیس لاکھ درہم۔ شہد بیس ہزار رطل +
طبرستان رومان و دماوند	تریسٹھ لاکھ درہم۔ طبرستان فرش چھ سو۔ چادریں دو سو۔ کپڑے پانسو تھان مندیل تین سو۔ جامات تین سو +
ہمدان	ایک کروڑ تیرہ لاکھ درہم۔ رُبّ الرمانین ہزار رطل۔ شہد بارہ ہزار رطل +
بصرہ و کوفہ کے درمیانی اضلاع	ایک کروڑ سات لاکھ درہم +
ماہان و دینور	چالیس لاکھ درہم +
شہرزور	ستر لاکھ درہم +
موصل	دو کروڑ چالیس لاکھ درہم۔ شہد سپید دو کروڑ رطل +
آذربایجان	چالیس لاکھ درہم +
جزیرہ مع اضلاع	تین کروڑ چالیس لاکھ درہم۔ غلام ایک ہزار۔ شہد بارہ ہزار مشک +
فرات	باز دس۔ چادریں بیس +
آرمینیہ	ایک کروڑ تیس لاکھ درہم۔ فرش محفور بیس۔ رقم[1] پانسو تیس رطل۔ ساہج سورماہی دس ہزار رطل۔ صونج دس ہزار رطل۔ خچر دو سو۔ بچھیرے تیس +
قنسرین	چار لاکھ دینار۔ زیت ہزار رطل +
دمشق	چار لاکھ بیس ہزار دینار +
اردن	ستانوے ہزار دینار +
فلسطین	تین لاکھ دس ہزار دینار۔ زیت تین لاکھ رطل +
مصر	اُنیس لاکھ بیس ہزار دینار +
برقہ	دس لاکھ درہم +

[1] رقم ایک قسم کا پھل ہوتا ہے ۱۲

ضلع	خراج
افریقیہ	ایک کروڑ تئیس لاکھ درہم۔ فرش ایک سو بیس +
یمن	تین لاکھ ستر ہزار دینار۔ متاع یمنی اس کے علاوہ +
حجاز	تین لاکھ دینار +

یہ صرف خراج کی مد سے وصول ہوتا تھا۔ جزیہ جس کی تفصیل ہم آگے لکھیں گے۔ اُس سے الگ ہے۔ ہر ایک قسم جو بیت المال یعنی خزانہ شاہی میں داخل ہوتی تھی۔ اس کی چار قسمیں تھیں۔ خراج ۔ عُشر ۔ جزیہ ۔ زکوٰۃ +

مامون نے خراج و زکوٰۃ و جزیہ کا جسکو آجکل کی زبان میں (لگان) ٹیکس کہ سکتے ہیں کوئی جداگانہ قانون نہیں بنایا تھا۔ بلکہ اُس سے پہلے عادل و فیاض جانشینان اسلام کا جو کچھ دستور العمل تھا وہی اُسکے عہد میں بھی بحال رہا۔ اسلئے ہم ان قوانین کی تفصیل بتانے میں مجبوراً مامون کے ماقبل زمانہ پر نگاہ ڈالیں گے۔ اور ہم کو امید ہے کہ ناظرین خارج از بحث کا لقب نہ دیں گے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مذہبی بحث سے ہم کو سروکار نہ ہوگا۔ اور جو کچھ لکھیں گے تاریخی پہلو سے لکھیں گے۔ جسطرح یورپین مصنفین ہمیشہ عام واقعات کے تذکرے میں بھی جستہ جستہ مذہب کا نام لیتے ہیں اور شاہان اسلام کے ذاتی افعال مذہب سے جدا نہیں کر سکتے۔ ہم ایسا نہ کریں گے۔ خراج اور عشر زمین سے متعلق ہیں اور باقی دو ایک قسم کے ٹیکس ہیں۔ جو مسلمان رعایا اور دوسرے مذہب والوں سے وصول کئے جاتے تھے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ مامون اور اُس کے اسلاف عام اصول سلطنت میں آنحضرت صلعم اور خلفائے راشدین کے طریق عمل کو رہنما سمجھتے تھے۔ اور اسلئے کافی وثوق کے ساتھ ہم یہ بات فرض کر سکتے ہیں کہ مامون کے عہد کا قانون لگان (ٹیکس) بھی قریب قریب وہی ہوگا۔ جو کسی زمانہ پیشتر میں تیار ہوا ہوگا۔ لیکن ہم کو یہ صاف بتا دینا چاہیئے کہ عشر و خراج و جزیہ مصطلح مستون

میں مذہبی الفاظ نہیں ہیں۔ اور اسلئے ہم کو اس دھوکہ میں نہ پڑنا چاہئے کہ فقہ کی کتابوں میں اُنکے متعلق جو تفصیلیں اور قاعدے مذکور ہیں وہ نصی یا خلفا و سلاطین اسلام کے متفقہ اور مسلمہ عملی قاعدے ہیں بے شبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خراج ایک تمدنی قانون کی صورت پکڑ چکا تھا۔ اور اسوجہ سے جیسا موقع ہوا۔ خراج عشر جزیہ سب کچھ وصول کیا گیا لیکن یہ دعوے کرنا فضول ہے کہ انکے متعلق شارع علیہ السلام نے کچھ خاص قاعدے طے کر دیئے تھے۔ عام ملکی قوانین کی طرح یہ باتیں بھی ہر جائز تخت نشین اسلام کی رائے پر چھوڑی گئی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ خلفا و سلاطین کے مختلف عہدوں میں خاص خاص ملکی مصلحتیں ان میں تبدیلیاں پیدا کرتی رہیں۔ اب ہم عام طرح پر خراج و عشر کے متعلق چند قواعد بیان کرتے ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا خلفاء کے عہد میں معمول رہے ہیں اور مامون کی خلافت میں بھی قریب قریب اسی پر عمل درآمد رہا۔

(۱) جو زمین نہروں کے قدرتی پانی سے سیراب ہوتی ہو۔ یا

(۲) جو زمین فوج کو (جس نے اُس حصۂ ملک کو فتح کیا ہے) تقسیم کر دی گئی ہو۔ یا

(۳) جس مقام کے باشندے فوج کشی کے وقت اسلام قبول کر چکے ہوں[۱]۔

ان تینوں حالتوں میں وہ زمین عشری ہو گی۔ یعنی اُسکی پیداوار سے صرف دسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔ اور یہی اُسکا خراج سمجھا جائیگا۔

اِن تینوں قسموں کے علاوہ جو زمین ہے وہ خراجی ہے۔ عام اس سے کہ مسلمان رعایا کے قبضہ میں ہو یا غیر قوم کے۔ اگر کوئی شخص عشری زمین میں پڑتی ڈالدے تو اُس سے کچھ نہیں لیا جائیگا۔ خراجی زمین میں ایسا نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص ایک برس پڑتی ڈال کر دوسرے سال کاشت کرے تو ایک ہی سال کا خراج دینا ہوگا جس زمین پر دکانیں بنالی جائیں وہ عموماً عشر و خراج سے معاف ہیں لیکن اگر کھیتی کو کوئی آفت پہنچے تو خراج معاف ہو جائیگا۔

---

[۱] جامع صغیر کنہنر ۱۲

مذکورہ بالا قسموں میں سے دو پچھلی قسم کی عشری زمینیں بہت کم تھیں حضرت عمرؓ کے عہد میں سواد عراق کی بالکل پیمایش ہو چکی تھی۔ اور مختلف شرحونکی جمع بندی دی گئی تھی۔ ملک شام کے فاتحین نے البتہ سخت اصرار کیا وہاں کی زمین اُنکو بانٹ دیجائے لیکن حضرت عمر کی فیاض دلی کسی طرح اُنکو فاتحین کی رائے پر مائل نہ ہونے دیتی تھی بالآخر ایک نصی سند پر یہی فیصلہ ہوا کہ پہلے قابضین بے دخل نہ کئے جاویں[۵۱] ✦

مصر میں بھی آپ نے تاکیدی فرمان بھیجا تھا کہ اہل فوج قطعہ زمینداری اور کاشت نہ کرنے پائیں۔ اس حکم کے خلاف ایک شخص نے کچھ زمین کاشت کی تو آپ نے اُسکو پکڑ بلایا اور نہایت سخت سزا دینی چاہی۔ لیکن اُس نے قطعی توبہ سے اپنا قصور معاف کرالیا[۵۲]

عشر اور خراج کے احکام مسلمان اور دوسرے مذہب والی رعایا سے جنکو اسلام کی حمایت میں آجانے سے ذمی کا لقب ملا ہے۔ قریب قریب یکساں متعلق ہیں۔ خراجی زمین کسی کے قبضہ میں ہو ایک شرح سے لگان لیا جاتا تھا۔ عشری زمین میں امام محمدؒ و سفیان ثوری کی عام تجویز یہی ہے کہ چونکہ تشخیص لگان میں صرف زمین کی حیثیت ملحوظ ہوتی ہے۔ اس لئے اس قسم کی زمین اگر ذمی کے قبضہ میں ہو تو اُن سے بھی وہی عشر لیا جاوے گا[۵۳]۔ حضرت عمرؓ نے قوم نبط سے عشر ہی لیا تھا[۵۴]۔ امام مالک گو اس بارے میں کسی قدر ذمیوں کے ساتھ سختی کرتے ہیں۔ تاہم اس حالت میں کہ ذمی کسی دوسرے شہر یا قصبہ میں عشری زمین خریدے اُن کا فیصلہ بھی وہی ہے جو امام محمد کا ہے ✦

خراج کی کوئی معین شرح نہ تھی لیکن یہ اصول عامۃً ملحوظ رہتا تھا کہ کسی حالت میں نصف آمدنی سے زاید نہ لیا جاوے ✦

حضرت عمر نے سواد کے کل اضلاع کی پیمایش کرائی تھی۔ جو تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھیرا اور ذیل کی شرح سے لگان مقرر کی:-

---

۵۱ ازالۃ الخفا جلد دوم صفحہ ۱۲۸ ✦
۵۲ حسن المحاضرہ جلد اول صفحہ ۹۳۔ مطبوعہ مصر ۱۲۹۹ھ ✦
۵۳ فتوح البلدان صفحہ ۷۵ سطر ۹ و ۱۰ ✦
۵۴ ازالۃ الخفا جلد دوم صفحہ ۱۳۲ ✦

نخلستان[1]	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	۱۰ درہم سال
انگور	"	"
نیشکر	"	۶ درہم
گیہوں	"	ایک درہم و ایک صاع غلہ[2]
جو	"	ایک درہم و ایک صاع
روئی	"	۵ درہم

مصر کا خراج بحساب فی جریب ایک دینار (یعنی پانچ روپیہ) مقرر ہوا۔ اور عمرو بن العاص نے جو حضرت عمرؓ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے یہ لکھدیا کہ اس شرح سے کبھی زاید نہ لیا جاویگا اس لحاظ سے مصر کا بندوبست استمراری سمجھنا چاہئے لیکن یہ شرحیں انتہائی شرحیں ہیں۔ اور خود حضرت عمرؓ کے عہد میں اکثر اوقات اُن میں تبدیلیاں ہوتی رہیں +

حضرت علیؓ نے اور بھی تخفیف کی۔ تمام اُن علاقوں میں جو نہر فرات سے سیراب ہوتے تھے بشرح ذیل لگان مقرر کی تھی اور روئی۔ تل۔ مقاثی اور تمام قسم کی بقولات اور ترکاریوں کی زمین عموماً خراج سے معاف کردی +

گیہوں کی اول درجہ کی زمین	فی جریب	ڈیڑھ درہم اور صاع غلہ
متوسط درجہ	"	ایک درہم
ادنے درجہ	"	درہم کی دو تہائی

جو کی زمین پر اسی حساب سے گیہوں کا نصف[3] تھا +

قریبًا اسی شرح کا خراج تمام ممالک اسلامی میں جاری تھا۔ اور مسلمان و ذمی (یعنے دوسرے مذہب والے) دونو پر یکساں اثر رکھتا تھا۔ البتہ سواد کے علاقوں میں مہدی

---

[1] اس باب میں فتوح البلدان و ہدایہ کی روایتیں مختلف ہیں۔ میں نے ہدایہ کی روایت لی ہے ۱۲

[2] صاع قریبًا پونے چار سیر کا ہوتا ہے ۱۲ [3] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۵، ۲۱۸ مطبوعہ لیڈن ہالینڈ ۱۲

[4] دیکھو فتوح البلدان از صفحہ ۲۶۶ تا ۲۷۱ +

عباسی نے لوگوں کی درخواست پر نصف کے حساب سے بٹائی کردی تھی لیکن مامون الرشید نے ۲۰۴ھ میں یہ شرح گھٹا کر دو خمس کر دی[۱] +

خراج کا ہلکا ہونا کچھ تو اس وجہ سے تھا کہ اسلام کے جانشینوں میں اب تک اسلام کا بے حرص اور فیاضانہ اثر پایا جاتا تھا اور زیادہ تر اسوجہ سے کہ ابتدائی زمانہ میں **عرب** کے سادہ مزاج فاتح جو اپنے بے روک ہاتھوں سے دنیا کا مرقع الٹ پلٹ کر رہے تھے ریگستان سے اٹھکر گئے تھے اور جو کچھ مل جاتا تھا اُنکی قانع طبیعت کیلئے کافی تھا۔ یہ وہ لوگ تھے کہ ان میں سے جب ایک ممتاز شخص نے ایک معرکہ میں صرف ہزار درہم پر ایک نہایت دولتمند کافر سے صلح کر لی۔ اور لوگوں نے اُن سے کہا کہ "تم نے بہت سستا بیچا" تو انہوں نے نہایت تعجب سے جواب دیا کہ کیا ہزار سے بھی کوئی زاید عدد ہے۔ اُس پر خلفائے راشدین کے عہد میں یہ عام قاعدہ تھا کہ ایک مسلمان جن شرائط پر کسی قوم سے معاہدہ کر لے خلیفہ وقت کو اُسکی پابندی لازم ہوگی۔ فتوحات کی تاریخ اٹھا کر دیکھو سینکڑوں مثالیں پاؤگے کہ فوج اسلام نے ایران۔ آرمینیہ۔ مصر۔ شام کے اضلاع میں نہایت خفیف رقم پر صلح کر لی اور خلیفۂ وقت کے حکم سے وہی بحال رہی۔ دولت بنی امیہ اور عباسیہ نے کچھ اضافہ کیا۔ مگر اصل پیداوار کے لحاظ سے دیکھو تو وہ بھی کچھ نہ تھا +

زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ خاص تھی۔ اور سونے چاندی۔ اونٹ۔ گائے۔ بکری سب پر جداگانہ شرحیں مقرر تھیں۔ حقیقت میں یہ نہایت سخت ٹیکس تھا جسکو اسلام نے خود اپنے اوپر گوارا کر لیا تھا +

ذمیوں پر جزیہ[۲] تھا۔ گو وہ ایک نہایت خفیف رقم تھی اور زکوٰۃ کے مقابلہ میں تو گویا کچھ بھی نہ تھی۔ لیکن تعجب ہے کہ دوسری قوموں نے مسلمانوں کو تعصب کا الزام دینے

[۱] کامل ابن الاثیر۔ واقعات ۲۰۴ھ ۱۲ [۲] جزیہ کی تحقیق میں کہ وہ کس زبان کا لفظ ہے اور کس زمانہ سے اُس کا رواج ہے اور یہ کہ اسلام میں کس مقصد سے وہ اختیار کیا گیا۔ میرا ایک مستقل رسالہ ہے جو حال میں طبع ہوا ہے اور سکرٹری مدرستہ العلوم کے پاس درخواست بھیجنے سے ملسکتا ہے۔ نیز اس کتاب کے آخر میں بھی شامل ہے +

میں ہمیشہ بڑے زور شور سے اُسکا تذکرہ کیا ہے۔ یہ ہلکا ٹیکس جسکے نام سے یورپین مصنف کے دل میں مسلمانوں کی طرف سے نہایت ناگوار خیالات دفعتہً جوش مارنے لگتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ فی کس ۴۸ درہم یعنی بارہ روپیہ سالانہ تھا۔ اور یہ تعداد بڑے دولتمندوں کے ساتھ خاص تھی۔ متوسطین پر چھ روپیہ اور عام درجہ کے لوگوں پر تین روپیہ سالانہ تھا۔ بشرطیکہ وہ ادا کرنیکے قابل ہوں۔ لیکن فرمانروائے وقت کو حسب مصلحت اختیار عام حاصل تھا۔ کہ اُس کی شرح گھٹا دے۔ یا بالکل معاف کر دے۔ لڑکے بوڑھے۔ عورتیں مفلوج معطل العضو نابینا ہر حالت میں مطلقاً معاف تھے +

کبھی کبھی بجائے فی کس کے فی گھر جزیہ مقرر ہوتا اور تعداد وہی بشرح سابق رہتی تھی[۵۲] یعنی ایک دینار۔ یا اُس سے بھی کم۔ اس خفیف محصول کے عوض میں ذمیوں کی جان و مال کی نہایت مستحکم ذمہ داری مسلمانوں پر فرض ہو جاتی تھی +

ان آمدنیوں میں سے زکوٰۃ کی رقم جو صرف مسلمانوں سے لی جاتی تھی اسی لئے تھی۔ کہ اُس سے محتاج۔ اپاہج۔ نادار مسافر۔ اور اسی طرح کے درماندہ لوگوں کی اعانت کی جاوے زکوٰۃ میں یہ قید تھی کہ خاص مسلمانوں پر صرف ہو۔ لیکن اور کسی قسم کے صدقات جو مسلمانوں سے لئے جاتے تھے کوئی تخصیص نہ تھی۔ اور غیر مذہب والی رعایا بھی برابر بہرہ مند ہوتی تھی۔ خود حضرت عمرؓ نے دمشق کے سفر میں مجذوم عیسائیوں کے لئے بیت المال کی اس رقم سے وظیفہ مقرر کر دیا تھا[۵۳]۔

اور ایک دوسرے موقع پر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ خدا کے اس قول میں کہ "صدقات فقراء اور مساکین کے لئے ہیں" مساکین سے عیسائی و یہودی مراد ہیں[۵۴]

---

[۵۱] حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عرب سوس اور اُسکے قرب و جوار کے مضافات میں جزیہ بالکل معاف کر دیا گیا تھا۔ دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۱۵۹ ماریہ قبطیہ کے ہموطن بھی جزیہ سے معاف کر دیئے گئے [illegible] دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۲۱۹+

[۵۲] حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں تفلیس والوں پر اسی شرح سے جزیہ مقرر ہوا تھا۔ دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۲۰۱ +

[۵۳] فتوح البلدان صفحہ ۱۲۹ +

[۵۴] ازالۃ الخفا۔ جلد دوم صفحہ ۲۳ +

باقی خراج۔ عشر۔ جزیہ۔ پبلک کاموں یعنی سڑک۔ پل۔ چوکیداری تعلیم وغیرہ کے لئے خاص تھے۔ فوج کا صرف بھی اسی آمدنی سے دیا جاتا تھا ✦

مامون الرشید اور عموماً نیک دل بادشاہان اسلام کے عہد میں ٹیکس یا محصول جو کچھ کہو یہی تھا جسکا ذکر ہوا۔ انکم ٹیکس انڈاکیڑی ٹیکس چنگی سڑکانہ۔ مدرسانہ چوکیداری اسٹامپ کے ناموں سے اُس زمانے میں کوئی واقف نہ تھا ✦

فوج نظامی یعنی جن کا نام و حلیہ دفتر العساکر میں قلمبند تھا۔ اُسکی تعداد قریبا دو لاکھ سوار و پیادہ تھی۔ سوار کی تنخواہ پچیس ۲۵ روپیہ اور پیادے کے دس ۱۰ روپے۔ جنرل و کمانڈر کی تنخواہیں بھی کچھ بہت زیادہ نہ تھیں۔ لیکن ایشیائی حکومتوں میں عہدہ داروں کی نگاہ مشاہرے سے زیادہ صلوں اور انعامات پر لگی رہتی ہے۔ جو وقتاً فوقتاً کسی خاص خوشی یا اظہار کارگذاری کے وقت انکو ملتے رہتے ہیں اور خصوصاً مامون کی فیاضیوں کی تو کچھ حد نہ تھی۔ عبداللہ بن طاہر سردار فوج کو ایک دن پانچ لاکھ درہم انعام دیئے۔ ملکی عہدہ داروں میں بھی صرف وزیر اعظم ذوالریاستین کی تنخواہ بیش قرار تھی۔ یعنی تیس لاکھ درہم ماہوار۔ اگرچہ اور ہر قسم کے عہدے الگ الگ اور نہایت با قاعدہ اور منضبط تھے۔ لیکن سپہ سالاری۔ فوج جنرل کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ صوبہ کا لفٹنٹ یا قسمت کا گورنر۔ عموماً کمانڈر انچیف اور گورنر فوج ہوتا تھا۔ یحییٰ ابن اکثم جو قاضی القضاۃ کے منصب پر ممتاز تھے مامون نے متعدد بار اُنکو فوج کی افسری دی تھی۔ اصل یہ ہے کہ اسوقت سپہ گری مسلمانوں کا عام جوہر تھا اور اس لئے کسی شخص کا اہل قلم ہونا اسکو صاحب العلم ہونے کے ناقابل نہیں کرتا تھا ✦

دوسری قسم کی فوج **مطوعہ** تھی۔ جسکو والنٹیر کہنا چاہئے۔ اس قسم کی فوج وقت پر جس قدر درکار ہو تیار ہو سکتی تھی۔ اور خصوصاً جہاد کی پر زور صدا گونجنے کے وقت تو سارا ملک امنڈ آتا تھا۔ فوج کو سواری اور ہتھیار سرکار سے ملتا تھا۔ اور خزانہ شاہی

میں ہر قسم کے اسلحہ نہایت افراط سے ہر وقت موجود رہتے تھے +

ہارون الرشید کی وفات کے بعد ۱۹۳ھ میں جب خزانۃ السلاح کا جائزہ لیا گیا تو مفصلہ ذیل تعداد کے ساز و اسلحہ موجود تھے[۵۱] +

مطلا و مذہب تلواریں	۱۰ ہزار	شاکریہ و غلاموں کے لئے	۵۰ ہزار		
نیزے	ایک لاکھ ۵۰ ہزار	کمانیں	ایک لاکھ		
مطلا زرہیں	ایک ہزار	عام زرہیں	ایک ہزار		
خود	بیس ہزار	جوشن	بیس ہزار		
ڈھالیں	ڈیڑھ لاکھ	مطلا زین	چار ہزار		
عام قسم کے زین	تیس ہزار				

جنگی جہازات کی ابتدا اگرچہ عبدالملک بن مروان المتوفی ۸۶ھ نے کی تھی - اور اُسی کے زمانہ میں حسان بن نعمان گورنر افریقہ کے اہتمام سے تونس میں جنگی جہازات اور آلات بحری کی تیاری کا ایک بڑا محکمہ قائم ہوا تھا[۵۲] - لیکن مامون کے عہد میں اُسکو بہت ترقی ہوئی - جزیرہ سسلی کی فتح کے لئے سو جنگی جہاز مع بہت سے بحری سامان کے جو بھیجے گئے تھے وہ اُسی کارخانہ سے طیار ہوئے تھے - آتش اندازی کے لئے چھوٹے چھوٹے جہاز ہوتے تھے - جنکو عربی میں حراقہ کہتے ہیں - ان سے روغن نفط (گریک فائر) کے شیشے بھر بھر کر مارتے تھے - جو دشمن کے جہازوں میں آگ لگا دیتے تھے اور خود پانی سے بھی بجھ نہیں سکتے تھے +

ملک کی آبادی امن و امان - مامون کی بیدار مغزی اور جزئیات پر اطلاع - عدل و انصاف غیر قوموں کے حقوق

دولت عباسیہ کے امن و انتظام - ترقی اور وسعت کے افسانے جو روز ہم سنتے رہتے

---

[۵۱] دیکھو شمار الاوراق برحاشیہ مستطرف جلد اول صفحہ ۲۷۲ + [۵۲] مقدمہ ابن خلدون - ذکر قیادۃ الاساطیل ۱۲

ہیں۔ سچ پوچھئے تو ہارون و مامون کے ہی عہد حکومت نے اس خاندان کو یہ عام ناموری دی ہے۔ تجارتیں تمام آزاد تھیں۔ نئے نئے شہر آباد ہوتے جاتے تھے۔ ایک ایک قصبہ بلکہ ایک ایک گاؤں میں چشمے اور نہریں جاری تھیں جو حاکمان اضلاع اور زمینداروں جاگیرداروں کے ذاتی مصارف سے ہمیشہ بنتی رہتی تھیں اور جنکی وجہ سے زراعت کو روز افزوں ترقی حاصل تھی +

مامون نے سلطنت کے بڑے بڑے اضلاع کا دورہ کیا۔ اور ہر جگہ دو دو چار چار دن قیام کر کے مناسب انتظامات جاری کئے۔ ۲۰۲ھ میں جب مرو سے عراق کو روانہ ہوا۔ سرخس طوس۔ ہمدان۔ جرجان۔ نہروان۔ رے اور دوسرے اضلاع میں ہفتوں قیام کیا۔ اور ملک کے اصلی حالات سے واقفیت پیدا کی۔ علامہ مقریزی نے کتاب الخطط والآثار میں لکھا ہے کہ جب مامون نے مصر کے علاقوں کا دورہ شروع کیا تو ہر گاؤں میں کم سے کم ایک رات دن ٹھیرتا گیا۔ مقام طاء النمل میں پہنچا تو معمول کے خلاف وہاں قیام نہیں کیا۔ اور آگے بڑھا۔ اس گاؤں کی مالک ایک بڑھیا تھی۔ یہ خبر سنکر مامون کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور عرض کیا کہ یہ محرومی میری ہی قسمت میں کیوں لکھی تھی۔ مامون اُسکا مہمان ہوا۔ اُس نے اپنی حیثیت کے موافق دعوت کا سامان کیا۔ اور رخصت کے وقت دس تھیلی اشرفیاں ایک ہی سنہ کے سکہ کی نذر میں پیش کیں۔ مامون حیرت میں رہ گیا۔ اور کہا کہ دعوت کیا کم تھی تم نے یہ تکلیف کیوں گوارا کی جس کا قبول کرنا میری فیاضی کے خلاف ہے +

بڑھیا نے کہا کہ سونا تو ہمارے گاؤں کی مٹی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اسلئے ہم لوگوں میں اسکی کچھ قدر نہیں ہے۔ میں نے جسقدر حضور کی خدمت میں حاضر کیا ہے اس سے بہت زیادہ اب بھی میرے پاس موجود ہے + اس حکایت سے مامون کے حسن انتظام اور ملک کی مرفہ الحالی دولت کا اندازہ ہوسکتا ہے +

ملک کے ہر حصہ میں معذور۔ محتاج۔ اپاہج۔ بیوہ۔ یتیم سب کے روزینے مقرر تھے۔ جو

شاہی خزانے سے وقت معین پر اُن کو ملا کرتے تھے - یہ بات سلطنت کے ضروری قوانین میں داخل تھی کہ جو شخص فقر و فاقہ کا شاکی ہو اُس مقام کا حاکم یا اُسکو کوئی کام دے یا بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دے +

مامون نے خراسان کے زمانہ حکومت میں غفلت کی تھی - اُسکا خمیازہ مدت تک کھینچنا پڑا تھا - اسلئے بغداد میں آکر اسکا طرز حکومت بالکل بدل گیا - اب اُسکو ایک ایک جزئی واقعہ اور عام حالات کی اطلاع کا کچھ ایسا عشق ہو گیا کہ سُنکر تعجب ہوتا ہے - سترہ سو عجوزہ عورتیں مقرر تھیں - جو تمام دن شہر میں پھرتی تھیں اور شہر کا کچا چٹھا اُس کو پہنچاتی تھیں[۱] - لیکن مامون کے سوا اور کسی کو اُن کے نام و نشان سے اطلاع نہ تھی - ہر صیغہ پر جداگانہ خفیہ نویس اور واقعہ نگار مقرر تھے[۲] - اور ملک کا کوئی ضروری واقعہ اُس سے مخفی نہیں رہ سکتا تھا - لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس قسم کی کاوش کا جو عام اثر ہوتا ہے یعنی ہر شخص سے بدگمان ہو جانا اور عوام کی آزادی سے تعرض کرنا مامون اُس سے بالکل بری تھا - اُسکی تاریخ زندگی کا ایک ایک حرف چھان ڈالو - ایک واقعہ بھی ایسا نہیں مل سکتا جس سے اُسکی اس کارروائی پر حرف آسکے - بخلاف اس کے اس محکمے نے رعایا کے حق میں عجیب عجیب فیاضیاں دکھائیں +

ایک دن کسی سپاہی نے ایک شخص کو بیگار میں پکڑا وہ دردناک آواز سے چلایا کہ واعمراہ! یعنے ہائے عمرؓ! تم کہاں ہو؟ مامون کو اطلاع ہوئی اُس شخص کو طلب کیا اور کہا کہ کیا حضرت عمرؓ کا عدل تجھکو یاد آیا - اُس نے کہا ہاں - مامون نے کہا کہ خدا کی قسم اگر میری رعیت حضرت عمرؓ کی سی رعیت ہوتی تو میں اُن سے بھی زیادہ عادل ہوتا - پھر اُسکو کچھ انعام دلایا اور سپاہی کو موقوف کر دیا[۳] +

ایک بار ایک شخص نے عرضی دی کہ بیت المال سے کچھ وظیفہ مقرر ہو جائے - مامون نے

[۱] آثار الدول قرمانی خلافت مامون [۲] ابن خلکان ترجمہ فرار نحوی [۳] عیون والحدائق صفحہ ۲۷۹ +

بلاکر پوچھا۔ کتنے بال نیچے ہیں؟ اُس نے بڑھا کر تعداد بتائی۔ چونکہ مامون ایک ایک جزئی واقعہ کی خبر رکھتا تھا اُسکا جھوٹ نہ چل سکا۔ دوسری بار اُس نے پھر عرضی لکھی اور جو تعداد تھی ٹھیک ٹھیک بتادی۔ مامون نے اپ عرضی پر لکھدیا کہ اُسکا روزینہ مقرر کردیا جائے[۵۲] +

اتوار کے دن ہمیشہ صبح سے ظہر تک دربار عام کرتا تھا جس میں خاص و عام کسی کیلئے کچھ روک نہ تھی اور جہاں پہنچکر ایک کمزور مزدور کو اپنے حقوق میں خاندان شاہی کے ساتھ ہمسری کا دعوٰے ہوتا تھا +

ایک دن ایک شکستہ حال بڑھیا نے دربار میں آکر زبانی یہ شکایت پیش کی کہ ایک ظالم نے میری جائیداد چھین لی ہے۔ مامون نے کہا کس نے اور کہاں ہے؟ اُس نے اشارہ سے بتایا کہ آپ کے پہلو میں۔ مامون نے دیکھا تو خود اُسکا بیٹا عباس تھا۔ وزیراعظم کو حکم دیا کہ شہزادے کو بڑھیا کے برابر لیجاکر کھڑا کردے۔ اور دونو کے اظہار سنے۔ شہزادہ عباس رُک رُک کر آہستہ گفتگو کرتا تھا۔ لیکن بڑھیا کی آواز بیباکی کے ساتھ بلند ہوتی جاتی تھی وزیراعظم نے روکا کہ خلیفہ کے سامنے چلاکر گفتگو کرنا خلاف ادب ہے۔ مامون نے کہا نہیں جسطرح چاہے آزادی سے کہنے دو سچائی نے اُسکی زبان تیز کردی ہے۔ اور عباس کو گونگا بنادیا ہے آخر مقدمہ کا فیصلہ بڑھیا کے حق میں ہوا۔ اور جائیداد واپس دلادی گئی[۵۳] +

مامون کی آزادپسندی نے اُسکے عمال کو بھی اصول انصاف میں نہایت آزاد اور بیباک کردیا تھا +

ایک بار خود مامون پر ایک شخص نے تیس ہزار کا دعوٰی دائر کیا۔ جس کی جوابدہی کے لئے اُسکو دارالقضاۃ میں حاضر ہونا پڑا۔ خادم نے قالین لاکر بچھایا کہ خلیفہ اُس پر تشریف فرما ہو لیکن قاضی القضاۃ نے مامون سے کہا کہ یہاں آپ اور مدعی دونو برابر درجہ رکھتے ہیں مامون نے کچھ برا نہ مانا۔ بلکہ اُسکے صلہ میں قاضی القضاۃ کی تنخواہ اضافہ کردی +

[۵۲] رسالہ الحکم و آداب صفحہ ۸ [۵۳] دیکھو واسطۃ السلوک فی احوال الملوک و عقد الفرید جلد اول صفحہ ۱۲ + [۵۳] مستطرف صفحہ ۱۱۰ جلد اول ۱۲ +

مامون کی فیاض لایف پر اگر کچھ نکتہ چینی ہو سکتی ہے۔ تو یہ ہو سکتی ہے کہ اس کا رحم وانصاف اعتدال کی حد سے آگے بڑھ گیا تھا جس کا یہ اثر تھا کہ اُس نے اپنے ذاتی حقوق کو بالکل نظرانداز کر دیا تھا۔ بدزبان شعرا اسکی ہجو میں لکھتے تھے۔ مگر متغیر نہیں ہوتا تھا۔ خود اُسکے خدام گستاخیاں کرتے تھے۔ لیکن اُسکو مطلقاً پروا نہیں ہوتی تھی۔ **دعبل**[۱] نے ایک ہجو میں اُسکی نسبت لکھا :-

شاد وبذکرك بعد طول خموله ۞ واستنقذوك من الحضيض الاوهد

یعنی میری قوم نے تیرے نام کو جو بالکل بجھا ہوا تھا شہرت دے دی۔ اور تجھکو پستی سے نکال کر بلندی پر بٹھا دیا " مامون نے یہ ہجو سنی تو صرف یہ کہا " دعبل ایسی غلط بات کہتے ذرا شرم نہیں آئی۔ میں گمنام کس دن تھا۔ پیدا ہوا تو خلافت کی آغوش میں پیدا ہوا۔ اور دودھ پیا تو اُسی کی چھاتیوں کا پیا[۲] +

ایک دن مامون کا چچا ابراہیم شاکی ہوا کہ دعبل کی بدزبانیاں حد سے گذر گئیں میری ایسی بری ہجو لکھی ہے جو کسی طرح درگذر کے قابل نہیں۔ ابراہیم نے اس ہجو کے کچھ اشعار بھی سُنائے۔ مامون نے کہا " چچا جان اُس نے میری ہجو اس سے بھی بڑھکر لکھی ہے اور چونکہ میں نے درگذر کی۔ امید ہے کہ آپ بھی ایسا ہی کریں گے۔ دعبل کی بیہودہ گوئی سے سارا دربار نالاں تھا۔ ابوسعید مخزومی نے چندبار مامون کو بھڑکایا کہ آخر درگذر کہاں تک ؟ مامون نے کہا " اچھا اگر بدلا ہی لینا ہے تو تم بھی اسکی ہجو لکھدو " مگر صرف یہ لکھو کہ دعبل لوگوں کی ہجو میں جو کچھ کہتا ہے غلط کہتا ہے " +

مامون اکثر کہا کرتا تھا کہ مجھکو عفو میں جو مزا آتا ہے۔ اگر لوگ جان جائیں تو جرم اور نافرمانی کو میرے پاس تحفہ لے کر آئیں +

---

[۱] اس زمانہ کا ایک مشہور شاعر تھا۔ اور ہجو گوئی میں مشہور تھا ۱۲ [۲] تاریخ الخلفاء سیوطی وابن خلکان ترجمۂ دعبل ۱۲ [۳] ان توسعات کو مصنف عقد الفرید نے توقیعات المامون کے ذیل میں بالفاظہا نقل کیا ہے ۱۲

مختلف وقتوں میں وزراء۔ خاندان خلافت۔ حکام۔ عمال کی شکایت میں داد خواہوں نے جو عرضیاں دی ہیں۔ اور مامون نے اُن پر اپنے خاص لفظوں میں احکام لکھے ہیں۔ اُن میں سے چند اس موقع پر ہم نقل کرتے ہیں۔ عرضیوں کی عبارت سے چنداں ہم کو غرض نہیں۔ صرف یہ بتا دیں گے کہ کس کی نسبت تھی۔ لیکن جو احکام ہیں وہ مامون کے خاص الفاظ ہیں۔ جن کا ترجمہ کر دیا گیا ہے +

عرضیاں	مامون کی تحریر
ابن ہشام کی نسبت	شریف کی یہ پہچان ہے کہ اپنے سے بڑے کو دبائے اور چھوٹے سے خود دب جائے۔ تم کس میں ہو +
ہشام کی نسبت	جس وقت تک ایک شخص بھی میرے دروازہ پر تیرا شاکی موجود ہوگا۔ تجھکو میرے دربار میں رسائی نہ ہوگی +
ابو عباد کی نسبت	اے ابو عباد حق اور باطل میں کچھ رشتہ نہیں ہے +
ابو عیسے کی نسبت جو مامون کا بھائی تھا	فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم۔ یعنے جب نفخ صور ہوگا۔ تو نسب جاتے رہیں گے +
حمید طوسی کی نسبت	اے حمید۔ تقرب درگاہ پر نہ بھولنا۔ حق میں تو اور کمینہ غلام دونوں برابر ہیں +
ابن الفضل طوسی کی نسبت	تیرا بے تمیز اور درشت خو ہونا تو میں نے گوارا کر لیا۔ لیکن رعایا پر ظلم کرتا تو نہیں برداشت کر سکتا ہوں +
عمرو بن مسعدہ کی نسبت	اے عمرو! اپنی دولت کو عدل سے آباد کر۔ ظلم تو اُس کا ڈھا دینے والا ہے +

اس موقع پر جب ہم مامون کے عدل و انصاف کی داستان سنا رہے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ اسکے عہد خلافت کی مسلسل بغاوتوں پر ایک اجمالی مگر دقیقہ بین نگاہ ڈالیں کیونکہ

عام خیال انصاف اور بغاوت کو ہمعصر نہیں فرض کرسکتا۔ مامون کی تاریخ اس قسم کی ناگزیر معرکہ آرائیوں سے مملو ہے۔ لیکن جو کچھ ہؤا اتفاق واقعات کا نتیجہ تھا۔ ورنہ اس خصوص میں اُسکا دامن انصاف ہرایک قسم کے داغ سے پاک ہے +

ہارون الرشید کا دربار دو مختلف قوتوں یعنی عرب و ایرانی نسل سے مرکب تھا۔ یہ وراثت اُسکے دونو بیٹوں مامون وامین میں آکر منقسم ہوگئی۔ مامون ماں کی طرف سے عجمی تھا۔ اُسکا وزیر بھی ایک نو مسلم مجوسی تھا۔ تقسیم کی رو سے ملک کے جو صوبے مِلے۔ وہ بالکل عجم کے حصے تھے۔ ان باتوں کا لازمی اثر تھا کہ گروہ عرب کو مامون کے ساتھ کچھ ہمدردی نہ ہو۔ امین سے جب معرکے شروع ہوئے تو وہ قطعاً ہمت ہار چکا تھا لیکن ذوالریاستین جو اُسکا ندیم اور وزیر تھا ثابت قدم رہا اور اپنے حسن تدبیر سے آخر کامیاب ہؤا +

مامون نے بے شبہ اسکے صلے میں اعتدال سے کچھ بڑھ کر مراعات کی۔ اور اُسکو سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا۔ اسی بات پر عرب کا گروہ بگڑ گیا۔ لیکن مامون کو اسوجہ سے اس واقعہ کی اطلاع نہ ہوسکی کہ ذوالریاستین کے اقتدار نے اصل حالات سے مطلع ہونے کے تمام ناکے بند کر دیئے تھے +

سادات جو خلافت کو اپنا ازلی حق سمجھتے تھے۔ ہمیشہ ایسے موقعوں کی تاک میں رہتے تھے ہر طرف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور تمام ملک ہلا دیا۔ اس حالت میں اگر کسی سے ہمدردی کی توقع ہوسکتی تھی تو وہ صرف عباسی خاندان تھا۔ لیکن مامون نے حضرت امام **علی رضا** کو ولیعہد بنا کر یہ بات بھی کھودی۔ مدت تک بغاوت کا سلسلہ قائم رہا۔ اور اسوجہ سے طول پکڑتا گیا۔ کہ سادات پر مامون کسی قسم کی سختی نہیں کرسکتا تھا وہ یونہی نرم دل اور فیاض طبع تھا۔ اُسپر شیعہ پن کے پرتو نے اور بھی سادات کا گرویدہ کر رکھا تھا۔ ان باغیوں کو قابو پاتا تھا اور چھوڑ دیتا تھا۔ لیکن وہ اور بھی شوخ اور تیز ہوتے جاتے تھے +

اس سلسلہ کے علاوہ اور جو بغاوتیں ہوئیں وہ ایسی ہی عام بغاوتیں ہیں جیسے کہ

شخصی حکومتوں میں ہؤا کرتی ہیں۔ ہم کو ایشیا کی کوئی سلطنت ایسی نہیں معلوم ہے جہاں آئے دن ایسے معمولی فتنے نہیں اٹھا کرتے۔ اُسکے ساتھ ہم کو یہ بھی خیال کرنا چاہئے کہ اس وقت رعایا سے ہتھیار لے لینے کا کوئی قانون نہ تھا۔ اور اس وجہ سے سلطنت اور رعایا کی قوت ایک حیثیت سے یکساں نسبت رکھتی تھی +

ان سب پر اتنا اور ستنزاد کرنا چاہئے کہ جن لوگوں نے بغاوت کے علم بلند کئے وہ اکثر **عرب** کی قوم سے تھے۔ جو آجتک اطاعت کے حلقے سے آزاد رہتی آئی ہے۔ اور شاید ہمیشہ ایسی ہی آزاد رہے گی۔ شاید ایک معترض نہایت آسانی سے مامون پر یہ الزام لگائے۔ کہ ذوالریاستین جس نے مامون کی بنیاد حکومت کو گرتے گرتے سنبھال لیا۔ خود مامون کے اشارے سے قتل کیا گیا۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ آخر علاج کیا تھا۔ نہ ذوالریاستین اپنی خودسری سے باز آسکتا تھا۔ نہ اہل عرب اُسکے سامنے سر جھکا سکتے تھے۔ موقع ایسا آپڑا تھا۔ کہ بقائے خلافت اور ذوالریاستین کا اجتماع ناممکن ہوگیا تھا۔ مامون نے بے شبہ ذوالریاستین کو خلافت کی نذر کر دیا۔ اب اگر یہ الزام کی بات ہے تو ہو۔ ہم مامون کو اُس سے نہیں بچا سکتے۔ ہاں اسکا جواب ہمارے پاس بھی نہیں کہ ذوالریاستین کے قاتلوں کو اس نے کیوں قتل کرا دیا۔ شاید پالیسی کے وسیع قانون میں یہ باتیں جائز رکھی گئی ہوں +

ایک بار مامون نے **احمد** بن داؤد سے مخاطب ہو کر ایک نہایت پولٹیکل تقریر کی تھی۔ جس کا اس موقع پر نقل کرنا نہایت موزون ہے۔ اُس نے کہا کہ بادشاہ بعض وقت اپنے خاص ارکان دولت کے ساتھ جو باتیں کر گذرتا ہے عوام ہرگز اسکا انصاف نہیں کر سکتے وہ دیکھتے ہیں کہ وزیر یا نائب السلطنت نے جو وفاداریاں کیں۔ اُنکے بار سے حکومت کبھی ہلکی نہیں ہو سکتی وہ بے تکلف رائے لگا لیتے ہیں کہ بادشاہ نے جو کچھ کیا صرف حسد یا تنگ دلی کی وجہ سے کیا۔ لیکن اُنکو کیا معلوم ہے کہ اسکے بعض افعال خود سلطنت کے خانہ برانداز ہیں۔ اب بادشاہ دو مجبوریوں میں گھر جاتا ہے۔ نہ اس راز کو عوام پر ظاہر کر سکتا ہے

نہ اُسکے وزیر یا نائب سے درگذر کر سکتا ہے۔ مجبوراً وہ کرگذرتا ہے جو ظاہر میں نہ کرنا چاہیئے
وہ جانتا ہے کہ عوام تو کیا خواص بھی اُسکو معذور نہ دیکھیں گے۔ لیکن ضرورت کسی کی نکتہ چینی
کی پروا نہیں کر سکتی شخصی حکومت کا زور مامون کے عہد میں بھی پوری قوت کے ساتھ
قائم تھا لیکن وہ اس بدعت کا موجد نہیں ہے۔ اور اگر اُسکی چلتی تو اس حالت میں ایک
مفید انقلاب پیدا ہو جاتا۔ بنو امیہ اور عباسیہ دونوں نے اپنے طریق عمل سے خلافت اسلام کو
خاندانی ترکہ قرار دیا تھا۔ مامون پہلا شخص ہے۔ جس نے اس جابرانہ قانون کو مٹا دینا چاہا
اگرچہ افسوس ہے کہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اُس نے بڑی تحقیق اور تجربہ کے بعد ایک ایسے
برگزیدہ شخص کو ولیعہدی کے لئے انتخاب کیا۔ جو خاندان شاہی سے کچھ واسطہ نہیں رکھتے
تھے۔ بلکہ خاندان عباس اُنکے ساتھ ایک موروثی قرابت کا خیال رکھتا تھا۔ یہی بات تھی
کہ انکے انتخاب پر آل عباس دفعتہً برہم ہو گئے۔ اور تمام ملک میں بغاوتیں برپا ہو گئیں
تاہم مامون نے وہی کیا جو سچے کانشنس کی رو سے اُسکو کرنا چاہیئے تھا +

جب اُنکو زہر دیدیا گیا۔ اور مامون کو پورا تجربہ ہو گیا کہ جو خاندان ڈیڑھ سو برس سے
خلافت پر قبضہ کرتا آیا ہے وہ کسی طرح اپنے فرضی حق سے باز نہیں آسکتا۔ مجبورانہ اُس
نے بھی وہی کیا جو اُسکے اسلاف کرتے آئے تھے۔ تاہم اس بات سے کہ اُس نے اپنی
اولاد کو چھوڑ کر جو حکومت کی قابلیت بھی رکھتی تھی۔ اپنے بھائی کو منتخب کیا +

ایک ایسی عالی حوصلگی اور سچی بے غرضی کا ثبوت ملتا ہے۔ جو تمام تاریخ اسلام میں بینظیر
ہے۔ گو مامون کی اولاد خلافت کے ناقابل نہ تھی۔ مگر اسمیں شک نہیں کہ اُسکا لائق بھائی جو
اپنے عہد میں معتصم باللہ کے لقب سے پکارا گیا قابلیت سلطنت کے لحاظ سے حق فائق رکھتا تھا

مامون کے عہد میں دوسری قوموں کو جو حقوق حاصل تھے مہذب سے مہذب گورنمنٹ
میں بھی اُس سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ یہود۔ مجوس۔ عیسائی۔ لامذہب اُسکی وسیع حکومت
میں آزادی سے بسر کرتے تھے۔ خاص دارالخلافہ بغداد میں بہت سے گرجے اور چرچ نئے

تعمیر ہوئے موجود تھے۔ جن میں رات دن ناقوس کی صدائیں گونجتی رہتی تھیں۔ دربار میں ہر مذہب وملت کے علما وفضلا حاضر رہتے تھے۔ اور مامون اُنکے ساتھ نہایت عزت وتوقیر سے پیش آتا تھا۔ جبرئیل بن بختیشوع جو ایک عیسائی فاضل تھا اُسکی اس قدر توقیر کرتا تھا کہ عام حکم دیدیا تھا کہ جو شخص کسی ملکی عہدہ پر مقرر کیا جائے پہلے جبرئیل کی خدمت میں حاضر ہو[۱]

خراسان میں جو کالج بنوایا تھا اُسکا پرنسپل یعنے مہتمم اعظم ایک عیسائی کو مقرر کیا۔ جس کا نام یشوع تھا۔ اُسکی بے تعصبی کے ثبوت کے لئے ہم ذیل کی حکایت کافی سمجھتے ہیں۔ جسکی نظیر آج بھی کسی مہذب ملک میں نہیں مل سکتی؞

عبد المسیح بن اسحق کندی جو ایک عیسائی عالم اور معزز ملکی عہدے پر ممتاز تھا مامون کے ایک عزیز کا دلی دوست تھا؞

اُس ہاشمی نے عبد المسیح کو نہایت نرم لفظوں میں ایک دوستانہ خط لکھا کہ "اگر آپ مذہب اسلام قبول کرلیں تو خوب ہو مجھکو افسوس ہے کہ ایک ایسے سچے مذہب کی طرف جیسا اسلام ہے ابتک آپ مائل نہیں ہوئے ہیں" اس خط کے جواب میں عبد المسیح نے جو کچھ لکھا کوئی شخص جب تک خود نہ دیکھ لے اُسکا اندازہ نہیں کرسکتا۔ اُس برگزیدہ راہنمائے خلق یعنی محمد مصطفٰے صلعم اور قرآن مجید وصحابہؓ کی نسبت وہ الفاظ لکھے کہ سن کر دل کانپ جاتا ہے یہ پورا خط جو ایک رسالہ کی شکل میں ہے بمقام لنڈن مطبع گلبرٹ اور رونگٹن تھوڑے دن ہوئے چھاپا گیا ہے۔ میں نے خود اُسکو دیکھا۔ اور ناظرین کو یقین دلاتا ہوں کہ دیکھنے کے وقت ایک ایک حرف پر میرا دل لرزجاتا تھا۔ اگر آج عبد المسیح زندہ ہوتا تو تعزیرات ہند کے اثر سے کبھی نہ بچ سکتا۔ مامون کے سامنے یہ خط پیش ہُوا تو اُس نے پڑھکر صرف یہ لکھا۔ کہ "جو مذہب دُنیا کے کام کا ہے وہ زردشت کا مذہب ہے۔ اور جو محض آخرت کے لئے مفید ہے وہ عیسائی مذہب ہے۔ لیکن دین ودنیا دونو کیلئے جو مذہب موزوں ہے وہ اسلام ہے؞"

---

[۱] دیکھو طبقات الاطبا ترجمہ جبرئیل بن بختیشوع ۱۲ [۲] انسائکلوپیڈیا برٹانیکا۔ ذکر مامون الرشید ۱۲

افسوس ہے کہ اس پر بھی یورپین مصنفین کو تسکین نہیں ہے۔ اور وہ تاریخی تصنیفات میں ہمیشہ بادشاہان اسلام پر ایسے طریقے سے حملے کرجاتے ہیں جسکی اصلی زد اسلام پر پڑتی ہے۔ ناواقف مورخین تو ایک طرف مسٹر پامر صاحب جنکی عربیت کا ہم کو بھی اعتراف ہے اور جنکی نظم و نثر عربی و فارسی کا مجموعہ حال میں چھاپا گیا۔ تاریخ ہارون الرشید کے صفحہ ۲۲۴ میں لکھتے ہیں کہ اُسکے بیہودہ درباریوں نے یہ بات اُسکے ذہن نشین کردی تھی بلکہ کل پیرواسلام اسبات کو اُسوقت میں اور کچھ مسلمان اب بھی سمجھتے ہیں کہ کافر خدا کی مخلوق ہی نہیں کہا جاسکتا +

ہم نہیں جانتے پامر صاحب کو ایسے محیط اور عام اتہام کی جرأت اپنی عامیانہ تاریخ دانی پر کیوں ہوئی۔ جس تاریخ پر اُن کو ناز ہے۔ وہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ پامر صاحب اگر یہ بات یاد رکھتے تو اچھا ہوتا کہ جب خدا کی دنیا مسلمان فتحمندوں کے ہاتھ میں دیدی گئی تھی۔ تو جن لوگوں نے ہزاروں لاکھوں چرچ اور گرجوں کی حفاظت کا قطعی معاہدہ لکھدیا وہ خلفائے راشدین تھے۔ جو ہر زمانہ میں مسلمانوں کے راہنمائے کل مانے گئے ہیں۔ کیا عمر بن عبدالعزیز جنہوں نے دمشق کے عامل کو فرمان بھیجا کہ ولید نے گرجے کو توڑ کر مسجد میں جو اضافہ کر لیا تھا وہ ڈھادیا جائے۔ اور عیسائیوں کو اجازت دیدی جائے۔ کہ وہاں پھر اپنا گرجا بنالیں[۵۱]" عمر ثانی نہیں تسلیم کئے گئے ہیں۔ اور کیا وہ لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے جائز قائم مقام نہ تھے۔ کیا خاص دولت عباسیہ کے عہد میں دارالخلافہ بغداد میں سینکڑوں ہزاروں عالیشان نئے گرجے نہیں تعمیر ہوئے۔ جہاں نہایت آزادی سے ہر ایک قسم کی مذہبی رسوم ادا کی جاتی تھیں۔ پامر صاحب کے ہم خیال مصنفین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اگر اُن کو شبہ ہو تو دیر الروم۔ دیر اشمونی۔ دیر الثعالب دیر ورثادیہ۔ دیر الس دیر سمالو۔ دیر عذاری۔ دیر العارصیہ۔ دیر الزریقیہ۔ دیر الزندرود کے حالات معجم البلدان[۵۲] میں پڑھیں۔ عضد الدولہ دیلمی کہ دیلمی خاندان کا سرتاج اور خلافت بغداد کی قسمت کا مالک تھا۔ اُس کا وزیر نصر بن ہارون ایک عیسائی رئیس زادہ تھا۔ اُسی نے عضد الدولہ کی خاص اجازت سے تمام ممالک اسلامی میں چرچ اور گرجے تعمیر کرائے[۵۳] + بیشبہ مسلمانوں میں ایسے بھی تنگدل لوگ گذرے ہیں جو دوسرے مذہبوں کی آزادی کو

---

[۵۱] فتوح البلدان صفحہ ۱۲۵ [۵۲] بغداد میں عیسائیوں کے اور بہت سے گرجے تھے۔ لیکن ہم نے مشہور اور ممتاز گرجوں کے نام لکھے ہیں بعض گرجے خاص خاص تیوہاروں کے لئے مخصوص تھے۔ جہاں اوقات معینہ پر بڑا مجمع ہوتا تھا۔ اور بڑی شان و شوکت سے عیسائی اپنے مراسم مذہبی ادا کرتے تھے۔ [۵۳] دیکھو روضۃ الصفا و حبیب السیر ذکر سلطنت عضد الدولہ ۱۲

صدمہ پہنچاتے تھے۔ لیکن یہ شخصی حالتیں ہیں اور اُن سے عام راے کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ ہم کو معلوم ہے کہ علی بن سلمان گورنر مصر نے مصر کے تمام گرجے ڈھا دیئے تھے لیکن اسی کے ساتھ ہم اس سے بھی واقف ہیں کہ عیسٰی بن موسیٰ[١] جو خاندان عباسی سے تھا اور ۱۷۱ھ میں مصر کا گورنر مقرر ہوا۔ خاص سرکاری خزانہ سے کل گرجے نئے سرے سے تعمیر کرائے۔ مسلمانوں کی حکومت میں دوسرے مذہب والوں کو جو ملکی عہدے ملتے رہے ہیں کون گورنمنٹ اُس سے بڑھکر دے سکتی ہے۔ تاریخ ابن خلکان و فوات الوفیات میں ہم بہت سے یہودی اور عیسائیوں کے نام پاتے ہیں۔ جو مختلف وقتوں میں بڑے بڑے معزز عہدوں پر ممتاز رہے ہیں۔ آغاز اسلام سے عبد الملک بن مروان کی سلطنت تک شام و عراق کا دفتر رومی و فارسی زبان میں رہا اور اتنی وسیع مدت تک خراج کے محکمہ میں عموماً دوسری ہی قومیں سیاہ و سفید کی مالک تھیں۔ اکبر و جہانگیر کی فیاضیوں کو تو ہندوستان کا ایک ایک بچہ جانتا ہے عام میل جول کے لحاظ سے دیکھو تو تاریخ کے ہر صفحہ میں مسلمانوں کی بے تعصبی کی شہادت ملیگی۔ سینکڑوں عیسائی اور یہودی علماء جو عباسیوں کے دربار میں تھے اُن سے خلفاء کس بے تکلفی اور یگانگت سے ملتے تھے۔ جبرئیل جو ایک عیسائی فاضل تھا۔ اُسکو ہارون الرشید نے علاوہ بے انتہا جاگیروں اور صلوں کے یہ عزت دی تھی۔ کہ دربار میں جو شخص کوئی حاجت پیش کرنی چاہتا تھا اِسکو پہلے جبرئیل کی خدمت میں باضابطہ حاضر ہونا پڑتا تھا۔ اُسکا بیٹا بختیشوع جاہ و منزلت کے اس پایہ تک پہنچا کہ لباس و آرائش میں خلیفہ متوکل باللہ کا ہمسر گنا جاتا تھا[٢]۔ خلیفہ المعتصم باللہ حکیم سلمویہ کی بیماری میں خود عیادت کو جاتا تھا۔ اور جب اُس نے انتقال کیا تو ایک دن کھانا نہیں کھایا۔ اور حکم دیا۔ کہ اُس کا جنازہ دار الخلافہ میں لاکر رکھا جائے۔ اور اُسکے عزیز بخور و شمع کے ساتھ عیسائیوں کے طریقے کے موافق اس پر نماز پڑھیں۔ خلیفہ معتضد باللہ کے دربار میں جہاں تمام وزرا اور امرا دست بستہ کھڑے رہتے تھے صرف وزیر اعظم اور ثابت بن قرۃ کو جو ایک صابی المذہب عالم تھا بیٹھنے کی اجازت تھی۔ ایک دن معتضد اور ثابت بن قرۃ ہاتھ میں ہاتھ ڈالکر ٹہل رہے تھے۔ مگر دفعتہ معتضد نے ہاتھ کھینچ لیا۔ ثابت ڈر گیا۔ معتضد نے کہا ڈرو نہیں۔ میرا ہاتھ اوپر تھا۔ میں نے یہ گستاخی پسند نہ کی۔ اہل علم کا ہاتھ اوپر چاہیئے۔ ابتدا میں مسلمانوں نے ان ہی قوموں سے علوم و فنون سیکھے۔ اور جب خود استادی کے رتبہ پر پہنچے۔ تو کس سیر چشمی اور فیاضی سے اُنکو علوم و فنون کی تعلیم دے کر شاگردی کا حق ادا کیا۔ اُنکا باہمی اخلاص اور آپس کی دوستانہ گرم جوشیاں آج بھی تعجب کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ علامہ

ح١ دیکھو نجوم ظاہرہ فی تاریخ مصر و القاہرۃ۔ واقعات ۱۷۱ھ ۱۲

ح٢ طبقات الاطبار لابن ابی اصیبعۃ میں جبرئیل اور بختیشوع کے حالات پڑھو ۱۲

شریف الرضی نے جو مسلمانوں کے ایک بڑے فرقے کے پیشوائے مذہبی ہیں۔ ابواسحق صابی کا ایک حسرت انگیز مرثیہ لکھا کہ اُسکا ہم مذہب اور نہایت دلی دوست بھی لکھتا۔ تو اُس سے زیادہ دردانگیز اور پراثر نہ لکھ سکتا۔ اس سے زیادہ کیا ہوسکتا ہے کہ علامہ موصوف جب کبھی ابواسحق صابی کے مزار کی طرف گذرتے تھے تو ہمیشہ اُسکی تعظیم کے لئے سواری سے اتر پڑتے تھے۔ اور اس کی قبر کے سامنے سے پیادہ گذرتے تھے[1]+

ہم کو افسوس ہے کہ ہم نے بہت کچھ سمیٹ کر لکھا۔ تاہم موقع اور مقام کی حیثیت سے زیادہ لکھ گئے۔ ناظرین معاف فرمائیں۔ لیکن یہ خیال رکھیں۔ کہ ہماری اس بحث کے مخاطب صرف پامر صاحب نہیں ہیں۔ یورپ میں اُن کے اور بھی بہت ہم زبان ہیں۔ اور اسی خیال سے ہم نے اس بحث کو ذرا طول دے دیا +

ان باتوں پر بھی مامون کی تاریخ کو بے داغ نہیں کہ سکتے ہم کو ڈر ہے کہ آگے چلکر جہاں مامون کے مذہب کا ذکر آئیگا۔ ایک خاص مسئلہ میں اُسکا مذہبی جنون دیکھ کر شاید ناظرین اُس کی تمام خوبیاں دفعۃً بھول جائیں +

ذوق علمی۔ رصدخانہ۔ زمین کی پیمائش۔ فنون فلسفیہ کے ترجمے علوم کی اشاعت

اگرچہ خاندانی جھگڑے بڑے زور بغاوتیں۔ روم کی مہمات۔ بار انتظام اتنے کام تھے جو مامون کے روزانہ اوقات اور دل و دماغ کو مصروف رکھتے تھے۔ تاہم اُس کے علمی ذوق پر غالب نہیں آسکتے تھے۔ جب وہ مصر گیا تو ایک شخص نے اُسکو مبارکباد دی۔ کہ آج عراق۔ حجاز۔ شام۔ مصر سب آپکے زیر نگیں ہیں اور رسول اللہ کے ابن عم ہونیکا شرف ان سب پر مستزاد ہے۔ مامون نے کہا ہاں مگر یہ آرزو ہنوز باقی ہے کہ مجلس عام میں شایقین حدیث جمع ہوں اور مستملی میرے سامنے بیٹھا ہو اور کہے کہ ہاں وہ کیا حدیث ہے میں بیان

[1] دیکھو نامہ دانشوران ناصری تذکرہ ابواسحق صابی۔ نامہ دانشوران میں اس مرثیے کے چند اشعار بھی نقل کئے گئے ہیں +

کرنا شروع کروں کہ حماد نے یہ روایت کی "الخ۔ بچپن میں وہ اسلامی علوم کو حد کمال تک حاصل کر چکا تھا۔ اب فلسفہ پر مائل ہوا اور دن رات اسی تذکرے میں بسر کرتا تھا۔ اس کے علمی ذوق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُسکی آستینوں پر اقلیدس کے مقالہ اولیٰ کی شکل پنجم کا طغرا بنا ہوا تھا کیونکہ یہ شکل اُسکو نہایت مرغوب تھی اسی وجہ سے عربی میں پانچویں شکل کو شکل مامونی کہتے ہیں۔ غالباً مامون کے سوا اور کسی بادشاہ اسلام کو یہ فخر حاصل نہیں ہے کہ اسکے نام سے کوئی علمی اصطلاح قائم ہوئی ہو +

ہارون الرشید کا قائم کیا ہوا بیت الحکمۃ موجود تھا جس میں پارسی۔ عیسائی۔ یہودی۔ ہندو مترجمین موجود تھے۔ اور فنون حکمت کے متعلق تصنیف اور ترجمے کرتے رہتے تھے۔ لیکن اب تک جو سرمایہ جمع ہوا تھا وہ مامون کے شوق علمی کیلئے کافی نہ تھا +

ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک محترم شخص تخت پر جلوہ فرما ہے۔ مامون نے نزدیک جاکر پوچھا "آپ کا اسم مبارک" تخت نشین نے کہا "ارسطو" مامون پر خوشی کی ایک کیفیت طاری ہوئی۔ پھر عرض کیا کہ "حضرت دنیا میں کیا چیز اچھی ہے" خیالی ارسطو نے جواب دیا "جسکو عقل اچھا کہے" دوبارہ مامون نے درخواست کی کہ مجھکو کوئی نصیحت ارشاد ہو۔ جواب ملا کہ "توحید اور صحبت نیک ہاتھ سے نہ دینا"[1] +

مامون یوں ہی فلسفہ پر مٹا ہوا تھا۔ ارسطو کی زیارت نے اور بھی آگ پر روغن کا کام دیا اُس نے قیصر روم کو خط لکھا کہ ارسطو کی جسقدر تصانیف مل سکیں۔ دار الخلافہ کو روانہ کی جائیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ بادشاہان اسلام کے معمولی خطوط قیصر و فغفور پر فرمان کا اثر رکھتے تھے۔ قیصر تعمیل ارشاد پر مستعد ہوا۔ مگر روم کی اطراف میں فلسفہ خود گمنام ہو چکا تھا۔ بڑی تلاش سے ایک راہب ملا جس نے پتہ دیا کہ یونان میں ایک مکان ہے جو قسطنطین کے زمانے سے مقفل ہے اور جتنے تاجدار اُسکے بعد تخت نشین ہوتے۔ قفلوں کی تعداد بڑھاتے گئے۔ قسطنطین نے

[1] اس خواب کا تذکرہ صاحب کشف الظنون نے ذکر حکمت میں اور علامہ ابن ابی اصیبعہ نے حنین کے ترجمے میں دو مختلف روایتوں کے ساتھ کیا ہے۔ میں نے جو روایت لکھی وہ نامہ دانشوران ناصری سے لکھی ہے +

فلسفہ کی تمام کتابیں ہر جگہ سے جمع کر کے اس مکان میں بند کرادی تھیں کہ اگر فلسفہ و حکمت کو آزادی ملی تو دین عیسوی کو سخت صدمے اُٹھانے پڑیں گے +

راہب کی ہدایت پر یہ پُرخطر خزانہ کھولا گیا۔ تو بہت سی کتابیں محفوظ ملیں۔ لیکن قیصر کو اب یہ خیال پیدا ہؤا کہ مسلمانوں کے ساتھ ایسی فیاضی مذہبًا ممنوع تو نہ ہو۔ ارکان دولت نے بمتفق اللفظ عرض کیا کہ "کچھ مضائقہ نہیں فلسفہ اگر مسلمانوں میں پھیلا تو اُنکے مذہبی جوش کو بھی ٹھنڈا کر کے رہیگا" قیصر نے بھی یہی مناسب سمجھا اور پانچ اونٹ لادکر خاص فلسفہ کی کتابیں مامون کے پاس روانہ کیں۔ مامون نے تصنیفات ارسطو کے ترجمے پر یعقوب بن اسحٰق کندی کو مامور کیا جو مختلف زبانوں کے جاننے اور تحقیقات علمی میں عمومًا بے نظیر مانا جاتا تھا مامون نے خود بھی حجاج بن المطر۔ یوحنا بن البطریق سلما کو جو بیت الحکمۃ کے مہتمم اور افسر تھے اس عرض سے روم بھیجا کہ اپنی پسند سے کتابیں انتخاب کر کے لائیں۔ آرمینہ۔ مصر۔ شام۔ سیپرس اور دوسرے مقامات میں بھی قاصد بھیجے اور لاکھوں روپے عنایت کئے کہ جسقدر صرف سے اور جس طرح ممکن ہو فلسفی تصنیفات بہم پہنچائیں۔ اسی زمانہ میں قسطا بن لوقا ایک عیسائی فلاسفر اپنے شوق سے روم گیا۔ اور فنون حکمت کی بہت سی کتابیں بہم پہنچائیں۔ مامون کو اُسکا حال معلوم ہؤا۔ تو بلا بھیجا۔ اور بیت الحکمۃ میں ترجمے کے کام پر مقرر کیا سہل بن ہارون کو جو ایک فارسی النسل حکیم تھا۔ مجوسیوں کے علوم و فنون کے ترجمے کی خدمت دی[۱] +

مامون کی التفات اور توجہ دیکھکر تمام دربار میں یہ جوش پھیل گیا۔ محمد و احمد و حسن نے جو مامون کے خاص ندیم اور ہندسہ جیل موسیقی میں استاد مشہور تھے۔ روم کے اطراف میں بہت سے ایلچی بھیجے اور فنون حکمیہ کی ہزاروں کتابیں منگوائیں۔ دور دراز ملکوں سے مترجم بلوائے۔ اور بیش قرار مشاہروں پر ترجمہ کرنیکے لئے نوکر رکھا جبریل بن بختیشوع المتوفی ۲۱۵ھ جو ایک عیسائی طبیب اور دربار خلافت کا بڑا رکن تھا۔ اُس نے بھی ترجمہ کے کام میں بڑی فیاضیاں دکھائیں +

---

[۱] یہ تمام تفصیل ہم اپنے رسالہ مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم میں لکھ چکے ہیں۔ اور اُس کو کسی قدر تغیر کے ساتھ یہاں نقل کیا ہے ۱۲

ہارونی و مامونی فیاضیوں نے مال و دولت کے اعتبار سے اُسکو ایک مستقل والئے ملک بنا دیا تھا[۱]

اس عہد میں جن کتابوں کے ترجمے ہوئے۔ وہ یونانی - فارسی - کالڈی - قبطی - شامی - زبانوں کی تھیں +

جن بادشاہوں سے دوستانہ تعلق تھا - چونکہ مامون کا میلانِ طبیعت اسی طرف پاتے تھے - اسی مذاق کے تحف و ہدایا بھیجتے تھے - ہندوستان کے ایک راجہ نے اپنی ریاست کے مشہور حکیم **دوبان** کو اُسکی خدمت میں بھیجا - اور خط میں لکھا کہ جو ہدیہ آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں - دنیا میں اُس سے بڑھکر مفید اور نامور او معزز تحفہ نہیں ہو سکتا - اُس حکیم نے کسی طرح معلوم کیا کہ ایوان کسریٰ میں ایک صندوق مدفون ہے جس میں نوشیروان کے وزیر کی ایک نہایت بے مثل تصنیف چھپا کر رکھی گئی ہے - مامون سے کہ کر اُس نے صندوق منگوایا کھولا گیا تو دیبا کے ٹکڑے میں لپٹا ہوا - قریباً سو ورق کا ایک رسالہ ملا مامون نے اُس کا ترجمہ سنا تو نہایت متاثر ہوا - اور فضل بن سہل سے مخاطب ہو کر کہا کہ خدا کی قسم کلام اسکو کہتے ہیں - وہ نہیں جو ہم لوگ کیا کرتے ہیں[۲] +

---

[۱] علامہ ابن ابی اصیبعہ نے اپنی تاریخ میں جبریل کی آمدنی و مصارف کا ایک مفصل نقشہ نقل کیا ہے - جو جبریل کے مرنے کے بعد اُسکے خزانے میں پایا گیا تھا - ہم اس موقع پر صرف آمدنی کی مدات لکھتے ہیں جس سے معلوم ہوگا - کہ خاندان عباسی نے کس بے نظیر فیاضی سے اپنے دربار میں اہل کمال جمع کئے تھے - اور یہ کہ اُن کی فیاضیوں میں مسلمان اور دوسری قومیں برابر حصہ رکھتی تھیں +

تفصیل آمدنی - عام صیغہ سے دس ہزار درہم ماہوار - خاص صیغہ سے پچاس ہزار درہم ماہوار - لباس کیلئے پچاس ہزار درہم ماہوار - خوراک کیلئے پانچہزار درہم ماہوار - روزہ کے آغاز میں پچاس ہزار درہم - فطر کے دن پچاس ہزار درہم - خلیفہ کی فصد کے دن ہر دفعہ پچاس ہزار درہم - دوا پلانے کیلئے سال میں دو بار پچاس ہزار درہم - اسکے علاوہ خاندان شاہی اور دربار وزارت سے جو روزینے مقرر تھے اُنکی تفصیل یہ ہے :-
زبیدہ خاتون پچاس ہزار درہم سال - عباسیہ پچاس ہزار درہم - فاطمہ ستر ہزار درہم - عیسےٰ بن جعفر پچاس ہزار درہم - ابراہیم بن عثمان تیس ہزار درہم - یحییٰ بن خالد برمکی چھ لاکھ درہم سال - جعفر برمکی بارہ لاکھ درہم - فضل بن یحییٰ چھ لاکھ درہم - فضل ابن الربیع پچاس ہزار درہم - ۱۲

[۲] واسطہ السلوک - مطبوعہ ٹونس صفحہ ۶۴ و ۶۵ +

حجاج بن یوسف کوفی۔ قسطا بن لوقا بعلبکی۔ ابوحسان سلمان۔ حنین ابن اسحاق سہل بن ہارون۔ ابوجعفر یحییٰ ابن عدی۔ محمد بن موسیٰ خوارزمی۔ حسن بن شاکر۔ احمد بن شاکر۔ علی ابن العباس بن احمد جوہری۔ یعقوب کندی۔ یوحنا بن ماسویہ۔ ابن البطریق۔ محمد بن شاکر۔ یحییٰ بن ابی المنصور مامون کے دربار کے مشہور مترجم۔ اور بیت الحکمت کے مہتمم تھے۔ ان مترجموں میں سے اکثر کی تنخواہیں آجکل کے حساب سے ڈھائی ڈھائی ہزار روپے ماہوار تھیں۔ ترجمہ کا کام دولت عباسیہ میں خلیفہ منصور کے عہد سے شروع ہوا۔ اور ایک مدت تک بڑے اہتمام سے جاری رہا۔ یہ کہنا قریباً صحیح ہے کہ یونان۔ اٹلی۔ وسسلی واسکندریہ کا کوئی علمی سرمایہ ایسا باقی نہیں رہا جو ترجمہ کے ذریعے سے عربی زبان میں منتقل نہیں ہوا۔ یہی چیز ہے جسکی وجہ سے علمی دنیا میں دولت عباسیہ کی شہرت کی آواز بازگشت آج تک آرہی ہے ✣

لیکن بالخصوص مامون الرشید کا دور اس فخر کے تاج کا طرہ ہے۔ مامون کے سوا اور عباسی خلفاء مثل ہارون الرشید وابن معتصم وغیرہ علوم فلسفیہ میں محض ناواقف یا برائے نام واقف تھے۔ اور اسوجہ سے اُسکے اہتمام وتوجہ کا اثر وہ نہیں ہوسکتا تھا جو ایک ماہر فن کا ہوسکتا تھا۔ اس سے زیادہ یہ کہ خوش قسمتی سے یا مامون کی رتبہ شناسی سے مامونی عہد کے مترجم زباندان ہونیکے علاوہ حکیم اور مجتہد الفن بھی تھے۔ یعقوب کندی جو اُسکے دربار کا بڑا مترجم تھا مسلمانوں میں ارسطو کا ہم پلہ تسلیم کیا گیا ہے۔ سلیمان بن حسان نے لکھا ہے کہ اسلام میں کندی کے سوا اور کوئی شخص فلاسفر کے لقب سے ممتاز نہیں ہوا۔ وہ طب۔ حساب۔ منطق۔ موسیقی۔ ہندسہ۔ طبائع۔ اعداد۔ نجوم کا بہت بڑا ماہر تھا[۱] ✣ ان علوم میں اُسکی مستقل تصنیفیں موجود ہیں۔ علامہ ابن اصیبعہ نے اپنی کتاب طبقات الاطبا میں اُسکی تصنیفوں کی ایک مکمل فہرست لکھی ہے۔ جس میں دوسو بیاسی کتابوں

[۱] دیکھو طبقات الاطباء حالات یعقوب کندی۔ میں نے جو کچھ اس حکیم کی نسبت لکھا ہے۔ اسی معتمد کتاب سے لکھا ہے۔ جو آپ نے طب میں ایک بے نظیر تصنیف کی ہے ۱۲

تھوڑے دنوں کے بعد۔ زینت خاتون کا (جو تمام خاندان عباس میں نہایت محترم تھیں) ایک عزیز فرزند مرگیا۔ مامون نے بجائے اسکے کہ جنازہ میں شریک ہوتا۔ یا خود تعزیت کو جاتا۔ صالح کو اپنی طرف سے بھیجا کہ عذرخواہی کے ساتھ ماتم پرسی کر آئے اس بے پروائی سے زینت خاتون کو اسقدر رنج دیا کہ اُن کو عظمت خلافت کا بالکل خیال نہ رہا۔ اور مامون کی طرف اشارہ کر کے یہ شعر پڑھا۔

سبکناہ ونحسبہ لجینا   فابدی الکیر عن خبث الحدید

ترجمہ۔ ہم نے اُسے تایا تو چاندی خیال کیا تھا۔ لیکن بھٹی نے ظاہر کر دیا۔ کہ زنگ آلود لوہا ہے" پھر صالح سے کہا کہ مامون سے جا کر کہنا۔

(اے[۱] مراجل کے لونڈے! اگر آج یحییٰ بن الحسین ہوتا۔ تو تُو منہ پر دامن رکھ کر جنازہ کے پیچھے دوڑ جاتا)[۵۱]

یہ عجیب بات ہے کہ مامون کی اس فیاضانہ مراعات کو ہمارے مورخین شیعہ پن کا اثر خیال کرتے ہیں۔ مامون کو بے شبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت پُرجوش اور محبت آمیز عقیدت تھی۔ اس کا لازمی اثر تھا) کہ خاندان نبوت کے ساتھ بھی اسکو دلی اخلاص ہو۔ اس مراعات کا ایک اور سبب تھا جس کو خود مامون نے ایک موقع پر بیان کیا ہے۔ اُس نے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمان خلافت میں ایک بنی ہاشم کو بھی کوئی ملکی عہدہ نہیں دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس خاندان کے ساتھ کچھ فیاضی نہ کی۔ لیکن علی مرتضیٰ جب ہوئے۔ تو عبداللہ بن عباس کو بصرہ۔ عبیداللہ کو یمن معبد کو مکہ قثم کو بحرین کی حکومت دی۔ اور آل عباس میں کوئی باقی نہیں رہا۔ جسکو حکومت میں کچھ حصہ نہ ملا ہو۔ ہمارے خاندان پر یہ قرض باقی چلا آتا تھا۔ جس کو اب میں نے ادا کیا ہے[۵۲]

---

[۱] یہ مامون کے کنیز زادہ ہونے کی طرف اشارہ ہے ۱۲ [۵۱] کامل ابن الاثیر ذکر سیرت مامون ۱۲
[۵۲] تاریخ الخلفا سیوطی ۱۲

معاصر سلطنتیں

ہم مختصر طور پر بتانا چاہتے ہیں کہ جس زمانہ میں مامون دنیا کے بڑے بڑے حصوں پر نہایت عظمت و جلال کے ساتھ حکمرانی کر رہا تھا۔ اُس وقت اُسکی معاصر سلطنتیں ترقی کے کس پایہ پر تھیں *

انگلینڈ کا تنگ رقبہ سات چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں منقسم تھا جن کے نام یہ ہیں[1] کینٹ۔ سسکس۔ ویسکس۔ ایسکس۔ نادمبرلینڈ۔ مرشیا۔ ایسٹ انگلیا۔ یہ سب بادشاہ جن کو ٹئیس کہنا چاہیئے آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ اور جو شخص ان میں کسی قدر غلبہ حاصل کر لیتا تھا۔ اُسکو بادشاہ انگلش کا پُرفخر لقب ملتا تھا۔ ۸۲۷ء میں اگبرٹ (Egbert) بادشاہ ویسکس اپنے تمام حریفوں پر غالب ہوگیا۔ اور قریباً تمام انگلینڈ میں اُسکی فتوحات پھیل گئیں۔ لیکن قبل اُسکے کہ وہ اپنے فتوحات کی بنیاد مستحکم کرسکے۔ ڈینس (Danes) کا حملہ شروع ہوگیا۔ اگبرٹ نے ۸۳۶ء میں انتقال کیا۔ جرمن۔ اٹلی۔ ہنگری ایسی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ جن کے لئے سلطنت کا لقب نہ تہذیب و شائستگی کے لحاظ سے موزوں تھا۔ نہ جمعیت و طاقت کے اعتبار سے شارلمین شاہنشاہ فرانس نے ۸۰۰ء میں ان ریاستوں کو فتح کامل حاصل کرنیکے بعد اپنی حدود و حکومت میں داخل کر لیا۔ اور ایک سلطنت اعظم کی بنیاد قائم کی۔ یورپ کے مورخوں نے اُس کی عظمت و شان کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ اُس نے اپنے معاصر ہارون الرشید اعظم سے دوستانہ راہ و رسم پیدا کی۔ اور سفارت و ہدایا بھیجے فرانس کے مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سفارت کے جواب

---

[1] ان ناموں کا صحیح تلفظ انگریزی میں یہ ہے :-

(1) Kant. (2.) Sussex. (3) Wessox. (4) Essex. (5) North Enmberland. (6) Mercia. (7) East Anglla.

میں ہارون الرشید نے جو شاہانہ تحفے بھیجے اُن میں ایک گھڑی بھی تھی[1] جس کی کمال صنعت پر تمام دربار حیرت زدہ ہوگیا۔ اور فرانس میں گھڑی کا رواج اُسی زمانے سے شروع ہوا۔ عربی تاریخوں میں اس سفارت کا بالکل ذکر نہیں ہے اور اس وجہ سے مسٹر پامر صاحب کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی سلطنت چونکہ اُس وقت نہایت عروج پر تھی۔ اسلیئے اُس سے مخبریہ رابطہ قائم کرنے کیلیئے یورپ میں یہ قصے خود ایجاد ہوگئے[2] شارلمین نے ۸۱۴ء میں انتقال کرگیا۔ اُسی کے ساتھ عظمت سلطنت کا بھی خاتمہ ہوگیا +

قسطنطنیہ میں میکل اول و میکل دوم وٹیوفلس پسر میکل دوم مامون کے معاصر تھے۔ یہ خاندان اکثر دولت عباسیہ کو خراج کے طور پر کسی قدر سالانہ رقم ادا کیا کرتا تھا۔ بعض تخت نشینوں نے کبھی کبھی سرتابی کی۔ مگر عباسیوں نے اپنی قاہرہ فتوحات سے اُنکو بتادیا کہ اُنکے حق میں صلح بہرحال جنگ سے زیادہ مفید ہے۔ ناظرین کو چاہیئے۔ کہ اس موقع پر مامون کی فتوحات پر ایک بار اور نظر ڈالیں +

غرض دنیا میں اُسوقت جتنی سلطنتیں موجود تھیں۔ سلطنت عباسیہ سے کچھ نسبت نہیں رکھتی تھیں۔ لیکن خاندان بنی امیہ جو اسپین میں فرمانروا تھا۔ عباسیہ کا حریف مقابل تھا۔ حکم بن ہشام جو ۱۸۰ھ میں تخت نشیں ہؤا۔ اور عبدالرحمٰن اوسط جو ۲۰۷ھ میں تخت حکومت پر بیٹھا۔ یہ دونو اموی خلیفہ مامون کے معاصر تھے۔ اور اگر وسعت سلطنت کے اعتبار سے نہیں تو فتوحات یورپ کے لحاظ سے وہ صحیح طور پر مامون کی ہمسری کا دعوٰے کرسکتے تھے۔ حکم نے فوج کو بہت ترقی دی اور علم کی نہایت قدردانی کے ساتھ سرپرستی کی۔ عبدالرحمٰن اوسط نے یورپ پر بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ اسپین میں بے شمار مسجدیں بنوائیں۔ خلفائے بنی اُمیہ میں وہ پہلا تخت نشین ہے جس نے سلطنت کے اصول و قواعد منضبط کیئے +

[1] اس گھڑی کا حال کشف الجناعن فتوح الادباء میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے تعجب ہے کہ یہ پہلی ایجاد آجکل کی نہایت اعلےٰ قسم کی صنعت کے برابر تھی ۱۲
[2] دیکھو تاریخ ہارون الرشید مصنفہ پامر صاحب مطبوعہ لنڈن صفحہ ۲۲۰ +

ارکین دربار اور ملکی عہدے

ہر سلطنت میں بعض اہل دربار اور عہدہ داران ملک اپنے زور لیاقت اور حسن تدبیر سے ایسا اقتدار حاصل کر لیتے ہیں کہ ان کے کارنامے سلطنت کی تاریخ کا ایک ضروری حصہ بن جاتے ہیں اور اسلیئے اُنکے عام حالات زندگی پر بھی ایک اجمالی نگاہ ڈالنا مورخ کا فرض ہو جاتا ہے - اسکے علاوہ ایک بڑا سبب ہے جسکی وجہ سے ہم درباریوں اور عہدہ داروں کا مختصر طور پر تذکرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں +

خلفائے راشدین کے بعد مسلمانوں میں شخصی حکومت شروع ہو گئی - جس کی بنیاد امیر معاویہ نے ڈالی تھی - اُس وقت سے آج تک جہاں جہاں اسلامی حکومت قائم ہوئی شخصی اختیارات کے اصول پر قائم ہوئی جسکا ایک لازمی خاصہ یہ تھا کہ فرمانروائے وقت کسی عام ملکی قانون کا پابند نہیں ہوتا تھا - شریعت کے مسلمہ اصول بھی ہمیشہ اُس کی ذاتی خواہشوں کے سانچے میں ڈھالے جاتے تھے اسی طرح اُس کے نائبان سلطنت اور عمال اپنے اپنے اختیارات کی حدود تک گویا خود مختار فرمانروا ہوتے تھے اس لئے ہم کو اگر کسی عہد کے امن و انصاف کی نسبت کوئی رائے قائم کرنی ہو تو ضرور ہے کہ سلطان وقت اور عہدہ داران سلطنت کی ذاتی لیاقت اور طریق عمل پر بھی نگاہ ڈالیں مامون کے عمالوں اور عہدہ داروں کے حالات لکھنے سے پہلے مختصر طور پر ہم ان کی تعیین اور اُن کے فرائض لکھتے ہیں - اُسوقت بڑے بڑے ملکی عہدے جن پر سلطنت کی بنیاد قائم تھی - یہ تھے ؛ -

وزارت - کتابت - شرطہ (پولیس) - قضا - عدالت - ولایت +

وزارت - یہ سب سے بڑا منصب تھا - اور حق یہ ہے کہ عملی طور سے وزیر اعظم کے اختیارات - بادشاہ کے اختیارات سے زیادہ وسیع اور با اثر ہوتے تھے +

وزارت کے مختلف درجے تھے اور ہر صیغہ کے وزیر الگ الگ مقرر تھے۔ مثلاً وزیر القلم۔ وزیر الحرب۔ وزیر الخراج۔ ان سب سے بالاتر وزارت اعظم کا منصب تھا۔ جو ذوالریاستین یعنی وزیر الحرب و القلم کے معزز خطاب سے مخاطب ہوتا تھا۔ اسی رعایت سے اُس کا امتیازی پرچم جس نیزے پر آویزاں ہوتا تھا اُسکے دو پھل ہوتے تھے +

کتابت۔ کاتب کا رتبہ عظمت اور رسوخ کے اعتبار سے قریباً وزیر کے رتبہ کے ہم پلہ تھا۔ وہ تمام فرامین۔ احکام۔ توقیعات سلطنتہائے غیر کے معاہدے اپنی خاص عبارت میں لکھتا تھا جن پر وہ اپنے دستخط ثبت کرتا تھا۔ اور دونو کناروں پر سرخ روشنائی سے شاہی مہر لگاتا تھا۔ اسکے علاوہ اُن تمام عرضیوں پر جو ہر روز ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ مختلف مقاصد کیلیئے بادشاہ کی خدمت میں بالذات یا بالواسطہ گذرانتے تھے بادشاہ کی ہدایت سے نہایت مختصر اور بلیغ عبارت میں مناسب احکام لکھتا تھا۔ اسمیں اس قدر کمال بہم پہنچایا گیا تھا۔ کہ جعفر برمکی کی عام توقیعات بازار میں ایک ایک اشرفی کو بکتی تھیں اور فن انشا کے شائق بڑے شوق سے مول لیتے تھے +

قضا۔ قاضی جس کو جج وجیٹس کہا جا سکتا ہے۔ اُسکو فیصل مقدمات کے علاوہ یتیموں اور مجنونوں وغیرہ کی جائداد کا انتظام۔ مفلسوں کی خبر گیری۔ وصیتوں کی تعمیل بیواؤں کی تزویج (جب کوئی والی نہ ہو) اس قسم کے کام سپرد تھے۔

معدل دفتر قضا سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس کے پاس ایک رجسٹر ہوتا تھا جس میں ثقہ اور ساقط العدالت لوگوں کے نام درج ہوتے تھے۔ مقدمات کی پیشی کے وقت گواہوں کے اعتبار و عدم اعتبار کا مدار بہت کچھ اُس کے رجسٹر پر ہوتا تھا۔ اُسکے علاوہ عام حقوق اور مشتبہ جائدادوں و قرضوں کے کاغذات مرتب رکھتا تھا اور عموماً دستاویزات کی رجسٹری اُس کے دفتر میں ہوتی تھی۔ یہ بڑی ذمہ داری کا عہدہ تھا اور اس لیئے نہایت مشہور راستباز اور ثقہ لوگ اس منصب کیلیئے انتخاب کیئے جاتے تھے +

محتسب کو ان باتوں کی خبر گیری رکھنی پڑتی تھی۔ بازاروں۔ یا مجامع عام میں کوئی امر خلاف شریعت نہ ہونے پائے۔ جانوروں پر اُن کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لادا جائے کشتی میں زیادہ آدمی نہ سوار ہونے پائیں۔ راستہ پر یا سڑک پر جو مکانات گرنے کے قریب ہوں۔ اُن کو اُن کے مالکوں سے کہ کر گروا دے۔ جو معلمین لڑکوں پر زیادہ سختی کرتے ہوں۔ اُن کو سزا دے۔ کوئی شخص ترازو یا پیمانہ وزن سے کم نہ رکھنے پائے۔ محتسب کے ساتھ بہت سے سرکاری پیادے ہوتے تھے اور وہ بازاروں اور گلی کوچوں میں گشت کرتا رہتا تھا۔

ولایت۔ والی یا عامل علیٰ اختلاف مراتب کلکٹر۔ کمشنر۔ لفٹنٹ گورنر اور بعض حالتوں میں گورنر کے برابر ہوتے تھے[۱]۔

مامون کے دربار میں جو لوگ یکے بعد دیگرے وزارت اعظم کے منصب پر ممتاز ہوئے اُنکے نام یہ ہیں۔ فضل بن سہل۔ حسن بن سہل (یہ دونو حقیقی بھائی تھے) احمد بن ابی خالد احول۔ ثابت بن یحییٰ۔ محمد بن یزدار۔ لیکن وزارت اعظم کا اصلی جاہ و جلال فضل بن سہل کے دم تک قائم رہا۔ اور شاید اُسکے برابر تنخواہ بھی یعنے تیس لاکھ درہم ماہوار کسی اور کی نہیں مقرر ہوئی۔ اسی بنا پر بعض مورخوں نے خیال کیا ہے کہ فضل کے بعد یہ عہدہ توڑ دیا گیا۔ اور حسن وغیرہ جو وزرا مشہور ہیں در اصل کاتب کا منصب رکھتے تھے۔

فضل نسباً و مذہباً مجوسی تھا۔ اور سنہ ۱۹۰ھ میں مامون کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا۔ جعفر برمکی نے ہارون الرشید کی خدمت میں اس تقریب سے اُسکو پیش کیا کہ شہزادہ مامون کی صحبت کے لائق ہے۔ لیکن جب ہرون نے امتحاناً دربار میں طلب کیا۔ تو شاہانہ عظمت و جلال کا ایسا اثر ہوا کہ فضل حیرت زدہ رہ گیا۔ اور آداب سلام کے معمولی الفاظ بھی ادا نہ کر سکا۔ ہارون نے متعجبانہ جعفر کی طرف دیکھا۔ فضل نے بڑھکر عرض کی

---

[۱] ان تمام عہدوں کی تفصیل مقدمہ ابن خلدون میں مورخانہ طور سے لکھی ہے ۱۲

"امیرالمؤمنین! غلام کی سعادت کی یہ بڑی دلیل ہے کہ آقا کی ہیبت سے متاثر ہو" ہرون بھڑک اٹھا۔ اور جعفر کے انتخاب کی تعریف کی فضل شہزادگی کے زمانے میں مامون کا ندیم خاص رہا۔ اور چونکہ ابتدا میں اُسی کے پرزور ہاتھوں نے خلافت کی کشتی ڈوبنے سے بچائی تھی۔ مامون پر نہایت محیط ہوگیا تھا۔ اور دربار میں کسی شخص کو اُسکی مخالفت کا یارا نہ تھا۔ اس خود پرستی کے سوا فضل میں اور تمام خوبیاں تھیں۔ نہایت فیاض مدبر فرزانہ علم دوست تھا +

بڑے بڑے مشہور شعراء مثلاً صریع الغوانی۔ ابراہیم صولی۔ ابو محمد جو فن انشا کے بڑے ترقی دینے والے تھے۔ اُس کے دربار میں حاضر رہتے تھے۔ چونکہ فیاضی کے ساتھ عام طور پر حاجت روائے خلق تھا۔ ہر روز حاجتمندوں کا ایک بازار لگا رہتا تھا۔ چنانچہ اُس نے گھبرا کر ثمامہ بن اشرس سے کہا۔ میں ان لوگوں سے نہایت تنگ آگیا ہوں۔ ثمامہ نے کہا۔ آپ جس پایہ پر ہیں۔ اُس سے اتر آئیں تو ایک شخص بھی آپ کو تکلیف دینے آئیگا۔ اس موثر فقرے نے اُس کی فیاضی کو پہلے سے بہت زیادہ کر دیا +

ایک شخص نے اُسکو ایک رقعہ لکھا۔ جس میں کسی کی چغلی کھائی تھی فضل نے اُسکے حاشیہ پر لکھدیا کہ مَیں غمازی کے قبول کرنے کو غمازی سے بدتر سمجھتا ہوں کیونکہ غماز صرف راستہ بتاتا ہے اور قبول کرنیوالا خود اُس پر چلتا ہے + فضل علم نجوم کا بہت بڑا ماہر تھا۔ نجوم کا علم مصطلح معنوں میں صحیح ہو یا غلط۔ مگر فضل کی چند پیشین گوئیاں تاریخی شہادتوں سے ایسی صحیح ثابت ہوگئی ہیں کہ حسن اتفاق کی اس سے عجیب تر مثال نہیں ملسکتی۔ سنہ ۲۰۲ھ میں مامون کے اشارہ سے قتل کیا گیا۔ اُس کے اسباب میں ایک صندوق نکلا جس میں ایک حریر کے ٹکڑے پر یہ عبارت اُسکے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ فضل نے اپنی نسبت یہ فیصلہ کیا ہے کہ اڑتالیس برس زندہ رہے گا۔ پھر آگ اور پانی کے درمیان قتل کیا جاوے گا" چونکہ وہ حمام میں مارا گیا

تھا۔ اس لئے اُسکی یہ پیشین گوئی پورے طور سے صحیح تسلیم کی گئی[۵۱]+

حسن بن سہل - پہلے فارس۔ اہواز۔ بصرہ۔ کوفہ۔ یمن کا گورنر مقرر ہوا تھا فضل کے قتل ہونے کے بعد وزارت کے منصب پر ممتاز ہوا۔ اُسکی قدرشناسی۔ اور فیاضیوں کے فسانے عموماً مشہور ہیں۔ بوران اپنی بیٹی کی شادی جس شان و شوکت سے کی۔ اُسکو مامون کے حالات میں دیکھنا چاہیئے +

نہایت فصیح و بلیغ اور نکتہ شناس تھا۔ اُس کے دلآویز فقرے اور پر زور بلند تحریریں ادب کی تصنیفات میں اکثر مثالاً پیش کی گئی ہیں +

عام لوگوں کے ساتھ نہایت لطف و محبت سے پیش آتا تھا۔ اور داد خواہوں کے حال پر از بس توجہ رکھتا تھا۔ لوگوں کی سفارش کرنے پر اور تقصیرات کے معاف کرانے میں اُسکو ایک عجیب دلچسپی تھی۔ ایک شخص نے کچھ جرم کیا تھا حسن نے اُسکو شفاعت کا رقعہ لکھدیا۔ وہ نہایت شکر گذار ہوا۔ اور احسانمندی کے جوش میں دیر تک شکریے کے الفاظ ادا کئے۔ حسن نے کہا "شکر گذاری کی کیا بات ہے۔ شفاعت کرنا ہم لوگ جاہ وعزت کی زکوٰۃ سمجھتے ہیں" وہ اکثر کہا کرتا تھا۔ کہ "قیامت میں جس طرح مال کی زکوٰۃ سے سوال ہوگا۔ قدر و منصب کی زکوٰۃ کی بھی پُرسش ہوگی" +

افسوس ہے کہ حسن نے وزارت سے کچھ زیادہ عرصہ تک حظ نہیں اُٹھایا فضل کے قتل کا اسکو ایسا صدمہ پہنچا تھا کہ رات دن کے رونے اور فریاد کرنے سے مختل الحواس ہوگیا۔ اور آخر یہانتک نوبت پہنچی کہ پاؤں میں بیڑیاں پہنائی گئیں۔ سنہ ۲۳۶ھ میں بمقام سرخس وفات کی +

احمد بن ابی خالد احول حسن بن سہل کی درخواست پر اسکا قائم مقام مقرر ہوا تھا۔ مامون نے جب اُسکو مستقل کرنا چاہا۔ تو اُس نے انکار کیا۔ اور کہا کہ جو خدمت

---

۵۱ فضل و حسن کے حالات تاریخ ابن خلکان میں کسی قدر تفصیل سے مذکور ہیں +

فن میں کل زندگی بسر کردی ہے۔ مامون نے کہا اس مسئلے کے متعلق کتنی حدیثیں یاد ہیں؟ وہ ایک بھی نہ بتاسکا۔ مامون نے بیسیوں روایتیں بیان کیں اور سندوں کا ایک تار باندھ دیا کہ اس باب میں ہشیم نے یہ کہا ہے۔ حجاج نے یہ روایت کی ہے۔ ایک دوسرے محدث کا یہ قول ہے" پھر اُس شخص سے ایک دوسرا مسئلہ پوچھا۔ وہ اب بھی عاجز رہا۔ مامون نے اُسی طرح حدیث کے متعدد طریقے بیان کئے۔ اور درباریوں سے مخاطب ہوکر کہا کہ لوگ تین دن حدیث پڑھکر پھول جاتے ہیں کہ ہم بھی محدث ہیں۔ خیر تین درہم اُسکو دلاؤ"

ادب وشاعری میں وہ کمال بہم پہنچایا تھا کہ بڑے بڑے ماہرین فن اُس کی اُستادی کا اعتراف کرتے تھے۔ قدما اور شعرائے جاہلیت کے علاوہ شعرائے عصر کے مشہور قصائد اور قطعے اسکو نوک زبان یاد تھے۔ اور اس باب میں اُس کی شہرت ضرب المثل کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ علامہ **یزیدی** نے ایک بار خلیفہ واثق کی تعریف کی کہ تمام خلفائے عباسیہ میں واثق کے برابر کسی کو عرب کے اشعار نہیں یاد تھے۔ لوگوں نے نہایت متعجب ہوکر کہا۔ کیا مامون سے بھی زیادہ۔ یزیدی نے کہا "ہاں" مامون نے ادب میں نجوم اور طب اور منطق کو بھی ملا دیا تھا۔ لیکن واثق نے ادب کے سوا اور کسی فن کی طرف توجہ بھی نہیں کی" مامون کو اس ذوق شوق میں شان سلطنت کا بھی خیال نہ تھا۔ خود اُسکی ہجو میں دعبل وغیرہ نے جو لکھا تھا اُس کو حفظ یاد تھا۔ اور زبان کی شستگی کے لحاظ سے اُس کی تحسین کرتا تھا۔ خدا نے طبیعت ایسی موزون اور طباع عطا کی تھی۔ کہ شعرا اُسکی زود فہمی اور نکتہ سنجی پر حیرت زدہ ہوجاتے تھے۔ ایک موقع پر جب عمارت بن عقیل نے سو شعروں کا ایک مدحیہ قصیدہ پیش کیا تو ہر شعر پر مصرعۂ ثانی کے شروع ہونے سے پہلے **مامون** بتاتا گیا کہ یہ قافیہ ہے۔ اور اس پہلو سے بندھا ہوگا۔ عمارت نے حیرت زدہ ہوکر کہا۔ خدا گواہ ہے۔ اب تک اس قصیدہ کا ایک شعر بھی میں نے ظاہر نہیں کیا ہے۔ مامون نے کہا تم کو معلوم ہوگا کہ جب عبداللہ بن عباس کے سامنے ایک شاعر نے اپنا لکھا ہوا قصیدہ پڑھا تو وہ برابر دوسرا

مصرعہ پڑھتے گئے۔ میں اُنہیں کا فرزند ہوں۔ ایک بار اُس نے محمد بن زیاد اعرابی سے جو مشہور ادیب اور نساب تھا پوچھا کہ ہند کے اس مصرعہ میں نحن بنات طارق (ہم طارق کی بیٹیاں ہیں) طارق سے مراد کون ہے۔ محمد بن زیاد نے بہت خیال دوڑایا۔ مگر ہند کے خاندان میں طارق کسی کا نام نہ تھا۔ آخر عرض کیا حضور میں نہیں بتا سکتا۔ مامون نے کہا۔ یہاں طارق کے معنی ستارہ کے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کی اس آیت میں ہے۔ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ شاعر نے فخریہ اپنے کو ستارہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ محمد[2] نے عرض کیا کہ کوئی سند ارشاد ہو۔ مامون نے کہا میں خود مجتہد الفن اور مجتہد (ہارون الرشید) کا فرزند ہوں۔ یہ کہکر فخر کے جوش میں عنبر کا ایک غلہ جو ہاتھ میں لئے ہوئے تھا۔ محمد کی طرف پھینکا۔ محمد نے اس گرانبہا انعام کو جو پانچہزار درہم قیمت رکھتا تھا۔ بڑی خوشی سے قبول کیا۔ اور رخصت ہوا ✦

مروان بن ابی حفصہ اس زمانہ کا ایک مشہور شاعر تھا۔ ہارون الرشید نے اُسکو ایک قصیدہ پر اسپ خاصہ وخلعت اور پانچ ہزار دینار انعام میں دیئے تھے۔ چونکہ مامون الرشید باپ سے بھی زیادہ فیاض اور پایہ شناس تھا۔ مروان نے اس اُمید پر کچھ مدحیہ اشعار لکھے۔ اور مامون کو سنائے۔ لیکن اس بات سے کہ مامون نے نہ کچھ داد دی نہ اُس کے چہرے سے کچھ قبول کا اثر ظاہر ہوا۔ مروان کو سخت تعجب ہوا۔ دربار سے واپس آکر عمارۃ بن عقیل سے کہا۔ کیوں تمہاری کیا رائے ہے؟ میں تو خیال کرتا ہوں کہ مامون کو سخن فہمی کا مطلق مادہ نہیں ہے۔ (عمارہ) اجی!! مامون سے زیادہ اور کون نکتہ سنج ہو سکتا ہے (مروان) مگر میں نے تو اس کے سامنے یہ لاجواب شعر پڑھا۔ اور اُسکو ذرا جنبش نہ ہوئی ✦

اضحی امام الھدی المامون مشتغلا

بالدین والناس بالدنیا مشاغیل

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی ۱۲   [2] تاریخ الخلفاء سیوطی ۱۲

ترجمہ۔ لوگ دنیا کے کاروبار میں پھنسے ہیں لیکن امام۔ رہنما مامون دین میں مشغول ہے (عبارت) سبحان اللہ! اس شعر کی بھی آپ داد چاہتے ہیں۔ مامون نہ ہُوا کوئی بڑھیا ہوئی کہ محراب میں بیٹھی تسبیح پھرا رہی ہے۔ اگر مامون (جو بادسلطنت کا حامل ہے) دنیا کا کفیل نہ ہوگا تو اور کون ہوگا۔ امروان اب میں سمجھا کہ میری خطا تھی[۵۱]+

مامون کی خوش بیانی اور برجستہ گوئی کا عموماً لوگ اعتراف کرتے تھے۔ ثمامہ بن اشرس کا قول ہے کہ میں نے جعفر برمکی اور مامون سے زیادہ فصیح و بلیغ کسی کو نہیں دیکھا +

مامون کے خطبے اب بھی موجود ہیں جنکے ہر فقرہ سے شستہ بیانی اور زور طبیعت کی شہادت ملتی ہے اگرچہ اُسوقت خطبوں کا وہ زور شور نہیں رہا تھا جیسا جاہلیت یا آغاز اسلام میں تھا۔ اور خصوصاً پولٹیکل موقع پر تو اُسکی صدا بالکل ناپید ہوگئی تھی۔ تاہم جمعہ اور عیدین میں ابتک فصحا اپنی تیغ زبان کا جوہر دکھاتے تھے۔ لیکن آجکل کی طرح لکھکر آموختہ نہیں سناتے تھے۔ بلکہ جو کچھ کہتے تھے۔ زبانی اور معل کہتے تھے۔ اس قسم کے خطبے جو مامون نے مختلف وقتوں میں پڑھے کتاب العقد لابن عبد ربہ میں بالفاظہا مذکور ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ اُنکا نقل کرنا یہاں موزون نہ ہوگا۔ ناظرین میں سے عربی دان کتنے ہیں۔ اور ترجمہ کیا جاے تو وہ بات نہیں رہتی سخنوری کے لحاظ سے مامون ایک بلند مرتبہ شاعر تھا۔ اُس کے چند شعر جنکی نازک خیالی اور مضامین کی خوبی کا اندازہ کسی قدر ترجمے سے ہو سکتا ہے۔ ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں[۵۲]:-

لسانی کتوم لاسرارکم ۔۔۔ ودمعی نموم لسری مذیع

میری زبان تمہارے رازوں کو چھپاتی ہے لیکن آنسو غماز ہیں اور میرے راز کو فاش کر دیتے ہیں +

فلولا دموعی کتمت الھوی ۔۔۔ ولولا الھوی لم یکن لی دموع

اگر آنسو نہ ہوتے تو میں عشق کو چھپا سکتا۔ اور اگر عشق نہ ہوتا۔ تو آنسو ہی کیوں بہتے +

[۵۱] تاریخ الخلفاء سیوطی ۱۲ [۵۲] یہ اشعار فوات الوفیات و تاریخ الخلفاء و کامل ابن الاثیر و عقد الفرید سے جمع کئے گئے ہیں ۱۲

انا المامون والملك الهمامی ولکنی بحبك مستهام

میں مامون ہوں اور عظیم الشان بادشاہ ہوں۔ لیکن تیرے عشق میں سرگشتہ ہوں۔

اترضی ان اموت علیك وجدا ویبقی الناس لیس لهم امام

کیا تجھ کو یہ پسند ہے کہ میں تیرے عشق میں مرجاؤں۔ اور دنیا بے امام کے رہ جائے۔

بعثتك مرتادا انصرت بنظرة واغفلتنی حتے اسأت بك الظنا

میں نے تجھکو محبوب کی تلاش میں بھیجا۔ تو اُسکے دیدار سے کامیاب ہوا۔ اور مجھے بھول گیا۔ جس سے مجھکو تیری نسبت بدگمانی ہوئی +

فناجیت من اهوی وکنت مباعدا فیالیت شعری من دنوك ما اغنی

میرے محبوب سے تو نے سرگوشی کی اور میں دور تھا۔ ہائے! تیرا قرب (محبوب سے) میرے کس کام آیا؟

فیالیتنی کنت الرسول وکنت نی فکنت الذی تقصی وکنت الذی ادنی

کاش میں ہی قاصد ہوتا۔ اور تو بجائے میرے ہوتا یعنی تو محبوب سے دور ہوتا اور میں قریب ہوتا +

اری اثر امنه بعینك بینا لقد اخذت عیناك من عینیه حسنا

میں تیری آنکھوں میں علانیہ محبوب کا اثر دیکھتا ہوں بےشبہ تیری آنکھوں نے اُسکی آنکھوں سے حسن لے لیا ہے +

قاصد پر رشک کرنا شعرا کا ایک وسیع مضمون ہے۔ اور بہت سے نازک خیالوں نے اُسکے مختلف پہلو نکالے ہیں۔ عرفی نے قاصد سے گذر کر خود پیغام پر رشک کیا ہے اُسکا شعر یہ ہے :۔ شعر

بسوئے او نفرستم پیام ازاں ترسم کہ پر حکایت من مطلع شود پیغام۔

مگر نکتہ سنج سمجھ سکتا ہے کہ مامون نے اس مضمون کو کس کس طرح پلٹا ہے اور ہر بیت میں نئی جدت کے ساتھ بات میں بات نکالی ہے +

ایک بار عید کے دن مامون کے خوان کرم پر بہت سے معزز مہمان جمع تھے تین سو سے

زاید مختلف اقسام کے کھانے دسترخوان پر چنے گئے مامون ہر ایک کا خاصہ اور اثر بتاتا جاتا تھا کہ بلغمی مزاج کو یہ مفید ہے۔ سوداوی کو وہ نافع ہے جس کو صفرا کا زور ہو۔ وہ اس خاص قسم سے پرہیز کرے۔ جو تقلیل غذا کا عادی ہے وہ یہ کھائے۔ مامون کی ہمہ دانی پر تمام حاضرین محو حیرت تھے۔ قاضی یحییٰ بن اکثم سے نہ رہا گیا۔ بے ساختہ بول اُٹھے۔ کہ امیر المؤمنین آپ کی کس کس بات کی تعریف کی جائے۔ طب کا ذکر ہو تو آپ جالینوس وقت ہیں نجوم کی بات چھڑے تو ہرمس۔ فقہ کی بحث ہو تو علی مرتضےٰ۔ سخاوت میں حاتم۔ راست بیانی میں ابو ذر۔ وفا میں سموئل " اس سچی خوشامد سے بھڑک اٹھا۔ اور کہا کہ " ہاں آدمی کو جو شرف ہے عقل سے ہے۔ ورنہ خون اور گوشت میں کیا خوبی رکھی ہے +

مامون کے بعض دلآویز اقوال اس موقع پر نقل کرنا موزون ہوگا۔ جن سے اُسکے لطیف اور اعلےٰ فیاضانہ خیالات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اُسکا قول تھا کہ شریف وہ ہے جو بڑوں کو دبا لے۔ اور چھوٹوں سے خود دبے۔ عقلوں کی لڑائی دیکھنے سے دنیا میں کوئی تماشا عمدہ نہیں " دلیل سے غالب ہونا میں بہ نسبت زور سے غالب ہونیکے زیادہ پسند کرتا ہوں۔ آدمی تین قسم کے ہیں بعض ایسے ہیں جنکی ہر وقت ضرورت ہے۔ بعض بمنزلہ دوا کے ہیں کہ خاص وقتوں میں اُنکی ضرورت پڑتی ہے۔ اور بعض تو ایسے ہیں کہ بیماری کیطرح کسی حال میں پسندیدہ نہیں " پادشاہ کو لجاجت نہایت نازیبا ہے۔ اور اُس سے زیادہ یہ نازیبا ہے کہ قاضی فریقین کی تسکین نہ کر سکے۔ اور گھبرا جائے۔ اور ان سب سے زیادہ نا موزوں بوڑھوں کی ظرافت۔ جوانوں کی کاہلی۔ سپاہی کی بزدلی ہے۔ سب سے عمدہ مجلس وہ ہے جس میں لوگوں کے حالات سے واقفیت ہو "

لطیفہ مامون شطرنج کا بڑا شایق تھا۔ مگر اچھی نہیں کھیلتا تھا۔ اکثر کہا کرتا تھا۔ کہ عرصہ عالم کا بندوبست کرتا ہوں مگر دو بالشت کا انتظام نہیں کر سکتا +

مامون کا ایک مشہور مناظرہ جس میں اُسکا یہ دعوےٰ تھا کہ تمام صحابہ میں حضرت علی

افضل ترہیں[۱] ایک بڑے معرکے کا مناظرہ ہے۔ قاضی یحییٰ بن اکثم اور چالیس بڑے بڑے فقیہ اس دعوے کے مخالف تھے۔ ادھر مامون تنہا سب کا طرف مقابل تھا۔ مناظرہ کے وقت حاکمی اور محکومی کا پردہ اٹھا دیا گیا تھا۔ اور ہر شخص کو گفتگو میں پوری آزادی حاصل تھی صبح سے قریباً دوپہر تک دونو فریق نے داد سخن دی۔ مگر انصاف یہ ہے کہ میدان مامون کے ہاتھ رہا۔ یہ پورا مناظرہ کتاب العقدہ میں مذکور ہے۔ اور حق یہ ہے کہ مامون کی وسعت نظر جودت ذہن۔ کثرت معلومات حسن بیان۔ زور تقریر کا ایک حیرت انگیز مرقع ہے +

یوں تو مامون کی عام مجلسیں بھی علمی تذکروں سے خالی نہیں ہوتی تھیں لیکن سہ شنبہ کا دن مناظرہ کا مخصوص دن تھا۔ جس کا طریقہ یہ تھا۔ کہ صبح کچھ دن چڑھے ہر مذہب و ملت کے علماء اور ماہرین فن دربار میں حاضر ہوتے۔ ایک پر تکلف ایوان پہلے سے مرتب رہتا تھا۔ سب لوگ نہایت بے تکلفی سے وہاں بیٹھ گئے۔ خادم نے ہر شخص کے سامنے آکر عرض کیا کہ بے تکلفی سے تشریف رکھئے۔ اور چاہئے۔ تو پاؤں سے موزے بھی اتار ڈالئے پھر دسترخوان جو مختلف اقسام کے اطعمہ و اشربہ سے مزین ہوتا تھا۔ بچھایا گیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر سب نے وضو کیا۔ عود و لوبان کی انگیٹھیاں آئیں۔ کپڑے بسائے خوشبو ملی۔ خوب مطیب و معطر ہو کر دار المناظرہ میں حاضر ہوتے۔ اور مامون کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھے۔ مناظرہ شروع ہوا۔ مامون خود ایک فریق بنتا تھا۔ لیکن اس آزادی سے گفتگوئیں ہوتی تھیں۔ کہ گویا کسی شخص کو یہ معلوم ہی نہیں۔ کہ مجلس میں خلیفہ وقت بھی موجود ہے۔ دوپہر تک یہ انجمن قائم رہتی تھی۔ زوال آفتاب کے بعد خاصہ حاضر ہوتا تھا۔ اور لوگ کھا پی کر رخصت ہوتے تھے[۱]۔ ان مجلسوں میں بعض وقت اہل مناظرہ اعتدال کی حد سے تجاوز کر جاتے تھے۔ مگر مامون بڑے حلم و متانت سے برداشت کرتا تھا۔ ایک بار محمد صولی و علی بن الہیثم بحث کے دو فریق تھے۔ گفتگو جسقدر بڑھی بدمزہ ہوتے گئے یہاں تک

---

[۱] مروج الذہب مسعودی۔ خلافۃ المامون ۱۲

کہ محمد صولی نے علی کو سخت کہدیا۔ علی نے برافروختہ ہو کر کہا "اسوقت تم کسی دوسرے کی زبان سے بول رہے ہو۔ ورنہ اس مجلس سے باہر تم ایک کہتے تو دو سنتے" اس بیباکانہ گستاخی سے دفعتہً مامون کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ تاہم اُس نے ضبط کیا اور اُٹھکر زنانہ میں چلا گیا۔ کہ بات کو ٹال جائے۔ جب غصہ فرو ہوا تو پھر دربار میں آیا[۱]۔

ایک دن ایک ثنوی المذہب[۲] سے نہایت لطیف بحث ہوئی۔ مامون نے اُس سے پوچھا کہ انسان برا کام کرنے کے بعد کبھی شرمندہ بھی ہوسکتا ہے (ثنوی) ہاں کیوں نہیں (مامون) گناہ پر نادم ہونا اچھا ہے یا بُرا؟ (ثنوی) اچھا ہے۔ (مامون) جو شخص نادم ہوا۔ گناہ اُس سے سرزد ہوا تھا۔ یا کسی دوسرے شخص سے؟ (ثنوی) اُسی سے (مامون) بس تو ایک ہی شخص سے گناہ بھی ہوا۔ اور ثواب بھی۔ (ثنوی) گھبراکر۔ نہیں میں یہ کہونگا۔ کہ جو نادم ہوا۔ اُس نے گناہ نہیں کیا تھا۔ (مامون) تو اُسکو اپنے گناہ پر ندامت ہے یا دوسرے کے (ثنوی) آخر لاجواب ہو کر ساکت ہوگیا[۳]۔ ایک اور دن مجلس مناظرہ قائم تھی۔ چوبدار نے اطلاع کی کہ ایک اجنبی شخص دروازے پر کھڑا ہے۔ اور حضور سے بحث کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔ مامون نے حکم دیا کہ "بلالو" آیا تو اس ہیئت سے آیا کہ جوتا ہاتھ میں اور پائچے چڑھے ہوئے۔ صف نعال میں کھڑا ہوا۔ اور وہیں سے چلّا کر کہا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" مامون نے سلام کا جواب دیا۔ اور اجازت دی۔ کہ قریب آکر بیٹھے۔ مامون سے اُس نے پوچھا کہ خلافت آپ نے بزور حاصل کی ہے۔ یا دنیا کے تمام مسلمانوں نے اتفاق رائے سے آپکو منتخب کیا ہے؟ مامون نے کہا "نہ زور سے نہ اتفاق رائے سے۔ بات یہ ہے کہ مجھ سے پہلے جماعت اسلام پر جو حکمران تھا۔ اور عامہ مسلمانان جبرًا یا طوعًا اُسکے حلقہ بگوش اطاعت تھے۔ اُس نے میری ولیعہدی کے لئے عام بیعت لی۔ اور اُسوقت جو لوگ اسلامی طاقت کے ارکان مانے جاتے تھے

---

[۱] آغانی جز ۲۰۔ صفحہ ۳۶۔ مطبوعہ مصر ۱۲۸۵ھ ۱۲ [۲] ایک فرقہ ہے جو نیکی اور بدی کا جدا جدا خالق مانتا ہے ۱۲ [۳] عقد الفرید ۱۲

سب نے معاہدۂ بیعت پر دستخط کئے۔ اُسکے انتقال کے بعد میں نے خیال کیا کہ جس پر دنیا کے تمام مسلمانوں کا اتفاق ہو وہ تخت نشین ہو لیکن ایسا شخص نہ مل سکا۔ ادہر ملک کے نظم و نسق کیلئے ایک قومی انتظام کی ضرورت تھی۔ ورنہ امن و امان میں خلل آتا۔ اور عظمت اسلامی کے تمام اجزا متفرق ہو جاتے۔ مجبورانہ سردست میں نے یہ بار اپنے سر لیا اور منتظر بیٹھا ہوں کہ جب دنیا کے تمام مسلمان اتفاق رائے سے ایک شخص کو انتخاب کر لیں۔ تو میں عنان حکومت اُسکے ہاتھ میں دیکر الگ ہو جاؤں۔ میں تم کو اپنا وکیل کرتا ہوں ایسا موقع ہو تو فوراً مجھکو خبر کرنا۔

ایک دن مامون نے یحییٰ بن اکثم سے جو قاضی القضاۃ تھے کہا کہ میری خواہش ہے کہ آج محدثانہ حدیث کی روایت کروں۔ قاضی صاحب نے عرض کیا کہ حضور سے زیادہ کس کو یہ حق حاصل ہے۔ معمول کے موافق ممبر رکھا گیا۔ اور مامون نے ممبر پر بیٹھکر بڑی قابلیت کے ساتھ درس دیا۔ قریباً تیس حدیثیں تحقیق و تنقید کے ساتھ روایت کیں لیکن حاضرین کے رُخ سے اُس نے جان لیا کہ لوگ محفوظ نہیں ہوئے۔ ممبر پر سے اترا۔ تو قاضی یحییٰ سے کہا کہ سچ یہ ہے کہ تم لوگوں کو کچھ مزا نہ آیا۔ حقیقت میں اس منصب کے وہی لوگ مستحق ہیں۔ جو اس ذوق میں تن بدن کا خیال نہیں رکھتے اور ممبر پر بھی بیٹھتے ہیں تو اُنکے کپڑے بوسیدہ ہوتے ہیں۔ مامون کی راست پسندی کا اکبر شاہ کی خود رائی اور جہل مرکب سے مقابلہ کیا جائے تو ایک عجیب حیرت انگیز تفاوت معلوم ہوتا ہے۔

ایک دن دربار میں ایک شخص جس نے نبوت کا دعوٰی کیا تھا۔ حاضر کیا گیا۔ حسب معمول بہت سے منجم اور ہیئت دان علماء بھی حاضر تھے۔ مگر کسی کو اُسکے ادعائے نبوت کا حال معلوم نہ تھا۔ مامون نے ستارہ شناسوں کو حکم دیا کہ زائچہ دیکھکر بتائیں کہ یہ شخص سچا ہے یا جھوٹا ہے سب نے صحن میں جا کر طالع کو دیکھا تو یہ صورت تھی کہ شمس و قمر ایک دقیقہ میں تھے۔ مشتری سنبلہ میں تھا۔ اور اسی کی طرف ناظر تھا۔ زہرہ و عطارد عقرب میں تھے۔ اور عقرب

کی طرف ناظر تھے۔ اس بنا پر سب نے حکم لگایا کہ مدعی نے جو دعوےٰ کیا ہے صحیح ہوگا۔ لیکن یحییٰ بن منصور نے ان لوگوں کی رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ مشتری ہبوط میں ہے اور جس برج میں ہے۔ اُس سے کارہ ہے۔ اس بات نے طالع کی سعادت بالکل زائل کردی ہے۔ دونو فریق قیاسات لگا چکے۔ تو مامون نے کہا "یہ بھی جانتے ہو کہ اس شخص نے کس بات کا دعوےٰ کیا ہے۔ یہ نبوت کا مدعی ہے" حاضرین دربار یہ سنکر اُس سے معجزہ کے طالب ہوئے۔ اُس نے ایک انگوٹھی پیش کی۔ کہ میرے سوا جو اسکو پہن لے گا۔ بے اختیار ہنسنا شروع کریگا۔ اور جبتک اُتار نہ ڈالے یہی حالت رہیگی۔ لیکن اگر میں پہن لوں تو کچھ اثر نہ ہوگا۔ اسی طرح اُس نے ایک قلم دکھایا جس سے صرف وہ لکھ سکتا تھا۔ اور دوسرا شخص اُس سے لکھنا چاہتا۔ تو مطلق نہیں چلتا تھا۔ تجربے سے دونو باتیں صحیح نکلیں۔ مامون نے سمجھ لیا کہ کوئی نادر اور علمی شعبدہ ہے۔ اور اگر نبوت کے ادعائے باطل سے وہ باز آئے تو کام کا آدمی ہوگا +

مامون نے اُسکو اپنا ندیم بنا لیا۔ اور اسقدر استمالت اور مراعات کی کہ آخر اُس نے اپنا راز بتا دیا۔ اور انگوٹھی اور قلم میں جو صنعت تھی ظاہر کردی +

مامون نے ہزار دینار انعام میں دئے اور مقربین میں داخل کرلیا۔ یہ شخص ریاضی اور ہیئت کا بڑا عالم تھا۔ طلسم الخنافس اُسی کی ایجاد ہے جو بغداد کے اکثر گھروں میں موجود تھا +

ایک بار نضر بن شمیل المتوفی ۲۰۳ھ جو خلیل بصری کے شاگرد۔ اور حدیث۔ فقہ۔ نحو۔ غریب۔ شعر۔ ایام العرب میں استاد وقت تھے۔ مامون کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور چونکہ مامون کی سادہ مزاجی اور بے تکلفی سے واقف تھے کپڑے تک نہیں بدلے اور وہی مدت کا بوسیدہ قمیص و عبا زیب بدن کئے ہوئے ایوان شاہی میں چلے آئے (مامون) کیوں نضر) امیرالمؤمنین سے اس لباس میں ملنے آئے ہو (نضر) مرد کی سخت گرمی کی انہیں کپڑوں سے حفاظت ہوتی ہے (مامون) یہ تو بہانے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ تم کفایت شعاری

مرتے ہو۔ اس کے بعد علم حدیث کا تذکرہ شروع ہؤا +

مامون نے اپنی سند سے ایک حدیث روایت کی۔ مگر "سداد" کے لفظ کو جو اس حدیث میں تھا۔ فتح سے پڑھ گیا۔ نضر نے اس غلطی پر اُسکو متنبہ کرنا چاہا تو اسی حدیث کو اپنی روایت سے بیان کیا۔ اور سداد کو بکسر پڑھا۔ مامون تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ دفعۃً سنبھل بیٹھا اور کہا کیوں کیا سداد بفتحہ غلط ہے" (نضر) ہاں ہشیم آپ کے اُستاد نے آپ کو غلط بتایا۔ (مامون) کیا دونوں کے معنے مختلف ہیں (نضر) سَداد بالفتح کے معنے راست روی کے ہیں۔ سِداد بالکسر اُس کو کہتے ہیں جس سے کوئی چیز روکی جائے (مامون) کوئی سند بتا سکتے ہو؟۔ (نضر) عربی کا یہ شعر موجود ہے:۔

اضاعونی وایّ فتی اضاعوا لیوم کریہۃ وسِداد ثغر

مامون نے سر نیچے کرلیا اور کہا کہ خدا اُسکا برا کرے جس کو فن ادب نہیں آتا۔ پھر نضر سے مختلف مضامین کے اشعار سُنے اور رخصت ہونیکے وقت وزیر اعظم **فضل** کے پاس رقعہ لکھدیا کہ پچاس ہزار درہم نضر کو عطا کئے جائیں۔ نضر یہ رقعہ خود لیکر فضل کے پاس گئے۔ فضل نے رقعہ پڑھکر کہا۔ تم نے امیر المؤمنین کی غلطی ثابت کی۔ نضر نے کہا نہیں غلطی تو ہشیم نے کی۔ امیر المؤمنین پر کیا الزام ہے۔ فضل نے پچاس ہزار پر تیس ہزار اور اپنی طرف سے مزید گئے۔ اسی طرح ایک غلطی بتانے کے صلے میں۔ نضر نے اسی ہزار درہم حاصل کئے۔[له]

کلثوم عتابی جسکو اپنے علم و فضل پر بڑا ناز تھا۔ اور بجا بھی تھا۔ مامون کی پایہ شناسی کا شہرہ سنکر بغداد پہنچا۔ اور دربار میں حاضر ہؤا۔ مامون نے مزاج پرسی کی۔ اور حالات پوچھے۔ کلثوم نے اس فصاحت اور برجستگی سے گفتگو کی کہ مامون بھی حیرت میں رہگیا۔ اور حکم دیا کہ ہزار دینار اُسکے سامنے لاکر رکھدیں۔ لیکن چونکہ حاضر جوابی اور نکتہ سنجی کا امتحان ہنوز باقی تھا۔ مامون نے اسحٰق موصلی کی طرف اشارہ کیا کہ کلثوم کو اس فن میں آزمائے۔ اسحٰق نے سامنے آکر مناظرانہ گفتگو شروع کی۔ اور اعتراضات کا تار باندھ دیا۔ کلثوم بالکل حیرت زدہ ہوگیا کہ

[له] تاریخ الخلفاء سیوطی ۱۲

اس بلا کا ذہین کون شخص ہو سکتا ہے۔ دربار کے قاعدے کے موافق پہلے اُس نے مامون سے اجازت طلب کی پھر اسحٰق کی طرف متوجہ ہوا کہ "آپ کا نام و لقب کیا ہے"؟ (اسحاق) نسباً آدمی ہوں اور میرا نام کل بصل ہے۔" (کلثوم) نسب تو خیر ظاہر ہے۔ مگر نام نئے ڈھنگ کا ہے (اسحٰق) "کل بصل"، "کلثوم" سے زیادہ تعجب انگیز نہیں ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ لہسن سے پیاز بہرحال اچھی[۵۱] ہے۔ اس لطیفہ پر کلثوم بھی پھڑک گیا۔ اور مامون نے کلثوم کا انعام مضاعف کر دیا۔ اور حکم دیا کہ اسحٰق کو بھی اسیقدر صلہ عطا کیا جائے +

مامون کا دربار اگرچہ نامور شعرا سے معمور[۵۲] تھا۔ جو وقتاً فوقتاً قصیدے اور قطعے لکھکر گرانبہا صلے حاصل کرتے تھے لیکن عام ایشیائی فرمانرواؤں کی طرح وہ اپنی مدح کی دلاویز صداؤں سے جی خوش کرنا نہیں چاہتا تھا۔ بلکہ اس فیاضی سے اُسکو زیادہ تر علم و ادب کی ترقی مقصود تھی۔ تشبیب اور عام مضامین کے متعلق جو اشعار ہوتے تھے۔ اُن کو نہایت ذوق سے سنتا تھا۔ لیکن خاص مدحیہ اشعار دو تین سے زیادہ سننا پسند نہیں کرتا تھا۔ اور یہ کہکر شاعر کو روک دیتا تھا۔ کہ بس میری قدر افزائی کیلئے اتنا کافی[۵۳] ہے +

اہل علم کے ساتھ مامون کی معاشرت بالکل دوستانہ تھی۔ اہل کمال کا عموماً وہ نہایت ادب کرتا تھا۔ اور اُسکی شاہانہ فیاضیاں اور لوگوں کیلئے بالکل بے روک تھیں۔ علامہ **واقدی** نے جو فن سیر کے امام ہیں۔ ایک بار مامون کو خط لکھا۔ جس میں ناداری کی شکایت کی۔ اور لوگوں کا جس قدر قرضہ چڑھ گیا تھا۔ اُس کی تعداد لکھی تھی۔ مامون نے جواب میں یہ الفاظ لکھے "آپ میں دو عادتیں ہیں۔ حیا و سخاوت۔ سخاوت نے آپ کے ہاتھ کھولدیئے ہیں کہ جو کچھ تھا آپ نے سب اُڑا ڈالا۔ حیا کا یہ اثر ہے کہ آپ نے اپنی پوری حاجت نہیں ظاہر کی۔ میں نے حکم دے دیا ہے۔ تعداد مطلوبہ کا مضاعف آپکی خدمت میں پہنچ جاویگا۔ اگر آپ کی اصلی ضرورت کیلئے یہ تعداد پوری نہ اترے تو خود آپ کی کوتہ قلمی کا

۵۱ عربی میں لہسن کو ثوم اور پیاز کو بصل کہتے ہیں ۱۲ ۵۲ مروج الذہب مسعودی۔ خلافت مامون ۱۲
۵۳ آغانی۔ ترجمہ اولاد ابو محمد یزیدی ۱۲

قصور ہے۔ اور اگر کافی ہو جائے تو آیندہ بھی آپ جس قدر چاہیں فراغ دستی سے صرف کریں۔ خدا کے خزانہ میں کچھ کمی نہیں ہے۔ آپ نے خود مجھ سے حدیث روایت کی تھی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے زبیر سے فرمایا تھا کہ رزق کی کنجیاں عرش پر ہیں۔ خدا بندوں کیلئے اُن کے خرچ کے موافق رزق دیتا ہے۔ زیادہ ہو تو زیادہ اور کم ہو تو کم" علامہ واقدی کو یہ حدیث یاد نہیں رہی تھی۔ وہ صلہ سے زیادہ اس بات پر خوش ہوئے کہ مامون کے یاد دلانے سے اُن کو ایک بھولی ہوئی حدیث یاد آگئی +

مامون کے دو فرزند فرّا نحوی سے تعلیم پاتے تھے۔ ایک بار وہ کسی کام کیلئے مسندِ درس سے اُٹھا۔ دونو شہزادے دوڑے کہ جوتیاں سیدھی کرکے آگے رکھدیں مگر چونکہ دونو ساتھ پہنچے اس پر نزاع ہوئی کہ اس شرف کے ساتھ اختصاص کس کو ہو آخر دونوں نے فیصلہ کرلیا اور ہر ایک نے ایک جوتی سامنے لاکر رکھی +

مامون نے ایک ایک چیز پر پرچہ نویس مقرر کر رکھے تھے۔ فورًا اطلاع ہوئی۔ اور فرا کو طلب کیا گیا۔ مامون نے اُس سے مخاطب ہوکر کہا "آج دنیا میں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ (فرا) امیرالمؤمنین سے زیادہ معزز کون ہوسکتا ہے (مامون) وہ جسکی جوتیاں سیدھی کرنے پر امیرالمؤمنین کے لختِ جگر بھی آپس میں جھگڑا کریں۔ (فرا) میں خود شہزادوں کو روکنا چاہتا تھا۔ مگر پھر خیال ہؤا کہ ان کو اس شرف سے کیوں باز رکھوں۔ عبداللہ بن عباس نے بھی حسین علیہ السلام کے رکاب تھامی تھی اور جب حاضرین میں سے کسی نے اعتراض کیا۔ کہ آپ تو عمر میں اُن سے بہت بڑے ہیں تو اُنھوں نے ڈانٹا کہ "اے جاہل چپ رہ تو اُن کی قدر کیا جان سکتا ہے" (مامون) اگر تم اُن کو روکتے تو میں تم سے نہایت آزردہ ہوتا۔ اس بات نے اُنکی عزت کچھ کم نہیں کی۔ بلکہ اصالت کے جوہر دکھا دئے۔ بادشاہ۔ باپ۔ اُستاد کی اطاعت ذلت میں داخل نہیں ہے۔ یہ کہکر لڑکوں کو سعادت مندی اور فرا کو حسنِ تعلیم کے صلے میں دس دس ہزار درہم عطا کئے +

مامون کے عام اخلاق و عادات شاہانہ شان و شوکت عیش و طرب کے جلسے

مامون کی نسبت مورخین کے متفقہ الفاظ یہ ہیں۔ تمام خلفائے بنی العباس میں کوئی تخت نشین دانائی۔ عزم۔ بردباری۔ علم رائے۔ تدبیر۔ ہیبت۔ شجاعت۔ عالی حوصلگی۔ فیاضی میں اُس سے افضل نہیں گذرا۔ مامون کا ادّعا کچھ بیجا نہیں تھا۔ کہ "معاویہ کو عمرو بن العاص کا بل تھا۔ عبد الملک کو حجاج کا۔ اور مجھکو خود اپنا"

ہارون الرشید اکثر کہا کرتا تھا کہ مَیں مامون میں منصور کا حزم۔ مہدی کی خدا پرستی۔ ہادی کی شان و شوکت پاتا ہوں۔ ان باتوں پر اگر اُس کے عفو و انکسار۔ بے تکلفی۔ سادہ مزاجی کی صفتیں بڑھائی جائیں تو افضلیت کا دائرہ جسکو مورخین نے بنی العباس تک محدود کیا تھا۔ تمام سلاطین اسلام پر محیط ہو جاتا ہے +

مامون کا قول تھا کہ "مجھکو عفو میں ایسا مزا آتا ہے کہ اُس پر ثواب ملنے کی توقع نہیں"

عبد اللہ بن طاہر کا بیان ہے کہ ایک بار مامون کی خدمت میں مَیں حاضر تھا۔ اُس نے غلام کو آواز دی۔ مگر صدائے برنخاست۔ پھر پکارا۔ تو ایک ترکی غلام حاضر ہوا۔ اور آتے ہی بڑبڑانے لگا۔ کہ کیا غلام کھاتے پیتے نہیں۔ جب ذرا کسی کام کیلئے باہر گئے تو آپ "یاغلام یاغلام" چلانے لگتے ہیں۔ آخر یاغلام کی کوئی حد بھی ہے +

مامون نے سر جھکا لیا۔ اور دیر تک سر بگریباں رہا۔ مَیں نے سمجھا کہ بس اب غلام کی خیر نہیں۔ مامون میری طرف مخاطب ہوا۔ اور کہا کہ نیک مزاجی میں یہ بڑی آفت ہے کہ نوکر اور غلام شریر اور بدخو ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ تو نہیں ہو سکتا کہ اُنکے نیک خو کرنے کے لئے مَیں بدمزاج بنوں +

ایک دن دجلہ کے کنارے بیٹھا تھا۔ ارکان دولت دست بستہ کھڑے تھے سامنے پردہ پڑا ہوا تھا۔ ایک ملاح یہ کہتا ہوا جاتا تھا کہ "مامون جس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ کیا ہماری آنکھ میں عزت حاصل کر سکتا ہے" مامون یہ سنکر مسکرا دیا۔ اور ارکان دولت کی طرف مخاطب ہو کر کہا "کیوں صاحبو آپ ایسی بھی کوئی تدبیر بتا سکتے ہیں کہ میں اس جلیل القدر آدمی کی نظروں میں موقر ہو سکوں[۵۱]۔

ناظرین کو غالباً اس بات سے تعجب ہوگا کہ اس غیر معتدل رحم پر جو بظاہر شان خلافت کے شایاں نہ تھا۔ مامون کو ناز تھا۔ وہ فخر سے کہتا تھا کہ خواص و خدام اکثر اپنے جلسوں میں بیٹھکر مجھکو گالیاں دیتے ہیں اور میں خود اپنے کانوں سے سنکر دانستہ اغماض کرتا ہوں[۵۲]۔

حسین بن ضحاک ایک شاعر نے جو امین کا ندیم تھا۔ امین کے قتل کا نہایت جانگداز مرثیہ لکھا جس میں مامون کو بہت کچھ برا بھلا کہ کر دلکے پھپولے توڑے تھے۔ مامون نے یہ اشعار سنے تو صرف یہ حکم دیا کہ شاعروں کے ساتھ دربار میں نہ آئے۔ چند روز کے بعد پھر بلایا۔ اور کہا "سچ کہنا بھائی امین کے قتل اور بغداد کی فتح کے دن تو نے کسی ہاشمی عورت کو مارے جاتے اور ذلیل ہوتے دیکھا تھا۔ حسین نے کہا کسی کو نہیں۔ مامون نے اُس کے الزام دینے کو اُس کے چند اشعار پڑھ کر سنائے۔ جس میں اُس نے نہایت درد انگیز لفظوں میں یہ سماں کھینچا تھا کہ بغداد تباہ کیا جا رہا ہے۔ اور آل ہاشم کی نازک اور گل اندام عورتیں غارت گروں کے بیرحم ہاتھ سے اپنے ناموس کو نہیں بچا سکتیں "حسین نے کہا "اے امیر المومنین! یہ ایک جوش تھا جس کو میں دبا نہ سکا امین کے غم میں صحیح اور غلط کی کس کو تمیز تھی۔ خلیفہ مرحوم کا ماتم جن لفظوں میں ہو سکا ادا ہوا اگر تو مواخذہ کرے تو تجھکو حق ہے اور بخشدے تو تیری فیاضی ہے[۵۳]" مامون کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور حکم دیا کہ اُسکی تنخواہ بحال کر دی جائے۔ ایک بار اسی حسین نے

---

۵۱ تاریخ الخلفاء سیوطی ۱۲ ۵۲ تاریخ الخلفاء سیوطی ۵۳ کامل ابن الاثیر۔ فتح بغداد ۱۲

ایک قصیدہ لکھکر حاجب کو دیا کہ مامون کی خدمت میں پیش کرے قصیدہ شاعری کے لحاظ سے نہایت عمدہ تھا۔ مامون نے سخنوری کی داد دی۔ مگر حاجب سے کہا کہ اُسی حسین کا یہ بھی شعر ہے۔ **شعر**

لا تفرحِ المامون بالملک بعدہ ولا زال فی الدنیا طریداً مشردا

ترجمہ: "خدا کرے مامون اُسکے بعد کبھی سلطنت سے لذت نہ اُٹھاوے اور ہمیشہ دنیا میں خوار اور مردود رہے" مامون نے یہ شعر پڑھکر حاجب سے کہا کہ مدح و ذم مل کر برابر ہوگئی۔ اب شاعر کو صلہ کا کوئی حق نہیں" حاجب نے عرض کیا پھر حضور کی وہ عفو کی عادت کیا ہوئی۔ مامون نے کہا۔ ہاں یہ صحیح۔ اچھا مناسب انعام دیا جائے۔ جس زمانہ میں امین بغداد میں محصور تھا۔ کوثر اُسکا پیارا غلام ایک دن لڑائی کی سیر دیکھنے کو نکلا۔ اتفاق سے ایک پتھر چہرہ پر آکر لگا۔ اور خون جاری ہوا۔ امین اپنے ہاتھ سے خون پونچھتا جاتا تھا۔ اور یہ اشعار جو اُسوقت اُسکی زبان سے بے اختیار نکلے تھے۔ پڑھتا جاتا تھا۔

ضربوہ قرۃ عینی ومن اجلی ضربوہ

اخذ اللہ یقینی من اناس احرقوہ

ترجمہ۔ لوگوں نے میرے قرۃ العین کو مارا۔ اور میری ضد کی وجہ سے مارا + جن لوگوں نے میرے دل کو جلایا۔ خدا اُن لوگوں سے میرے دل کا بدلا لے +

چونکہ غمزدہ دل نے یاری نہ دی۔ اس سے زیادہ وہ نہ کہ سکا۔ اور عبد اللہ ایک شاعر کو حکم دیا کہ ان اشعار کو پورا کرے۔ عبد اللہ نے چند شعر لکھے جنکے اخیر شعر یہ ہیں :۔

من رای الناس لہٗ فضل علیھم حسدوہ

مثل ما حسد القائم بالملک اخوہ

ترجمہ۔ لوگ جس کو صاحب فضل دیکھتے ہیں۔ اس پر حسد کرتے ہیں جس طرح خلیفہ وقت پر اُسکے بھائی (مامون) نے حسد کیا + تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۹۷

امین کے قتل کے بعد یہی شاعر مامون کے دربار میں حاضر ہوا کہ مدح سنا کر انعام لے مامون نے اُسکی طرف دیکھکر کہا کہ ہاں وہ کیا شعر ہے :- مثل ما حسد القائم - بالملک اخوہ ۔ شاعر نے اُس کی معذرت میں چند اشعار برجستہ پڑھے - مامون نے پچھلے جرم کا کچھ خیال نہ کیا - اور دس ہزار انعام دلائے[۹۱] ؛

مامون کا دعوے تھا کہ بڑے سے بڑا جرم بھی میرے حلم کو متزلزل نہیں کرسکتا - ایک شخص سے جو متعدد بار نافرمانیاں کرچکا تھا اُس نے کہا کہ تو جس قدر گناہ کرتا جائے گا میں بخشتا جاؤنگا - یہانتک کہ آخر عفو تجھکو تھکا کر درست کردیگا[۹۲] - مامون کی اس رحم دلی پر لوگوں کو اسقدر بھروسہ ہوگیا تھا کہ بے تکلف اُسکے سامنے اپنی خطاؤں کا اعتراف کردیتے تھے - عبد الملک جسکی شکایت کی بہت سی عرضیاں گذر چکی تھیں - مامون نے اُسکو بلاکر پوچھا کہ اصل بات کیا ہے ؛ عبد الملک نے مطلقاً انکار کیا - مامون نے کہا مگر مجھکو تو اُسکے خلاف خبریں پہنچی ہیں - عبد الملک نے عرض کیا - امیر المؤمنین ! اگر کوئی بات ہوتی تو میں خود اقرار کردیتا - حضور کا عفو ہر حالت میں میری حمایت کے لئے سپر بن سکتا تھا - پھر میں سچائی کی دولت کو دانستہ کیوں کھوتا[۹۳] ؛ مامون اگرچہ ملک کے ایک ایک جزئیات سے خبر رکھتا تھا - اور اس شوق میں ہزاروں لاکھوں روپیے صرف کردیتا تھا - مگر غمازوں کا جانی دشمن تھا - اس باب میں اُسکے مقولے آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں - اُسکے سامنے جب غمازوں کا ذکر آتا تھا تو اکثر کہا کرتا تھا کہ " ان لوگوں کی نسبت تم کیا خیال کرسکتے ہو جنکو خدا نے سچ کہنے پر بھی لعنت کی ہے[۹۴] ؛ اُسکا قول تھا کہ جس شخص نے کسی کی شکایت کرکے اپنی عزت میری آنکھوں میں گھٹادی - پھر کسی طرح اُسکی تلافی نہیں کرسکتا ؛

مامون اگرچہ بڑی عظمت و شان کا بادشاہ تھا - اور ناموری کے دفتر میں عام

---

[۹۱] تاریخ الخلفاء ۱۲ [۹۲] تاریخ الخلفاء ۱۲ [۹۳] عقد الفرید ۱۲ [۹۴] عقد الفرید ۱۲

مورخین نے اُس کے جاہ وجلال کی داستانیں جلی خط سے لکھی ہیں۔ مگر ہمارے خیال میں جو چیز اُس کی تاریخ زندگی کو نہایت مزین اور پر اثر بنا دیتی ہے۔ وہ اُسکی سادہ مزاجی اور بے تکلفی ہے۔ ایک ایسا شہنشاہ جو تخت حکومت پر بیٹھکر کل اسلامی دنیا کا ذمہ دار بن جاتا ہے۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ عام دوستوں سے ملنے جلنے میں شان سلطنت کا لحاظ رکھنا پسند نہیں کرتا۔ اکثر اہل علم وارباب کمال راتوں کو اُسکے مہمان ہوتے تھے۔ اور اُس کے بستر سے بستر لگا کر سوتے تھے۔ مگر اس کا عام برتاؤ ایسا ہی ہوتا تھا۔ جیسا کہ ایک سادہ خالص دوست کا دوست کے ساتھ ہوتا ہے۔ **قاضی یحییٰ** ایک رات اُس کے مہمان تھے۔ اتفاقاً آدھی رات کے بعد اُنکی آنکھ کھل گئی۔ اور پیاس معلوم ہوئی۔ چونکہ چہرے سے بیتابی کا اثر ظاہر ہوتا تھا۔ مامون نے پوچھا خیر ہے۔ قاضی صاحب نے پیاس کی شکایت کی۔ مامون خود چلا گیا۔ اور دوسرے کمرے سے پانی کی صراحی اٹھا لایا۔ قاضی صاحب نے گھبرا کر کہا۔ حضور نے خدام کو ارشاد کیا ہوتا۔ مامون نے کہا نہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ **سید القوم خادمھم** راتوں کو خدام سو جاتے تھے۔ تو خود اُٹھکر چراغ اور شمعیں درست کر دیا کرتا تھا +

ایک بار باغ کی سیر کو گیا۔ قاضی یحییٰ بھی ساتھ تھے۔ مامون اُنکے ہاتھ میں ہاتھ دیکر ٹہلنے لگا۔ جانے کے وقت دھوپ کا رخ قاضی صاحب کی طرف تھا۔ اُدھر سے واپس آتے وقت مامون کی طرف بدل گیا۔ قاضی صاحب نے چاہا کہ وہ پہلو خود لے لیں تاکہ مامون سایہ میں آجائے۔ لیکن اُس نے گوارا نہ کیا۔ اور کہا کہ یہ انصاف سے بعید ہے پہلے میں سایہ میں تھا۔ اب واپسی کے وقت تمہارا حق ہے" مامون کی سادہ مزاجی کچھ عربی النسل ہونیکی حیثیت سے نہ تھی۔ بے شبہ **عباسی** خاندان عرب کا ایک مشہور اور ممتاز خاندان تھا۔ لیکن قریباً سو برس سے شاہنشاہی کا چتر اُس پر سایہ فگن تھا۔ اتنی مدت میں نسل اور سرزمین کی سادہ خاصیتیں بالکل شاہانہ آداب وتکلفات سے بدل گئی تھیں

مہدی سے پہلے تو درباریوں کو خلیفہ کا دیدار بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ سریر خلافت کے آگے قریباً بیس ہاتھ کے فاصلہ پر ایک تکلف پردہ پڑا ہوتا تھا۔ اور درباری اُس سے ذرا فاصلے پر دست بستہ کھڑے ہوتے تھے۔ خلیفہ وقت پردے کی اوٹ میں بیٹھکر تمام احکام صادر کرتا تھا۔ گو خلیفہ مہدی نے سلطنت کے چہرے سے یہ نقاب اُٹھا دیا تھا مگر اور بہت سے تکلفات کے حجاب باقی تھے +

مامون کے عہد تک تمام دربار اب تک اسی قسم کے آئین و آداب کا پابند تھا۔ مامون کو ایک بار چھینک آئی۔ حاضرین میں سے کسی نے سنت نبوی کے طریقے پر یرحمک اللہ نہیں کہا۔ مامون نے سبب پوچھا۔ درباریوں نے عرض کیا کہ آداب شاہی مانع تھا مامون نے کہا کہ میں اُن بادشاہوں میں نہیں ہوں جو دعا سے عار رکھتے ہیں[۱]۔ چونکہ مامون اس قسم کے بیہودہ آداب و مراسم کو ناپسند کرتا تھا۔ اہل دربار نے بھی تکلف کی قید سے آزادی حاصل کی + [۱] بیہقی ... الخلفاء

بااینہمہ مامون کی سادہ روی سے یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ شاہانہ جاہ و حشم یا مسرفانہ مصارف میں کچھ تنزل ہوا تھا۔ دس ہزار درہم روزانہ صرف اُس کے طعام خاصہ کا صرف تھا۔ ایک یورپین مصنف نے خلفائے راشدین کی سادہ طرز زندگی کا اس عہد سے ایک عجیب صورت میں مقابلہ کیا ہے +

وہ لکھتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے شام کا سفر کیا تو ان کا کل ضروری اسباب و رسد دکھلانے کا سامان ایک اونٹ پر رکھا گیا۔ اور جب مامون شکار کو نکلا تو اُس کے ضروری اور معمولی ساز و سامان کیلئے تین سو اونٹ بھی کافی نہ ہوئے "۔ دولت بنی امیہ کے عہد سے جو اس انقلاب کا پہلا دیباچہ تھا۔ اتنی ہی قلیل مدت تک طرز معاشرت میں اسقدر عظیم الشان تبدیلیاں ہوگئیں کہ کسی طرح قیاس میں نہیں آسکتیں +

زبیدہ خاتون (مامون کی سوتیلی ماں تھی) کی ایجاد پسند طبیعت نے زیب و زینت

کے متن پر بہت سے حاشئے اضافہ کئے جو نہایت ذوق اور مسرت سے قبول کئے گئے۔ اور تمام امراء و عمایدین میں رواج عام پا گئے۔ عنبر کی شمعیں پہلے پہل اُسی کے شبستان عیش میں جلائی گئیں۔ جواہر کی مرصع جوتیاں اسی کی ایجادات سے ہیں۔ چاندی آبنوس صندل کے قبّے اول اُسی نے تیار کرائے۔ اور اُنکو دیبا و سمور اور مختلف رنگ کے حریر سے آراستہ کیا۔ کپڑوں کی ساخت میں یہ ترقی ہوئی کہ زبیدہ کے استعمال کیلئے ایک ایک تھان پچاس پچاس ہزار اشرفی کی قیمت کا تیار ہوا[۵۱]

مامون کی ایک شادی کی تقریب جس شان و شوکت سے ادا ہوئی وہ اس عہد کی مسرفانہ فیاضی اور حشمت و دولت کا سب سے بڑھا ہوا نمونہ ہے +

عربی مورخوں کا دعویٰ ہے کہ گذشتہ اور موجودہ زمانہ کوئی نظیر نہیں لا سکتا۔ ہماری محدود واقفیت میں ابتک کسی نے اس فخریہ ادعاء پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں کی ہے یہ خوش قسمت لڑکی جس سے مامون کا نکاح ہوا حسن بن سہل کی بیٹی تھی۔ جو فضل کے مرنے پر وزیر اعظم مقرر ہوا تھا۔ اس لڑکی کا نام بوران تھا۔ اور نہایت قابلہ اور تعلیم یافتہ تھی[۵۲] مامون مع خاندان شاہی اور ارکان دولت وکل فوج و تمام افسران ملکی۔ و خدام حسن کا مہمان ہوا۔ اور برابر ۱۹ دن تک اس عظیم الشان بارات کی ایسے فیاضانہ حوصلے سے مہمانداری کی گئی کہ ادنے سے ادنے آدمی نے بھی چند روزوں کیلئے امیرانہ زندگی بسر کر لی۔ خاندان ہاشم وافسران فوج اور تمام عہدہ داران سلطنت پر مشک و عنبر کی ہزاروں گولیاں نثار کی گئیں جن پر کاغذ لپٹے ہوئے تھے۔ اور ہر کاغذ پر نقد۔ لونڈی۔ غلام۔ املاک خلعت۔ اسپ۔ خاصہ۔ جاگیر وغیرہ کی ایک خاص تعداد لکھی ہوئی تھی +

نثار کی عام لوٹ میں یہ فیاضانہ حکم تھا۔ کہ جس کے حصہ میں جو گولی آئے اُس میں جو کچھ لکھا ہو۔ اسی وقت وکیل المخزن سے دلا دیا جائے۔ عام آدمیوں پر مشک و عنبر کی گولیاں

---

[۵۱] مروج الذہب مسعودی ذکر خلافت قاہر باللہ ۱۲ [۵۲] تاریخوں میں بوران کا ترجمہ تفصیلاً مذکور ہے تذکرۃ الخواتین میں جو زمانہ حال کی ایک معمولی تالیف ہے لکھا ہے کہ بورانی اسی بوران کی طرف منسوب ہے ۱۲ منہ

اور درہم و دینار نثار کئے گئے۔ مامون کے لئے ایک نہایت تکلف فرش بچھایا گیا۔ جو سونے کے تاروں سے بنایا گیا تھا۔ اور گوہر و یاقوت سے مرصع تھا۔ مامون جب اُس پر جلوہ فرما ہوا تو بیش قیمت موتی اُسکے قدم پر نثار کئے گئے۔ جو زریں فرش پر بکھر کر نہایت دلادیز سماں دکھاتے تھے۔ مامون نے ابو نواس کا یہ مشہور شعر پڑھا اور کہا کہ ابو نواس نے جو لکھا۔ گویا یہ سماں اپنی آنکھوں سے دیکھکر لکھا :-

کان صغریٰ وکبریٰ من فواقعہا حصباء درّ علی ارض من الذہب

جام شراب سے چھوٹے بڑے بلبلے ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا سونے کی زمین پر موتیوں کے دانے ہیں +

زفاف کی شب جب نوشہ اور دلہن ساتھ بیٹھے تو بوران کی دادی نے ہزار بیش بہا موتی دولو پر نچھاور کئے۔ اس تقریب کے تمام مصارف کا تخمینہ پانچ کروڑ درہم کیا گیا ہے[۵۲] +

عرب کے مورخوں نے مامون کی سخاوت و دریا دلی کا ذکر فخر اور جوش کے ساتھ کیا ہے۔ اور چونکہ مامون کے اصلی و عملی کارنامے اس قسم کی حیرت انگیز فیاضیوں سے معمور ہیں اُن کو انشپائی عبارت آرائی کی ضرورت نہیں پڑی۔ ان صفات کے متعلق جس قدر مبالغہ کیا جاسکتا ہے خوش قسمتی سے وہ مامون کے اصلی واقعات ہیں۔ گبن صاحب لکھتے ہیں:

مامون کی فیاضی کی تعریف اُسکے ارکان دولت نے ضرور کی ہوگی جس نے رکاب سے پاؤں نکالنے کے پیشتر ایک ضلع کی آمدنی کے چار خمس چوبیس لاکھ چار ہزار دینار رکھے دیدئے

یہ ایک جزئی مثال ہے شعرا اور اہل فن کو ہزاروں لاکھوں درہم و دینار عطا کر دینا مامون کا ایک معمولی کام تھا۔ محمد بن وہیب کے ایک مدحیہ قصیدہ کے صلے میں حکم دیا کہ فی شعر ایک ہزار دلا دئے جائیں۔ یہ کل پچاس شعر تھے اور پچاس ہزار درہم اُسی وقت اُسکو دلا دیئے گئے[۵۳] +

---

[۵۱] اس شادی کا ذکر پوری تفصیل سے علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں کیا ہے ابوالفدا - ابن الاثیر ابن خلکان (ترجمہ بوران ہیں) اور دوسرے مورخوں نے بھی یہ حالات اجمالاً و تفصیلاً لکھے ہیں +

[۵۲] آج کل کے حساب سے ایک کروڑ بیس ہزار روپے صرف ہوئے +

[۵۳] آغانی ترجمہ محمد بن وہیب +

بوران کے نکاح میں ایک مفلس آدمی نے نمک اور اشنان کی دو تھیلیاں نذر بھیجیں اور خط لکھا کہ اگرچہ ناداری ہمت کو دبا دیتی ہے۔ مگر میں نے یہ پسند نہ کیا کہ اہل کرم کی فہرست بند کر دی جائے اور میرا نام اس میں نہ ہو۔ نمک کی برکت اور اشنان کی لطافت اس بات کیلئے کافی ہے کہ میں اُسکو حضور کی نذر کیلئے انتخاب کروں"۔ مامون نے حکم دیا۔ کہ دونو تھیلیاں اشرفیوں سے بھر کر اُس کو واپس دی جائیں۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ اور ہم کو نئے تعلیم یافتہ نوجوان کی طرح جو ایشیائی روایتوں کو عموماً بے اعتباری کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ٭

واقعات سے انکار کرنا نہیں چاہئے۔ یہ ایک بڑی غلطی ہے کہ ہم آج موجودہ طرز سلطنت کو پچھلی ایشیائی حکومتوں کے اندازہ کرنے کا پیمانہ بتائیں ٭

آج کے تعلیم یافتہ اس قسم کی روایتوں کو جو تاریخوں میں مذکور ہیں عموماً مبالغہ پر محمول کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ملکی اور فوجی مصارف سے بچ کر اتنا روپیہ کہاں سے آسکتا ہے کہ ان بے انتہا فیاضیوں کیلئے کافی ہو۔ لیکن یہی ان کی غلطی ہے کہ پچھلی ایشیائی سلطنتوں کے ملکی اور فوجی مصارف کو وہ آج پر قیاس کرتے ہیں حالانکہ اُس وقت نہ اتنے مختلف صیغے اور عہدے تھے۔ نہ اتنی کثیر تنخواہیں۔ اسلئے خزانہ عامرہ کا بڑا حصہ ان فیاضیوں میں صرف ہوتا تھا جس کو آج ہم فضول اور لغو بتاتے ہیں۔ یہ باتیں ہم کو بعض عمدہ تاریخی نتائج کی طرف رہبری کرتی ہیں۔ ہم اُس عبرت انگیز انقلاب کو حیرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جو دو ہی صدی میں اسلامی جانشینوں کے طریق حکومت میں ہوگیا حضرت عمرؓ ایک بار ممبر پر کھڑے ہوئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "سنو اور مانو" یہ صدا اپنی پوری رفتار طے نہیں کر چکی تھی۔ کہ حاضرین میں سے ایک شخص کھڑا ہوا۔ اور بلند لہجہ میں کہا "لا سمعا و لا طاعۃ" یعنی نہ سنیں گے اور نہ مانیں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "آخر کیوں" اس نے کہا "یہی چادریں جو تمام مسلمانوں کو تقسیم کی گئیں اس میں

تمہارا حصہ ایک سے زیادہ نہ تھا۔ مگر تمہارے بدن پر جو پیرہن ہے اور اسی چادر کو کاٹ کر بنایا گیا ہے۔ یہ یقیناً ایک چادر سے زیادہ میں بنا ہوگا۔ تم کو اس ترجیح کا کیا حق تھا؟ حضرت عمرؓ نے اپنے فرزند عبداللہؓ کے ذریعے سے اس اعتراض کا جواب دیا۔ جنہوں نے کھڑے ہو کر شہادت دی کہ "جسقدر کپڑا گھٹ گیا تھا وہ میں نے اپنے حصے کی چادر سے پورا کر دیا۔ وہ شخص یہ کہکر بیٹھ گیا کہ "ہاں اب سنیں گے اور مانیں گے" +

اسکے ساتھ اب مامون کے عہد کا مقابلہ کرو کہ اس کے غیر معتدل اصرافات پر کروڑوں مسلمانوں میں سے ایک بھی نکتہ چینی کی جرأت نہیں کرسکتا۔ کل بیت المال (پبلک فنڈ) ایک شخص کے ہاتھ میں دیدیا گیا ہے اور وہ جسطرح چاہے اُس پر آزادانہ تصرف کرسکتا ہے اس قسم کے بیقاعدہ مصارف سے ہم یہ بات بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ ملکی عہدے کم تھے اور جس قدر تھے اُنکی تنخواہیں بیش قرار نہ تھیں +

ہمارے ناظرین جنہوں نے مامون کو کبھی فقہ و حدیث کا تذکرہ کرتے دیکھا ہے کبھی اہل کمال کے ساتھ اُسکی عالمانہ بحثیں سنی ہیں۔ نہایت تعجب سے دیکھیں گے۔ کہ بزم عیش میں وہ رندانہ وضع سے بیٹھا ہے بے تکلف اور رنگیں طبع احباب جمع ہیں پری پیکر نازنینوں کا جھرمٹ ہے۔ دور شراب چل رہا ہے۔ ساز چھیڑا جا رہا ہے۔ گل اندام کنیزیں نغمہ سرا ہیں۔ یاران باصفا بدمست ہوتے جاتے ہیں۔ آغاز خلافت میں بیس مہینے تک مامون نغمہ و سرود سے بالکل محترز رہا۔ چند روزوں کے بعد شوق پیدا ہوا مگر اتنا ہی کہ احتیاط کے ساتھ کبھی کبھی سن لیتا تھا۔ یہ حالت بھی چار برس تک قائم رہی۔ پھر تو ایسی چاٹ پڑ گئی کہ ایک دن ان صحبتوں کے بغیر بسر نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن اگر انصاف سے دیکھیئے تو اُس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ آزادی۔ حوصلہ مندی۔ لطافت طبع۔ جوش

[1] علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں نہایت سختی کے ساتھ مامون وغیرہ کی بادہ نوشی سے انکار کیا ہے لیکن تاریخی سند کوئی پیش نہ کرسکے۔ صرف حسن ظن پر تقریر کو طول دیا ہے۔ تاہم نبیذ کا پینا تسلیم کرتے ہیں۔ ابن خلدون کے تسلیم کرنیوالے مجاز ہیں کہ ہماری کتاب میں مامون کی نسبت جہاں شراب کا ذکر آئے وہاں بجائے شراب کے نبیذ پڑھیں +

شباب۔ ہمیشہ زہد کی حکومت سے باغی رہتے آئے ہیں۔ ماموں کی تخصیص نہیں اُسوقت اسلامی سوسائیٹیاں عموماً اس رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ مسلمانوں کو اس عہد میں امن فراغ۔ اطمینان۔ زر و مال سب کچھ میسر تھا۔ پھر کیا چیز تھی جو اُنکو زندگی کے پرخطر مقاصد سے روک سکتی۔ ایک مذہب البتہ درانداز ہوسکتا تھا۔ لیکن جدت پسند طبیعتیں اُسکو بھی کھینچ تان کر اپنے ڈھب کا بنالیتی تھیں۔ شراب کی جگہ نبیذ (کھجور کی تاری) موجود تھی۔ جسکو عموماً عراق کے مذہبی پیشواؤں سے حلت کی سند مل چکی تھی*

لونڈیوں کی عام اجازت نے عیاشی کے سب حوصلے پورے کر دیئے تھے۔ نغمہ و سرود تو قابلیت علمی کے بڑے جزو سمجھے جاتے تھے*

بنو اُمیہ اور عباسیہ میں ایک بھی خلیفہ ایسا نہیں گذرا جو اس فن شریف میں متناسب دستگاہ نہ رکھتا ہو۔ بڑے بڑے مذہبی علما بھی اس چاٹ سے خالی نہ تھے۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز سے زاہد خشک بھی تو فن نغمہ میں بہت سے سروں کے موجد[1] ہیں۔ ماموں کے دربار میں مغنیوں کا ایک بڑا گروہ موجود تھا۔ جنہوں نے علمی اصول و قواعد کے موافق موسیقی کو معراج کمال تک پہنچا دیا۔ اور جن میں سے مخارق۔ علویہ۔ عمرو بن بانتہ۔ عقید یحیی مکی۔ سوسن۔ زلزل۔ زرزود۔ اس فن کے ارکان تسلیم کئے گئے ہیں۔ لیکن اسحٰق موصلی کی شہرت مقبول کے آگے کسی کو فروغ نہ ہوسکا۔ اسحٰق کا باپ ابراہیم۔ موسیقی کا ایک مشہور اُستاد تھا۔ اور ہارون الرشید کے دربار میں اپنی خدمت پر دس ہزار درہم ماہوار کا نوکر تھا۔ اسحٰق نے فن ادب۔ انساب۔ روایات۔ فقہ۔ نحو میں مجتہدانہ کمال پیدا کیا تھا۔ یہ عبرت کی جگہ ہے کہ موسیقی کے انتساب نے تمام معزز خطابوں سے محروم کرکے اُس کو مغنی کا "حقیر لقب" دلایا۔ جس کی شہرت کو وہ کسی طرح دبا نہ سکا۔ وہ اس نسبت سے نہایت نفرت کرتا تھا۔ مگر قبول عام پر کس کا زور ہے۔ ماموں کو بھی اس بات کا

[1] صاحب آغانی نے جہاں خلفاء کی ایجادات موسیقی کا ذکر کیا ہے۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا نام بھی لیا ہے ۱۲

افسوس رہا کہ اسحٰق منصب قضا کے قابل تھا۔ لیکن قوالی کی بدنامی نے اس بلند درجہ پر پہنچنے نہ دیا۔ تاہم اُسکی عظمت کا اتنا پاس تھا۔ کہ دربار میں اُسکو ندیموں کے زمرے میں جگہ ملتی تھی۔ اس پر بھی مانع نہ ہؤا۔ اور ماموں سے درخواست کی کہ دراعہ اور سیاہ طیلسان پہن کر جمعہ کے دن مقصورہ[۵۱] میں داخل ہو سکے۔ ماموں نے مسکرا کر کہا "اسحٰق" یہ نہیں۔ لیکن میں تمہاری درخواست لاکھ درہم پر خرید لیتا ہوں"۔ یہ کہکر حکم دیا کہ لاکھ درہم اُس کے گھر پہنچا دئے جائیں

اسحٰق کا بیان ہے کہ تحصیل کے زمانہ میں مدتوں میرا یہ روزانہ معمول رہا کہ صبح تڑکے ہشیم کی خدمت میں پہنچکر حدیثیں سُنیں۔ پھر کسائی۔ یا فرا کے پاس جاکر قرآن کا سبق پڑھا۔ اس سے فارغ ہوکر زلزل سے عود بجانے کی مشق کی۔ پھر شہدہ سے دو تین راگ سیکھے۔ سب سے آخر اصمعی اور ابو عبیدہ کی خدمت میں حاضر ہؤا۔ کچھ اشعار سنائے۔ کچھ ادب کے مسائل تحقیق کئے۔ شام کو گھر واپس آیا۔ تو جو کچھ دن بھر سیکھا تھا۔ سب پدر بزرگوار کو سنا دیا۔ اُسی کا بیان ہے کہ میں نے ایک لاکھ درہم مختلف وقتوں میں زلزل کے نذر کئے۔ تب عود بجانا آیا۔ خلیفہ معتصم باللہ اکثر کہتا تھا "اسحٰق جب گاتا ہے تو مجھے جوش مسرت میں یہ خیال ہوتا ہے۔ کہ میری سلطنت میں کوئی تیک اضافہ ہوگیا"۔

اسحٰق نے موسیقی کے جو اصول و قواعد اپنی تصنیف میں لکھے ہیں وہ یونانی حکما کی تحقیقات سے عموماً مطابق ہیں۔ حالانکہ یہ بات تاریخی شہادتوں سے ثابت ہوگئی ہے کہ اُسکو نہ یونانی زبان آتی تھی نہ ان کتابوں کے ترجمے اُس کی نگاہ سے گذرتے تھے اس بات پر تمام اہل فن کو حیرت ہے۔ اور حق یہ ہے کہ اس فن کی تدوین اور ترتیب میں اُس نے فیثاغورث سے کچھ کم کام نہیں کیا[۵۲]+

---

[۵۱] جامع مسجد میں جہاں بادشاہ نماز ادا کرتا تھا۔ وہ ایک کٹگرہ ہوتا تھا۔ اُسکو عربی میں مقصورہ کہتے ہیں ۱۲

[۵۲] اسحٰق و ابراہیم کا نہایت مفصل تذکرہ آغانی میں ملے گا +

ان مغنیوں کے سوا ایک اور طائفہ تھا جس سے مامون کے جلسوں کی زیب و زینت تھی۔ روم و ایشیائے کوچک کی گل اندام نازنینیں جو لڑائی کی لوٹ میں پکڑی آتی تھیں۔ دلال اُن کو سستے داموں پر خرید لیتے تھے۔ اور موسیقی۔ شاعری۔ ایام العرب۔ ادب خوشنویسی۔ ظرافت۔ حاضر جوابی کی تعلیم دلاتے تھے۔ ان فنوں میں کامل ہو کر وہ نہایت گراں قیمتوں پر بازار میں بکتی تھیں۔ مامون کے شبستان عیش میں ان حوروشوں کا ایک بڑا جھرمٹ رہتا تھا۔ جنکی خریداری اور تربیت نے خزانہ عامرہ کو اکثر زیر بار کر دیا تھا۔ ایک بار ایک لونڈی بکنے آئی۔ جس کے فضل و کمال فصاحت۔ ادبیت۔ سخن سنجی کی قیمت بیچنے والے نے دو ہزار دینار طلب کی۔ مامون نے کہا میں ایک شعر پڑھتا ہوں۔ اگر یہ فی البدیہہ اُس کے جواب میں دوسرا شعر کہے تو اصل قیمت سے کچھ زیادہ دیتا ہوں۔ شعر یہ تھا:۔

ماتقولین فیمن شفه ادق من جهد حبك حتے صار حیرانا

کنیز نے برجستہ پڑھا:۔

اذا وجدنا محبا قد اضرّبه داء الصبابة اولناه احسانا

عُریب ایک کنیز جو ہر علم و فن میں یکتائے روزگار تھی۔ اور لاکھ درہم اُس کی خریداری میں صرف کئے گئے تھے۔ مامون کی محبوبہ خاص تھی۔ اُس نے ہزار راگ ایجاد کئے تھے جن میں سے بعض کا تتبع ابراہیم بھی بمشکل کر سکتا تھا۔ عُریب کی قابلیت اور کمالات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خلیفہ المتنصر باللہ عباسی نے جو فن بدیع کا موجد اور عرب کے شعرا کا خاتم ہے۔ عُریب کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ ایک بار عُریب نے مامون سے رنجیدہ ہو کر ملنا چھوڑ دیا۔ قاضی احمد بن ابی داؤد سے مامون نے التجا کی کہ آپ بیچ میں پڑ کر صلح کرا دیجئے۔ عُریب نے [illegible] تو پردہ سے بول اُٹھی کہ:۔

نخلط الھجر بالوصال و لا یدخل فی الصلح بیننا احد

"یعنی وصال میں ہم ہجر کو ملا دیتے ہیں۔ لیکن صلح کرانیکے لئے ہمارے بیچ میں کوئی غیر شخص نہیں پڑ سکتا"۔ مامون کی ایک دوسری کنیز جس کا نام بذل تھا۔ فن موسیقی کے مشہور اُستادوں میں تسلیم کی گئی ہے۔ علی بن ہشام نے اُسکی ایک تصنیف کا جو سات ہزار راگوں پر مشتمل ہے۔ دس ہزار درہم صلہ دیا تھا۔ علامہ ابوالفرج اصفہانی نے عریب و بذل کے دلآویز حالات کیلئے اپنی بینظیر کتاب الاغانی کے بیسیوں صفحے نذر کئے ہیں۔ رنگیں طبع ناظرین کو اگر زیادہ دلچسپی ہو تو اُس کے صفحے پیش نظر رکھیں۔ اس عہد میں تعلیم یافتہ کنیزیں عموماً امرا و خوشحال لوگوں کے حرم میں داخل تھیں۔ اور چونکہ اُن کے حقوق اور معاشرت عملی طور سے ہر خاندان میں اصلی ازواج کے برابر بلکہ بڑھکر تھے۔ اسلئے عورتوں کی تعلیم اور آزادی کا مسئلہ بہت کچھ اُنکی بدولت حل ہو گیا تھا +

مامون کے عیش و طرب کے جلسوں میں گو عیاشانہ رنگینی پائی جاتی ہے مگر انصاف یہ ہے کہ یہ جلسے علمی مذاق سے بالکل خالی بھی نہ تھے۔ اس قسم کے جلسے جو شاعرانہ جذبات کو پورے جوش کے ساتھ اُبھار دیتے ہیں۔ اگر متانت و تہذیب کے ساتھ ہوں تو لٹریچر پر نہایت وسیع اور عمدہ اثر پیدا کرتے ہیں۔ مامون خود سخن سنج۔ اور موسیقی کا بڑا ماہر تھا۔ یاران مجلس بھی عموماً نازک خیال اور نکتہ شناس تھے۔ بات بات پر شاعرانہ لطیفے ایجاد ہوتے۔ کبھی موسیقی کی بحث چھڑ جاتی۔ کسی وقت مامون کے فی البدیہہ مصرعوں یا شعروں پر شعرا کی طبع آزمائیوں کا امتحان ہوتا۔ ایک بزم عیش آراستہ تھی۔ بادہ و جام کا دور تھا۔ بیس عیسائی کنیزیں دیبائے رومی کے لباس پہنے۔ گردنوں میں سونے کی صلیبیں۔ کمریں زریں زنار۔ ہاتھوں میں گلدستے لئے ہوئے۔ بزم میں جلوہ آرا تھیں۔ یہ سماں ایسا نہ تھا۔ کہ مامون دل پر قابو رکھ سکتا۔ بیساختہ چند اشعار زبان سے نکلے۔ اور احمد بن صدقہ ایک مغنی کو بلا کر اُن شعروں کے گانے کی فرمائش کی۔ احمد کی

نغمہ سرائی کے ساتھ کنیزیں ناچنے کھڑی ہوگئیں۔ ان کی مخمور آنکھیں اور جام شراب مامون کے بدمست کرنے میں یکساں کام دے رہے تھے۔ وہ بالکل سرشار ہوگیا اور حکم دیا کہ ان نازنینوں کے قدم پر تین ہزار اشرفیاں نثار کی جاویں۔ مامون کا چچا ابراہیم جسکے ادعائے خلافت کا حال پہلے حصہ میں گذر چکا ہے۔ اور جو موسیقی کا بڑا اُستاد اور اس فن میں اسحٰق موصلی کی ہمسری کا دعوےٰ رکھتا تھا۔ ایک دن بزم عیش میں حاضر تھا۔ مامون کے دائیں بائیں بیس خوروش کنیزیں ایک سر میں عود چھیڑ رہی تھیں۔ اسحٰق بھی حاضر ہوا۔ اور آنے کے ساتھ ٹھٹک سا گیا (مامون) کیوں اسحٰق! کوئی بے اصول آواز کان میں آرہی ہے؟ (اسحٰق) حضور ہاں! (مامون ابراہیم کی طرف مخاطب ہوکر) تم اس سوال کا جواب کیا دیتے ہو! (ابراہیم) نہیں۔ مامون نے اسحٰق کی طرف دیکھا۔ اُس نے کہا "اب میں تعین بتا دیتا ہوں کہ اس صف میں کس کی تار پر غلط مضراب پڑ رہا ہے" ابراہیم نے اس طرف کان لگا کر سنا۔ مگر پھر بھی تمیز نہ ہوئی۔ اسحٰق نے ایک خاص کنیز کی طرف اشارہ کیا کہ وہ تنہا بجائے اور سب ہاتھ روک لیں۔ اب ابراہیم بھی سمجھ گیا۔ اور اپنی ناواقفیت پر نادم ہوا۔ مامون نے کہا "ابراہیم اسی تاروں کی یکساں اور مشتبہ گونج میں ایک غلط صدا جس کے کان میں کھٹک جائے اور اُسکو بہ تعین بتا دے۔ تم اسکی ہمسری کا کیونکر دعوےٰ کرسکتے ہو" شاید یہ پہلا دن تھا کہ ابراہیم نے صریح لفظوں میں اسحاق کی فضیلت کو تسلیم کرلیا۔ ایک دن معتصم باللہ نے مامون کی دعوت کی۔ مکان جو دعوت کے لئے سجایا گیا تھا۔ اُس کی چھت میں جابجا روشندانوں میں شیشے لگے تھے۔ مجلس میں احمد یزیدی اور سیما ترکی بھی موجود تھا۔ جو معتصم کا پیارا غلام اور حسن و جمال میں یگانہ روزگار تھا۔ آفتاب کا عکس شیشوں سے ہوکر سیما کے چہرے پر پڑا۔ تو عجیب کیفیت پیدا ہوئی۔ مامون بلیساختہ پکار اُٹھا کہ "دیکھنا! آفتاب کا عکس سیما کے چہرے پر پڑکر کیا سماں دکھلا رہا ہے۔ پھر ایک شعر پڑھا۔ کہ اسی وقت موزون ہوا

تھا جس کا پہلا مصرع یہ ہے "قد طلعت شمس علی شمس" یعنی آفتاب پر آفتاب چمک رہا ہے" اگرچہ یہ ایک برجستہ لطیفہ تھا تاہم معتصم کو رشک ہوا۔ مامون نے تسکین کر دی کہ "رقابت مقصود نہیں۔ صرف یہ ایک فوری اثر کا اظہار تھا"

مامون کا مذہب

مامون مذہب کے لحاظ سے اس شعر کا مصداق ہے:۔

کس کی ملت میں گنوں آپکو بتلائے شوخ ۔۔۔ تو کہے گبر مجھے گبر مسلمان مجھکو

سُنی مؤرخ اس کے محاسن و فضائل کا علانیہ اعتراف کر کے بڑی حسرت سے لکھتے ہیں۔ کہ "افسوس شیعی تھا" شیعہ سخت ناراض ہیں کہ اُسکا تشیع بالکل فریب تھا جسکے ذریعہ سے اس نے حضرت علی رضا علیہ السلام پر قابو حاصل کیا۔ اور پھر زہر دلوا دیا۔ معتزلہ کی تاریخیں موجود نہیں۔ ورنہ یہ دیکھنا تھا کہ اس مقدس فرقہ نے اُس کو کس لقب سے یاد کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ مامون کے زمانہ تک ان فرقوں میں وہ حد فاصل نہیں قائم ہوئی تھی۔ جو اب ہے۔ سُنی۔ شیعہ۔ معتزلہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ سنیوں کے بڑے بڑے پیشوائے مذہبی (امام بخاری وغیرہ) شیعوں سے حدیثیں روایت کرتے تھے۔

بزرگان سلف میں سینکڑوں ایسے گذرے ہیں کہ اگر اُنکے مجموعہ عقائد کا شیرازہ کھولدیا جائے تو شیعہ۔ سُنی۔ معتزلی۔ قدریہ ہر ایک کے ہاتھ میں اسکا کچھ حصہ آئے گا۔ عقاید کے لحاظ سے مامون معجون مرکب تھا۔ قرآن کے حادث ہونیکا قائل تھا۔ عام منادی کرادی تھی کہ جو شخص امیر معاویہ کو اچھا کہے وہ دائرہ اطاعت سے باہر ہے۔ حضرت علی کو تمام صحابہ سے افضل سمجھتا تھا۔ لیکن اور خلفا سے بھی بد اعتقاد نہ تھا۔ اُس نے ایک نظم میں حضرت عثمان و عائشہ کی نسبت بھی اپنا راسخ اعتقاد ظاہر

کیا ہے۔ اُسکے یہ خیالات جن کو اب مذہبی اعتقادات کا لقب دیا جاتا ہے۔ مختلف زبانوں کی تعلیم و معاشرت کے نتائج تھے۔ خاندان برامکہ کی صحبت نے جو اُسکی ابتدائی تعلیم و تربیت کے راہنما تھے۔ اُس کو شیعہ پن کے خیالات سکھائے۔ بڑا ہوا تو بھی یہی صحبت رہی فضل بن سہل۔ جو پایہ تخت کے وزیر اور حکومت کے ارکان اعظم تھے۔ مامون پر ایسے محیط تھے کہ وہ انہیں کی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔ اور اُنہیں کے کانوں سے سُنتا تھا۔ یہ دونو شیعہ تھے۔ اور ان کے اقتدار نے کل دربار پر اپنا رنگ جما لیا تھا اخیر میں معتزلی اپنے فضل و کمال کی وجہ سے باریاب ہوئے۔ مامون کی قابل طبیعت نے اُن کے عقاید کو بھی خیر مقدم کہا۔ اس دو طرفہ کشمکش میں سُنیت کا جس قدر حصہ باقی رہ گیا۔ وہ صرف خاندان کا قدرتی اثر تھا۔ مامون کے دربار میں ہندو۔ عیسائی۔ یہودی۔ مجوسی ہر ایک مذہب کے عالم اور فاضل تھے۔ وہ سب سے نہایت فیاضانہ مراعات رکھتا تھا۔ اور کسی کے عقاید اور مذہبی خیالات سے اُسکو بحث نہ تھی۔ لیکن تعجب اور افسوس ہے کہ خود اُسکے ہم مذہبوں کو ہمیشہ اُسکے تعصبات سے گزند پہنچتا تھا۔ شیعہ پن کے جوش میں ایک بار منادی کرادی کہ متعہ عموماً جائز سمجھا جائے۔ اگر یہ حکم ذاتی رائے کی صورت میں ہوتا۔ تو شاید کسی کو خیال بھی نہ ہوتا۔ لیکن ایک عام منادی فرمان شاہی کے ہمزبان تھی اور اگر قاضی یحییٰ کے منطقی استدلال سے مامون عاجز نہ آجاتا تو شاید سُنیوں کی قسمت بدل گئی ہوتی۔ مامون اُسوقت دمشق میں تھا۔ دربار کے تمام علما بھی ساتھ تھے۔ اس وحشت انگیز منادی نے گو تمام شہر کو برہم کر دیا۔ لیکن حکومت کی آواز کو کون دبا سکتا تھا جو لوگ مامون کے مزاجدان تھے سمجھ چکے تھے کہ اس پرخطر موقع پر اگر کوئی شخص اپنی جرأت کا امتحان لے سکتا ہے تو وہ صرف قاضی یحییٰ ہیں۔ درباریوں میں سے دو شخص اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ پہلے سے تیار بیٹھے تھے۔ ان لوگوں سے کہا۔ کہ دربار میں چلئے۔ میں بھی ذرا دیر میں آتا ہوں۔ یہ لوگ پہنچے تو مامون حضرت عمرؓ

کا یہ قول پڑھ رہا تھا "دو متعے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں تھے میں اُن کو حرام کرتا ہوں" ہر لفظ پر اُس کا چہرہ غصہ سے متغیر ہوا جاتا تھا۔ اور جب ایک پُر غیظ لہجہ میں یہ روایت ختم کر چکا تو نہایت طیش میں آکر کہا اے جعل جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جائز تھی۔ تو کون ہے کہ اُس کو حرام کرے" مامون کو اس طرح برافروختہ دیکھکر سب سہم گئے۔ اتنے میں قاضی یحییٰ پہنچے۔ اور گو خود کچھ نہیں کہا۔ لیکن ان کا مغموم چہرہ اُنکے دلی خیالات کو صاف ادا کر رہا تھا۔ مامون نے اُن کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ کیوں آپ کا چہرہ کیوں متغیر ہے؟

(قاضی یحییٰ) اسلام میں ایک نیا رخنہ پڑا۔

(مامون) وہ کیا؟ (قاضی یحییٰ) زنا حلال کر دیا گیا +

(مامون) یہ کیونکر؟ (قاضی یحییٰ) متعہ زنا ہی تو ہے +

(مامون) کس دلیل سے؟ (قاضی یحییٰ) قرآن مجید کی اس آیت میں اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ۔ صرف دو قسم کی عورتوں سے تمتع جائز کیا گیا ہے۔ جورو۔ لونڈی۔ کیا ممتوعہ عورت لونڈی ہے؟ (مامون) نہیں (قاضی یحییٰ) پھر کیا زوجہ شرعی ہے۔ کیا اُسکو میراث ملسکتی ہے؟ قاضی یحییٰ نے ایک حدیث بھی متعہ کی حرمت میں پڑھی۔ مامون کو اپنی خود رائی پر نہایت افسوس ہوا۔ اور اسی وقت حکم دیا کہ پہلا حکم منسوخ کر دیا گیا[۱] +

مامون اس بات میں بے شبہ نہایت تعریف کا مستحق ہے کہ وہ اعلےٰ درجہ کی فلسفیانہ تعلیم و خیالات کے ساتھ مذہبی عقاید میں نہایت راسخ الاعتقاد تھا۔ فرائض اور اعمال کا سخت پابند تھا۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُس کو جو سچی ارادت تھی عاشقانہ وارفتگی کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ شام کے سفر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک ملا تو آنکھوں سے لگایا۔ اور جوش محبت کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی

بار بار آنکھوں سے لگاتا تھا۔ اور روتا جاتا تھا۔ مذہبی جوش ایک بڑی طاقت ہے۔ اور ہمیشہ دنیا میں اس سے عجیب عجیب اثر ظاہر ہوئے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ مامون نے اس قوت سے کوئی عمدہ کام نہیں لیا۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ جس چیز نے اُسکی تمام خوبیاں غارت کر دیں وہ یہی مذہبی جنون تھا۔ فلسفہ کے اثر نے اُسکو چند عقائد میں معتزلی المذہب بنا دیا تھا جس میں سے قرآن کے حادث ہونے کا مسئلہ اس رسوخ کے ساتھ اُس کے دل میں بیٹھ گیا کہ اُس کے نزدیک اس مسئلہ سے انکار کرنا۔ گویا اصل توحید سے انکار تھا۔ ۲۱۸ھ میں جب وہ شام کے اضلاع میں مقیم تھا۔ تو اسحق خزاعی گورنر بغداد کو ایک فرمان بھیجا جس کا مختصراً مضمون یہ تھا "امیر المؤمنین کو معلوم ہوا ہے کہ عموماً تمام مسلمان جو شریعت کی باریکیوں کو نہیں سمجھ سکتے قرآن کے قدم کے قائل ہیں۔ حالانکہ خود قرآن کی متعدد آیتوں سے اس کے خلاف ثابت ہے۔ یہ لوگ بدترین امم اور ابلیس کی زبان ہیں بغداد کے تمام قاضیوں کو جمع کر کے یہ فرمان سنا دیا جائے۔ اور جس کو انکار ہو۔ وہ ساقط العدالت مشہور کر دیا جائے" مامون کو اس پر بھی تسلی نہیں ہوئی۔ سات بڑے بڑے عالموں کو جو مذہباً بہت بڑا اقتدار رکھتے تھے اپنے پاس طلب کیا۔ اور رو در رو گفتگو کی یہ سب لوگ اس مسئلہ میں مامون کے خلاف تھے۔ مگر تلوار کے ڈر سے وہ کہہ آئے جو اُن کا دل نہیں کہتا تھا۔ جب یہ لوگ بھی مامون کے ہمزبان بن گئے۔ تو اُس نے اسحٰق کے نام ایک دوسرا فرمان بھیجا کہ ممالک اسلامیہ کے تمام علماء اور مذہبی پیشواؤں کا اظہار لیا جائے۔ اس حکم کی پوری پوری تعمیل ہوئی۔ اور سب کے اظہار اُنکے خاص الفاظ میں قلمبند ہو کر مامون کے پاس بھیج دیئے گئے۔ اس کے جواب میں مامون نے جو کچھ لکھا وہ اُسکے جنون مذہبی کا ہذیان تھا۔ تمام محدثین اور فقہا میں سے ایک بھی نہیں بچا۔ جس پر رشوت۔ چوری۔ دروغگوئی۔ بے علمی۔ حماقت شعاری کا الزام نہیں لگایا تھا۔ فرمان میں یہ چنگیزی حکم بھی تھا کہ جو لوگ اس عقیدے سے باز نہ آئیں پابزنجیر روانہ کئے جائیں

تاکہ میں خود اپنے سامنے اتمام حجت کر کے اُن کی موت وحیات کا فیصلہ کر دوں" اسحٰق یہ فرمان مجمع عام میں پڑھکر سنایا جس کی ہیبت نے بڑے بڑے ثابت قدموں کے عزم کو متزلزل کردیا۔ اور سب کے سب سچائی اور آزادی کو خیرباد کہکر مامون کے ہمزبان ہوگئے۔ علامۂ قواریری وسجادہ البتہ کسی قدر مستقل رہے۔ مگر جب پاؤں میں بیڑیاں ڈالدی گئیں اور ایک رات اسی سختی میں گذری تو ثابت ہوگیا کہ اُن لوگوں کو اپنے عزم واستقلال کی نسبت جو حسن ظن تھا وہ صحیح نہ تھا۔ صرف امام حنبلؒ و محمد بن نوح اس معرکہ میں ثابت قدم رہے۔ جس کے صلے میں پابزنجیر ہوکر طوس روانہ کئے گئے +

مامون کو پھر معلوم ہؤا کہ جن لوگوں نے اس مسئلہ کو تسلیم کرلیا تھا۔ تقیہ کیا تھا۔ وہ نہایت برافروختہ ہؤا۔ اور ان لوگوں کی نسبت حکم دیا کہ آستانہ دولت پر حاضر کئے جائیں۔ ایک جم غفیر جس میں ابوحسان زیادی۔ نضر بن شمیل۔ قواریری۔ ابونصر تمار علی بن مقاتل۔ بشر بن الولید وغیرہ شامل تھے۔ پولیس کی حراست میں شام کو روانہ کیا گیا۔ یہ لوگ رقہ تک پہنچ چکے تھے کہ مامون کے مرنے کی خبر آئی۔ جس کا اثر عام مسلمانوں پر جو کچھ ہؤا ہو۔ لیکن ان بیکسوں کے لئے تو یہ ایک نہایت جانفزا مژدہ تھا[۵۱] +

تمام خلفائے بنی العباس کے برخلاف مامون آل علی سے نہایت محبت رکھتا تھا۔ باغ فدک سادات کو واپس دے دیا تھا۔ آل ہاشم کو عموماً بڑے بڑے ملکی عہدے دئے۔ اس عزیزانہ مراعات کو خاندان عباس رشک کی نگاہ سے دیکھتا تھا یحییٰ بن حسین نے (علویین میں سے تھے) جب انتقال کیا۔ تو مامون کو اُن کے مرنے کا ایسا صدمہ ہؤا کہ شاید کبھی نہ ہؤا تھا۔ خود ان کے جنازہ پر حاضر ہؤا۔ اور دیر تک رنج وغم کی وہ حالت اُس پر طاری رہی کہ لوگ دیکھکر تعجب کرتے تھے۔ اس واقعہ کے

---

[۵۱] یہ تمام واقعات کامل ابن الاثیر اور تاریخ الخلفا میں زیادہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں +

اور رسالوں کے نام ہیں۔ اُن میں سے بعض میں اُس نے یونانی حکما کی غلطیاں ثابت کی ہیں بعض میں حالات جدیدہ کا بیان ہے۔ ایک رسالہ ایک آلہ پر لکھا ہے جس سے تمام اجرام کا بُعد دریافت ہو سکتا ہے۔ ایک اور آلہ کی ترکیب لکھی ہے جس سے تمام معائنات کا بُعد معلوم ہو سکے۔ اس قسم کے اور جدید آلات پر اُس نے رسالے لکھے ہیں۔ علوم فلسفیہ کے ترجمہ میں اس بات کو بہت بڑا دخل ہے کہ مترجم فن سے مجتہدانہ واقفیت رکھتا ہو۔ اسی بنا پر ابو معشر نے کتاب المذکرات میں لکھا ہے کہ اسلام میں عمدہ مترجم چار شخص گذرے وہ یعقوب کندی حنین بن اسحٰق ثابت بن قرۃ عمر و بن الفرخان الطبری۔ یعقوب کندی نے ترجمہ کے ساتھ اصل کتاب کی پیچیدگیاں بھی رفع کر دیں اور اس وجہ سے اُسکے ترجمے ایک اعتبار سے شرح کی حیثیت رکھتے ہیں +

یعقوب کندی کی خاص تصنیفیں جو منطق میں ہیں ایک مدت تک درس میں داخل تھیں۔ اور جب تک ابو نصر فارابی کی تصنیفیں نہیں شائع ہوئیں انکا رواج تمام ممالک فارس و خراساں و عراق میں قائم رہا۔ یعقوب کے شاگردوں میں سے حسنویہ۔ نفطویہ۔ سلمویہ۔ احمد بن الطیب کو علمی شہرت حاصل ہے۔ احمد بن الطیب علوم فلسفیہ کا بڑا فاضل تھا۔ اُس نے اکثر ارسطو وغیرہ کی تصنیفات کے خلاصے کئے اور شرحیں لکھیں +

مامون کے دربار کا دوسرا مترجم حنین[۵۳] بن اسحٰق جسکا نشو و نما۔ مامون ہی کے عہد میں ہُوا۔ ترجمہ کا نامور ہیرو ہے۔ عربیت کی تکمیل خلیل بن احمد بصری سے کی تھی۔ جو لغات عرب کا پہلا مدوّن اور فن عروض کا موجد ہے۔ یونانی زبان بلادِ روم میں جاکر سیکھی۔ اول اُس نے جبریل بن بختیشوع کی خدمت میں رسائی حاصل کی رفتہ رفتہ دربار خلافت میں۔ مامون نے اُسکو ترجمے کے کام پر مامور کیا۔ اور زر و مال سے مالا مال کر دیا۔ مشاہرہ کے علاوہ صلہ و انعامات کی کوئی حد نہ تھی۔ مشہور یہ ہے کہ مامون ہر کتاب کے ترجمہ کے عوض کتاب کے برابر سونا تول کر دیتا تھا۔ لیکن حنین نے خود ایک رسالہ میں دینار کی بجائے درہم کی تصریح

[۵۳] حنین کا مفصل تذکرہ طبقات الاطبا میں ملاحظہ کرنے کے قابل ہے ۱۲

کی ہے۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے کتاب طبقات الاطباء میں جو ۶۴۳ھ میں تالیف ہوئی لکھا ہے کہ میں نے خود حنین کے بہت سے ترجمے دیکھے جو اسکے کاتب ارزق کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔ اور جن پر مامون الرشید کا شاہی طغرا بنا ہوا تھا۔ ابن ابی اصیبعہ کا بیان ہے۔ کہ یہ مترجم کتابیں نہایت جلی خطوں میں تھیں۔ کاغذ بھی نہایت گندہ تھا۔ اور ہر صفحہ میں صرف چند سطریں تھیں۔ غالباً حنین قصداً کتاب کی ضخامت کو بڑھانا چاہتا تھا۔ کیونکہ کتاب کے برابر تول کر اسکو چاندی ملتی تھی۔ علامہ موصوف ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر اسقدر اور مضبوط کاغذ پر نہ لکھی ہوتیں تو آجتک یہ کتابیں محفوظ نہ رہ سکتی تھیں علامہ ابن ابی صیبعہ نے حکیم جالینوس کے ذکر میں جالینوس کی ایکسو اکیس کتابوں کے نام اور انکے مضامین لکھے ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ قریباً یہ سب کتابیں حنین نے عربی میں ترجمہ کیں حنین نے ایک رسالہ میں خود جالینوس کی تصنیفات کی تفصیل کی ہے اور لکھا ہے کہ میں نے کن مشکلوں سے یہ کتابیں ہم پہنچائیں اور انکے ترجمے کئے وہ لکھتا ہے کہ کتاب البرہان کی تلاش میں جزیرہ فلسطین مصر اسکندریہ۔ اور تمام ممالک شام میں پھرا۔ لیکن صرف نصف مقالہ دمشق میں دستیاب ہوا۔ جالینوس کی کتابوں کے ترجمے اور مترجمین نے بھی کئے۔ مثلاً الطاث۔ ابن بکی۔ بطریق ابو سعید عثمان دمشقی۔ موسیٰ بن خالد۔ لیکن حنین کے ترجموں سے انکو کچھ نسبت نہیں ہے۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے موسیٰ بن خالد کے ترجمے خود دیکھے۔ انکا بیان ہے کہ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تعجب ہے کہ حنین خود بھی صاحب تصنیفات تھا۔ طبقات الاطباء میں اسکی خاص تصنیفات کی فہرست تین صفحوں میں نقل کی ہے۔ جسکو ہم تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں +

حنین کا نامور فرزند اسحق اور اسکا بھانجا جلیش۔ ان دونوں نے ترجمہ کے کام کو بہت وسعت دی ارسطو کی اکثر فلسفی تصانیف اسحق نے ترجمہ کیں +

قسطا بن لوقا بعلبکی بھی نہایت نامور فاضل اور مختلف زبانوں کا ماہر تھا۔ ابن الندیم

کا بیان ہے کہ وہ طب۔ فلسفہ۔ ہندسہ۔ اعداد۔ موسیقی میں مہارت کامل رکھتا تھا۔ یونانی زبان نہایت فصاحت سے بولتا تھا۔ عربیت میں کامل تھا" علامہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے۔ کہ اُس نے یونانی کی بہت سی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں۔ اور اکثر پہلے ترجموں کی اصلاح کی" اُس کے علاوہ وہ خود بھی صاحب تصنیفات تھا + طبقات الاطبا میں اُس کی بہت سی تصنیفات کے نام لکھے ہیں +

خاص مامون کے عہد میں جسقدر کتابیں ترجمہ ہوئیں۔ اور ان پر جو شروح و حواشی لکھے گئے۔ اُن کی فہرست کے لئے ایک مستقل رسالہ درکار ہے[۱] +

مامون جسقدر فلسفہ کے دلچسپ مسائل سے آگاہ ہوتا گیا۔ اُس کے شوق تحصیل کو اور ترقی ہوتی گئی۔ اور زیادہ تر تحقیق و توجہ پر مائل ہوا +

علم جبر و مقابلہ پر اسلام میں اول جو کتاب لکھی گئی وہ اسی عہد کے ایک مشہور عالم محمد ابن موسیٰ خوارزمی نے مامون کی فرمایش سے لکھی۔ یہ تصنیف آج بھی موجود ہے اور اس قدر جامع و مرتب ہے کہ گو علما نے اسلام نے جبر و مقابلہ میں سینکڑوں نادر کتابیں لکھیں لیکن اصل مسائل میں اُس سے زیادہ ترقی نہ کر سکے + یونانی کتب حکمت میں اُس نے پڑھا تھا کہ کرۂ زمین کا دور ۲۴ ہزار میل ہے +

مزید تحقیق کے لحاظ سے محمد و احمد و حسن کو جو اُسکے خاص ندیم اور فنون حکمت کی ترقی و اشاعت میں اُس سے بھی کچھ زیادہ سرگرم تھے۔ حکم دیا کہ دربار میں جو ہیئت دان ماہرین فن ہیں۔ اُن کو ساتھ لیں۔ اور کسی ہموار اور وسیع صحرا میں آلات رصدیہ اور اصول حساب کے

[۱] تعجب ہے کہ صاحب کشف الظنون نہ صرف مامون الرشید بلکہ خاندان عباسیہ کی مجموعی کوششوں کو بے دقعتی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ علم حکمت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ یونان کی عمدہ اور معظم تصنیفات عربی میں ترجمہ نہیں ہوئیں۔ اور جس قدر ہوئیں ان میں اکثر غلطیاں رہ گئیں +
میں اس موقع پر صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ صاحب کشف الظنون کو تاریخ الحکما و طبقات الاطبا لابن ابی اصیبعہ غور سے پڑھنا چاہیئے تھا۔ میں کئی سو تصنیفات کے ترجموں کا نشان دے سکتا ہوں +

استعمال سے کرۂ زمین کی پیمائش کریں سنجار کا سطح اور وسیع میدان اس تجربے کیلئے نہایت مناسب مقام تھا۔ ان لوگوں نے پہلے ایک جگہ ٹھیر کر آلات رصدیہ کے ذریعے سے قطب شمالی کا ارتفاع معلوم کیا۔ پھر وہاں ایک کھونٹی گاڑ دی۔ اور ایک لمبی رسی اُس میں باندھکر ٹھیک شمال کی سمت چلے۔ رسی جہاں ختم ہوگئی۔ وہاں ایک دوسری کھونٹی گاڑ دی۔ اور اُس میں ایک رسی باندھ کر شمالی سمت کو چلے۔ اور ایک جگہ ٹھیر کر رصد سے دیکھا تو قطب شمالی کا ارتفاع ایک درجہ بڑھ گیا تھا۔ اب جسقدر مسافت طے ہوئی تھی تمام اُسکی مساحت کی تو ۶۶ میل اور دو ثلث میل ٹھیری۔ اس سے نتیجہ نکالا کہ آسمان کے ہر ایک درجہ کے مقابل زمین کی سطح ۶۶ میل اور دو ثلث میل ہے۔ پھر اُسی مقام سے ٹھیک جنوب کی طرف چلے اور اسی طرح رسیاں باندھتے گئے یہاں قطب شمالی کا ارتفاع لیا تو معلوم ہوا کہ ایک درجہ کم ہے۔ اب اسطرح حساب لگایا۔ کہ ایک درجہ کے مقابل زمین کی جو مسافت ٹھیری تھی۔ اُسکو تین سو ساٹھ میں ضرب دیا۔ کیونکہ آسمان کے درجے اسی قدر قرار دیئے گئے ہیں۔ اس حساب سے محیط زمین ۲۴ ہزار میل ٹھیرا[۹۱]

دولت اسلامیہ میں اول جس نے رصد خانہ کی بنیاد ڈالی اور بیش بہا آلات رصدیہ مہیا کئے۔ وہ یہی نامور خلیفہ مامون ہے۔ اس کام کیلئے اُس نے علاوہ اُن لوگوں کے جو دربار میں تھے۔ تمام ممالک محروسہ سے ہیئت و ہندسہ کے ماہرین فن طلب کئے۔ اور ۲۱۴ھ میں بمقام شماسیہ عظیم الشان رصد خانہ قائم کیا۔ جس کے مہتمم یحییٰ بن ابی المنصور راس المنجمین خالد بن عبد الملک مروروذی۔ سند بن علی۔ عباس بن سعید جوہری۔ اور چند ریاضی دان علماء تھے۔ نہایت بیش بہا آلات رصدیہ طیار ہوئے۔ اور آفتاب کے میل کا مقدار اُسکے مرکزوں کا خروج اوج کے مواضع۔ اور چند سیارات و ثوابت کے حالات دریافت کئے گئے[۹۲]

مامون کے زمانہ تک جس زیچ پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ وہ محمد بن ابراہیم فزاری کی تالیف تھی لیکن نئی تحقیقات کے بعد مامون کے ایک بڑے منجم ابو جعفر محمد بن موسیٰ خوارزمی نے جو زیچ ترتیب

---

[۹۱] ابن خلکان۔ ترجمہ محمد بن موسیٰ ۱۲ — [۹۲] کشف الظنون ذکر الرصد ۱۲

دی۔ اُسکی شہرت مقبول نے اوروں کا نام مٹا دیا۔ یہ زیج دنیا کی تمام مستند زیجوں سے ماخوذ تھی۔ اوساط ہندوستان کی زیج کے مطابق رکھتے تھے۔ تعدیلین فارس کی تحقیقات کے موافق تھیں۔ اور میل شمس میں بطلیموس کی رائے لی تھی۔ اُسکے ساتھ ترتیب و تقریب کے متعلق خود پسند ایجادیں کی تھیں[۱] +

مامون کے ایک دوسرے منجم حبش حاسب مروزی نے بھی تین زیجیں طیار کیں۔ مگر ان میں جو تحقیقات جدیدہ کے مطابق اور مامون کے نام سے منسوب ہے زیادہ مشہور ہوئی[۲] +

ایشیائی حکومتوں میں کسی چیز کی اشاعت کیلئے صرف یہ بات کافی ہے کہ فرمانروائے وقت اُسکا قدردان ہو۔ لیکن مامون کے عہد میں چند اور باتیں جمع ہوگئی تھیں +

اُسوقت تک مسلمانوں میں عزم و ثبات کا عام مادہ موجود تھا۔ اور ہر شخص کا دل جوش اور امنگ سے بریز تھا۔ یہ سرگرم طبیعتیں جس طرف رخ کرتی تھیں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتی تھیں اُسکے ساتھ مامون کی پایہ شناسی اور فیاضیوں نے اور بھی حوصلے بڑھا دیئے اور چونکہ مامون خود نہایت محقق اور ماہر فن تھا۔ اور اُسکے دربار میں فروغ پانا کچھ آسان بات نہیں تھی۔ ملک میں کمال کا عام رواج ہوگیا +

۲۱۰ھ میں جب وہ بغداد پہنچا تو قاضی یحیٰی بن اکثم کو حکم دیا کہ علماء و فضلاء میں سے بیس شخص انتخاب کئے جائیں جو علمی مجلسوں میں شریک ہوا کریں[۳]۔ فرامین بھیجکر ہر جگہ سے ادیب۔ فقیہ۔ شاعر۔ متکلم۔ حکیم طلب کئے۔ اور معقول تنخواہیں مقرر کیں[۴] +

اصمعی کو جو ایک اعجوبۂ روزگار شخص۔ اور لغات عرب میں قریباً ایک خمس اُسی کی روایت ہے بصرہ سے بلانا چاہا۔ مگر چونکہ اُس نے ضعف اور پیرانہ سالی کا عذر کیا۔ اس لئے حکم دیا۔ کہ نحو اور ادب کے مشکل مسائل جو دربار کے علما حل نہ کر سکیں اصمعی کے پاس جواب کی غرض سے بھیجے جائیں[۵]۔ شاہ یونان کو خط لکھا کہ حکیم لیو کو اجازت دی جاوے کہ مجھ کو

---

[۱] دیکھو جامع القصص الہندیہ مطبوعہ فرانس مقام پیرس ۱۸۳۸ء صفحہ ۱۰۰ [۲] کشف الظنون ذکر زیج حبش الحاسب ۱۲ [۳] نامۃ الشوران ناصری صفحہ ۱۱، ۱۲ [۴] مروج الذہب مسعودی ذکر خلافت قاہر باللہ ۱۲ [۵] ابن خلکان ترجمہ اصمعی ۱۲

یہاں آکر فلسفہ پڑھا جائے جس کے عوض میں صلۂ دائمی کا وعدہ اور پانچ ٹن سونا دینا منظور کرتا ہوں[۵۱]
فرا نحوی کو جو علم نحو کے ارکان میں شمار کیا گیا ہے۔ حکم دیا کہ نحو میں ایسی جامع کتاب لکھے۔ جو
تمامی اصول پر حاوی اور اہل زبان کے محاورات اور طریق استعمال سے مستنبط ہو۔ اس غرض سے
ایوان شاہی کا ایک کمرہ خالی کیا گیا۔ اور خدام و ملازم مقرر ہوئے کہ فرا کو کسی ضرورت کے لئے
کچھ کہنا نہ پڑے۔ صرف نماز کے وقت آدمی اطلاع کرتا تھا۔ کہ "وقت ہوا"۔ بہت سے کاتب
اور ناقلین معین ہوئے کہ جو کچھ فرا بتاتا جائے۔ لکھتے جائیں دو برس کی متصل محنت میں ایک
نہایت بسیط کتاب تیار ہوئی مامون نے حکم دیا کہ اسکی بہت نقلیں لکھوا کر کتب خانوں میں بھیجی جائیں
اس کتاب کا نام کتاب الحدود ہے۔ فرا نے اُسکے بعد کتاب المعانی لکچر کے طور پر لکھوائی۔ راوی کا
بیان ہے کہ جو شائقین فن اُسکے لکھنے کیلئے ہر روز فرا کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ میں نے
ان سب کا شمار کرنا چاہا تو نہ کرسکا۔ لیکن صرف قاضیوں کو گنا تو اسی[۵۲] تھے +

مامون کے عہد خلافت کی ایک بڑی یادگار یہ ہے کہ فارسی شاعری کی ابتدا اسی زمانے
میں ہوئی۔ گو فارس میں اسلام سے پہلے سخنوری اوج کمال تک پہنچ چکی تھی لیکن فتوحات عرب
کے سیلاب میں وہ دفتر خدا جانے کہاں بہ گئے کہ آج بڑے بڑے وسیع النظر مصنف
تذکروں کے ہزاروں ورق الٹ کر بھی ایک قطعہ یا غزل کا پتہ نہیں دے سکتے۔ فارسی لٹریچر پر
خلافت مامون کا یہ ابدی احسان ہے کہ اس عہد میں اُسکی مردہ شاعری نے دوبارہ جنم لیا۔
مامون کی مادری زبان فارسی تھی۔ اُسکا ابتدائی زمانہ بھی خراسان میں بسر ہوا۔ لیکن دربار میں
صرف عرب کے شعرا تھے۔ جو جشن اور خوشی کے موقعوں پر فصیح و بلیغ قصاید لکھکر گرانبہا
صلے حاصل کرتے تھے۔ اس بات نے عباس مروزی ایک ایرانی فاضل کو رشک کے ساتھ
حوصلہ دلایا کہ ملک کی مردہ شاعری کو پھر زندہ کرے۔ مامون کی مدح میں اُس نے ایک
قصیدہ لکھا۔ جس کے چند شعر یہ ہیں:-

---

۵۱ چیمبرس انسائکلوپیڈیا مطبوعہ ۱۸۶۲ء صفحہ ۶۴۳ جلد اول ۱۲ ۵۲ مرآۃ الجنان یافعی۔ ابن خلکان۔
ترجمہ فرا نحوی ۱۲ ۵۳ دیکھو ترجمہ مجمع الفصحاء۔ ذکر عباس مروزی ۱۲

اے رسانیدہ بدولت فرق خود بر فرقدین | گسترانیدہ بفضل وجود در عالم یدین
مر خلافت را تو شایستہ چو مردم دیدہ را | دین یزداں را تو بایستہ چو رُخ را ہر دو عین
کس بدین منوال پیش از من چنین شعری نگفت | مر زبانِ پارسی را ہست با این نوع بین
لیک ازاں گفتم من این مدحت ترا تا این لغت | گیرد از مدح وثنائے حضرت تو زیب و زین

حکومت کی تاثیر دیکھو۔ عربی الفاظ نے ہزاروں برس کی خاص اور منجھی ہوئی زبان پر کس قدر جلد قبضہ کر لیا۔ کہ حب وطن میں ڈوبا ہوا شاعر اپنے ملک کی زبان کو اُس سے آزاد کرنا چاہتا ہے۔ اور نہیں کر سکتا +

مامون کے عہد میں علم خط نے بھی جو ایشیا کا ایک بڑا جوہر ہے نہایت ترقی حاصل کی اس سے پہلے بھی بہت سے خط ایجاد ہو چکے تھے منصور و مہدی عباسی کے زمانے میں اسحٰق بن حماد مشہور خوشنویس تھا۔ اُسکے شاگردوں نے بارہ قسم کے خط ایجاد کئے تھے لیکن اس وقت تک کسی نے اس فن کے اصول وضوابط نہیں لکھے تھے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے۔ کہ اُسوقت تک یہ فن کوئی علمی فن نہ تھا۔ سب سے پہلے مامون کے درباریوں میں سے احول محرر نے اُس کے اُصول و قاعدے منضبط کئے۔ مامون کے وزیر اعظم ذوالریاستین نے بھی ایک خط ایجاد کیا۔ جو اُس کی طرف منسوب ہو کر قلم الریاسی کے نام سے مشہور ہے +

مامون کا فضل وکمال۔ علمی مجلسیں۔ اہل علم کی قدردانی

اسلام کو آج تیرہ سو برس سے کچھ اوپر ہوئے۔ اس وسیع مدت میں ایک تخت نشین بھی ایسا نہیں گذرا جو فضل وکمال کے اعتبار سے مامون کی شان یکتائی کا حریف ہو سکتا۔ افسوس ہے کہ سلطنت کے انتساب نے اُسکو خلفا و سلاطین کے پہلو میں جگہ دی۔ ورنہ شاعری۔ ایام العرب۔ ادب۔ فقہ۔ فلسفہ کونسی بزم ہے۔ جہاں فخر وشرف کے ساتھ اسکا استقبال نہ کیا جاتا۔ قریبًا پانچ برس کی عمر میں وہ مکتب میں بٹھایا گیا۔ علما جو اُس

کی تعلیم کیلئے مقرر ہوتے - ہر ایک یگانۂ وقت تھا ٭

یزیدی - جسکو تعلیم کے ساتھ اتالیقی کی خدمت بھی سپرد تھی - ایک مشہور مصنف ہے خلیل بصری جو لغات عرب کا پہلا مدون ہے اُسکا اُستاد تھا - لغت میں کتاب النوادر یزیدی ہی کی تصنیف ہے - وہ ۲۰۲ھ تک زندہ رہا اور ہمیشہ مامون اُسکی صحبت سے مستفید ہوتا رہتا تھا - مامون کا دوسرا اُستاد - کسائی نحو کے مجتہدین میں شمار کیا گیا ہے - امام مالکؒ فن حدیث میں مامون کے اُستاد تھے - مشہور امام ہیں - آج دنیا میں سُنّی مذہب کے لوگ قریباً ایک رُبع اُنہیں کے مقلد اور پیرو ہیں ٭

مامون کے اساتذہ اور طالب العلمی کے حالات کو اس موقع پر ہم دُہرانا نہیں چاہتے ناظرین کتاب کے حصہ اوّل میں جہاں یہ حالات پڑھ چکے ہیں - اُن صفحوں کو ایک بار اور اُٹھا کر دیکھ لیں - ذیل کی حکایتوں سے جو نہایت صحیح اور مستند تاریخی شہادتوں سے ثابت ہیں - مامون کی جامعیت اور فضل و کمال کا اندازہ ہو سکتا ہے ٭

ایک دن علما کا مجمع تھا - ہر فن کے اہل کمال دربار میں حاضر تھے - ایک عورت فریادی آئی کہ میرا بھائی چھ سو اشرفیاں چھوڑ کر قضا کر گیا - مگر لوگوں نے ترکہ میں مجھکو ایک ہی اشرفی دلوائی - مامون نے ذرا دیر دل ہی دل میں کچھ حساب لگایا - دیکھا تو سہام صحیح تھے عورت سے کہا کہ ہاں تجھ کو اتنا ہی ملنا چاہئے - اس غیر موقع جواب پر سب کو حیرت ہوئی - علماء نے پوچھا - امیر المؤمنین! کیونکر؟ مامون نے کہا - متوفی کی دو بیٹیاں ہونگی - دو ثلث یعنے چار سو اشرفیاں تو اُنکو ملیں - ماں بھی ہوگی - جسکو سدس یعنے سو اشرفیاں پہنچیں - زوجہ کو ثمن یعنی بحقرہ ۵ - ۷۵ ملا ہوگا - ۲۵ باقی رہے ہے" مامون نے عورت کی طرف مخاطب ہو کر کہا - سچ کہنا - تیرے بارہ بھائی ہیں - عورت نے تسلیم کیا کہ ہاں - مامون نے کہا - دو دو اُن کو ملیں ۲۴ ہوئیں - ایک باقی رہی وہ تیرا حق ہے ٭

ایک بار ایک شخص مامون کے پاس حاضر ہوا - اور عرض کیا کہ محدث ہوں - اور اسی

مجھ سے لی جائے میں حاضر ہوں۔ لیکن وزارت کے لقب سے معاف رکھا جاؤں۔ مامون
نے چونکہ اُسکی لیاقت کا صحیح اندازہ کرلیا تھا۔ یہ درخواست قبول نہ کی اور خلعت وزارت
عطا کیا۔ احمد نے نہایت لیاقت اور عظمت وشان کے ساتھ وزارت کی۔ مامون بھی
اُسکی نہایت عزت کرتا تھا۔ ایک بار کسی نے عرضی دی کہ وزیر اعظم احمد کھانے کا بہت
شائق ہے۔ اور جسکی دعوت کھالیتا ہے مقدمات میں خلاف انصاف اُس کی طرفداری
کرتا ہے۔ مامون نے اس شکایت پر اگر کچھ لحاظ کیا۔ تو یہ کیا کہ تنخواہ کے علاوہ ہزار
درہم روزانہ احمد کے دسترخوان کے لئے مقرر کردیئے۔ احمد کی وزارت ختم ہونے کے
ساتھ مامون کی خلافت کا زمانہ بھی قریباً ختم ہوتا ہے۔ باقی اور لوگ جو برائے نام وزیر
کہلائے۔ اُنکی چند روزہ اور گمنام وزارت کوئی تاریخی اثر نہیں رکھتی۔ اور اس لئے اُنکے
حالات سے اگر ہم قطع نظر کریں تو شاید ناموزوں نہ ہوگا +

کُتّاب۔ مامون کے دربار میں جو لوگ اس معزز منصب پر مقرر ہوئے اپنے
فن میں بےمثل و یگانہ روزگار تھے۔ عمرو بن مسعدۃ المتوفی ۲۱۷ھ بہت بڑا نامور فاضل
تسلیم کیا گیا ہے۔ بڑے سے بڑے مضمون کو مختصر لفظوں میں اس خوبی سے ادا کرتا تھا۔
کہ مضمون کا اصلی اثر اور زور پورا قائم رہتا تھا۔ احمد بن یوسف کا بیان ہے کہ ایک بار
میں مامون کی خدمت میں حاضر ہؤا۔ وہ ایک خط پڑھ رہا تھا۔ اور عجیب محویت کے
عالم میں تھا۔ بار بار پڑھتا تھا۔ اور جھومتا تھا۔ ہاتھ سے رکھ دیتا تھا۔ اور پھر اٹھا لیتا تھا۔
مجھ کو دیکھا تو کہا "امیر المؤمنین ہارون الرشید فرمایا کرتے تھے۔ بلاغت اس کا نام ہے
کہ نہایت مختصر لفظوں میں مطلب ادا ہو۔ اور مضمون کا اصلی زور اور اثر قائم رہے۔
امیر المؤمنین نے جو فرمایا تھا۔ اس خط نے آنکھوں سے دکھا دیا" یہ کہکر مامون نے خط
کی عبارت پڑھکر سنائی جو فوج کی باقی تنخواہ کی نسبت ایک شکایت آمیز عرضی تھی۔
خط کے خاص الفاظ یہ ہیں "کتابی الیٰ امیر المؤمنین ومن قبلی من الاجناد والقوا

وفی الطاعۃ والانقیاد علےٰ احسن مایکون علیہ طاعۃ جندٍ تاخرت عطیاتھم و اختلف احوالھم" یعنے میں امیرالمؤمنین کو خط لکھ رہا ہوں - اور فوج و افسران فوج اطاعت اور انقیاد کے اُس عمدہ تر درجے پر ہیں - جہانتک ایک ایسی فوج کا ہونا ممکن ہے جس کی تنخواہیں نہ ملی ہوں - اور تباہ حالی ہو رہی ہو (...

مامون کا دوسرا کاتب احمد بن یوسف فن بلاغت میں اس درجہ کا مسلم الثبوت اُستاد تھا کہ اُس زمانہ میں فضل و کمال کی اس ترقی کے ساتھ بھی کوئی شخص اُسکی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا تھا - طاہر بن الحسین نے مامون کو امین کے قتل کا جو خط لکھا تھا - اور جو اختصار و حسن ادا - بلند خیالی کے لحاظ سے ضرب المثل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے - اسی احمد بن یوسف کا نتیجۂ طبع تھا - وزیر اعظم - احمد احول اکثر مامون کے سامنے اُس احمد بن یوسف کاتب کا تذکرہ نہایت تعریف کے ساتھ کیا کرتا تھا - چنانچہ مامون نے اُسکو دربار میں طلب کیا - احمد نے آداب و تسلیم کے بعد اس فصاحت و لطف سے گفتگو کی - کہ مامون حیران رہ گیا اور کہا "کمال تعجب ہے کہ احمد آج تک اپنے کو چھپا کیوں کرسکا"!

علامہ ابو اسحٰق حصری نے زہر الآداب میں بہت سے اُسکے لطیف اور فصیح و بلیغ خطوط و اشعار نقل کئے ہیں ہم اس موقع پر صرف ایک شعر پر اکتفا کرتے ہیں - شعر

اذا ما التقینا والعیون نواظر ۔۔۔ فالسنتنا حرب وابصارنا سلم

ترجمہ - جب ہم محبوب سے ملتے ہیں تو زبانیں لڑتی ہیں (یعنی باہم شکایت کے دفتر کھولتے ہیں) اور نگاہیں صلح کرلیتی ہیں +

قضاۃ - ممالک محروسہ میں قضاۃ کا جو بہت بڑا محکمہ تھا - اُسکا صدر مقام دارالخلافہ بغداد تھا - اور افسر صدر قاضی القضاۃ کے لقب سے مخاطب ہوتا تھا - اس بلند منصب پر یکے بعد دیگرے دو شخص ممتاز ہوئے یحییٰ بن اکثم و احمد بن ابی داؤد - یحییٰ بن اکثم حکومت کی عظمت و جاہ کے ساتھ پیشوائے مذہبی تسلیم کئے گئے ہیں - اُنکی جلالت و

شان کیلئے یہ امر کافی ہے کہ امام بخاری و ترمذی فن حدیث میں اُنکے شاگرد تھے قاضی یحییٰ کے ذاتی کمال اور پولٹیکل لیاقت نے اُنکو وزیر اعظم کے رتبہ تک پہنچا دیا تھا۔ دفتر وزارت کے تمام کاغذات پہلے ان کی نگاہ سے گذر لیتے تھے۔ تب سند قبول پاتے تھے۔ اُنکی تقرری کی ابتداء اسطرح ہوئی کہ مامون نے ایک خالی شدہ عہدۂ قضا پر کسی کو مقرر کرنا چاہا۔ امیدواروں میں یہ بھی پیش کئے گئے۔ اور چونکہ کریہ منظر تھے۔ مامون نے حقارت آمیز نگاہ سے اُنکی طرف دیکھا۔ یہ سمجھ گئے۔ اور عرض کی کہ "اگر میری صورت سے غرض ہے تو خیر۔ ورنہ اصلی لیاقت کا حال امتحان سے معلوم ہو سکتا ہے۔" مامون نے امتحاناً پوچھا کہ "ایک میت نے والدین اور دو بیٹیاں چھوڑیں۔ پھر ایک بیٹی مری اور وہی پہلے ورثا، باقی رہے۔ ترکہ کیونکر تقسیم ہوگا؟" یحییٰ نے کہا۔ میت مرد ہے یا عورت؟ مامون اس سوال ہی سے سمجھ گیا۔ کہ قاضی یحییٰ نے اصل مسئلہ سمجھ لیا ہے۔ جب یہ بصرہ کے قاضی مقرر ہو کر گئے۔ تو اُن کا سن کل بیس برس کا تھا۔ لوگوں نے اُن کی کم سنی سے تعجب کیا۔ اور ایک شخص نے خود اُن سے پوچھا کہ "حضور کی عمر کس قدر ہے؟" اُنھوں نے جواب دیا کہ "عتاب بن اسید کی عمر سے (جن کو رسول اللہ صلعم نے مکہ معظمہ کا قاضی مقرر کیا تھا) زیادہ ہے"۔ متعہ کی نسبت اُنھوں نے مامون سے گفتگو کی تھی۔ اس کو ہم مامون کے حالات میں لکھ آئے۔ مامون کمال قدردانی سے اُن کو خود اپنے تخت پر جگہ دیتا تھا۔ فقہ میں اُن کی تصنیفات نہایت اعلےٰ رتبہ کی ہیں۔ فقہائے عراق کی رد میں اُن کی ایک کتاب جس کا نام تنبیہ ہے۔ ایک مشہور کتاب ہے[۹۱] +

لطیفہ قاضی یحییٰ کسی قدر حسن پرستی کا چسکا بھی رکھتے تھے ایک بار مامون نے امتحاناً چند خوبصورت اور پری پیکر غلاموں کو حکم دیا کہ جب میں اُٹھ جاؤں تو تم لوگ قاضی صاحب کو چھیڑو۔ غلام شوخیاں کرنے لگے۔ تو قاضی صاحب نے اُن کی طرف حسرت آمیز نگاہ سے دیکھا اور کہا "ظالموں تم نہ ہوتے تو ہم لوگ پکے مسلمان ہوتے۔ مامون پردے

سے یہ گفتگو سُن رہا تھا۔ یہ شعر پڑھتا ہوا باہر نکلا :-

وکنا نرجی ان نری العدل ظاھرا ۔۔۔ فاعقبنا بعد الرجاء قنوط

متی تصلح الدنیا ویصلح اھلھا ۔۔۔ وقاضی قضاۃ المسلمین غلوط

لطیفہ۔ مامون کے زمانے میں ایک شخص نے نبوت کا دعوٰی کیا۔ مامون نے قاضی یحیےٰ سے کہا۔ آؤ چپکے چل کر اُسکا حال دریافت کریں۔ دونو معمولی لباس پہنکر اُس کے پاس گئے۔ اور پوچھا۔ آپ کا معجزہ کیا ہے۔ اُس نے کہا۔ مجھکو خدا کی طرف سے الہام ہوتا ہے" مامون نے کہا " اسوقت بھی کوئی وحی اتری ہے۔ اُس نے کہا ہاں " یہ الہام ہوا کہ دو شخص تم سے ملنے آتے ہیں۔ ایک بادشاہ ہے اور دوسرا انتہا درجہ کا شاہد باز " مامون بے ساختہ ہنس پڑا۔ اور چلا اُٹھا۔ واللہ اشھد انک لرسول اللہ ان باتوں کو ان بزرگوں کی بے تکلفی اور رنگین طبعی کا اقتضا سمجھنا چاہیئے۔ ورنہ قاضی صاحب کے زہد اور اتقاء و ورع میں کس کو کلام ہوسکتا ہے۔ اس بحث کے متعلق ابن خلدون نے جو لکھا ہے۔ نکتہ سنجی کی داد دی ہے۔ قاضی یحییٰ نے ۲۴۲ھ میں ۸۳ برس کی عمر میں انتقال کیا +

قاضی القضاۃ احمد بن ابی داؤد نہایت بڑے فقیہ۔ اصولی متکلم۔ شاعر تھے۔ دعبل خزاعی نے جو مامون کے عہد کا مشہور شاعر ہے۔ کتاب الشعرا میں انکا ذکر کیا ہے ایک دن قاضی یحییٰ بن اکثم کے ہاں فقہا۔ علما رکا مجمع تھا۔ یہ بھی اُس جلسہ میں موجود تھے کہ شاہی چوبدار آیا۔ اور کہا امیر المؤمنین مامون نے قاضی صاحب کو مع تمام حاضرین دربار میں طلب کیا ہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ قاضی احمد کو دربار میں رسائی ہوئی۔ مامون نے ان سب سے علمی بحثیں کیں۔ قاضی احمد کی باری آئی تو اُنکی برجستہ گوئی اور طباعی سے متعجب ہو کر نام و نسب پوچھا اور حکم دیا کہ آج سے علمی مجلسوں میں ہمیشہ شریک ہوا کریں۔ قاضی احمد سے پہلے دربار کا یہ آئین تھا کہ جب تک خلیفہ خود کوئی بات نہ چھیڑے۔ کوئی شخص گفتگو کا

مجاز نہیں تھا۔ قاضی احمد پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے اس جابرانہ قاعدے کو توڑا۔ اور حق یہ ہے کہ جس آزادی اور دلیری سے وہ اپنے فرائض ادا کرتے تھے شخصی حکومتوں میں اسکی بہت کم مثالیں مل سکتی ہیں۔ خلیفہ معتصم[۵۱] باللہ کی سطوت و قہر سے تمام دربار کانپتا تھا مگر قاضی احمد جو چاہتے تھے کہتے تھے۔ اور معتصم کو سننا پڑتا تھا معتصم نے جب برمکی کے قتل کا حکم دیا۔ تو دربار میں سناٹا ہو گیا۔ اور اُس کی غضبناک صورت دیکھکر سب کے حواس جاتے رہے۔ محمد برمکی چھلے پر بٹھایا گیا۔ اور جلاد نے تلوار کو جنبش دی قاضی احمد نے بڑھکر کہا "آپ قتل تو کرتے ہیں مگر اُسکے مرنے کے بعد اُسکا مال و اسباب آپ کیونکر لے سکتے ہیں" معتصم نے نہایت طیش میں آکر کہا "مجھکو اُسکے مال لینے سے کون روک سکتا ہے" قاضی احمد نے کہا "خدا اور اُسکا رسول" کیونکہ شرعاً مال وارث کو ملسکتا ہے۔ اور جبتک آپ اُسکے قتل کو جائز نہ ثابت کر دیں۔ وارث وراثت سے محروم نہیں ہو سکتا" قاضی احمد نے یہانتک مجبور کیا کہ معتصم آخر اس ارادے سے باز رہا +

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ معتصم قاضی احمد کو آتے دیکھکر درباریوں سے کہتا تھا کہ قاضی صاحب آکر دنیا بھر کی سفارشیں اور لوگوں کی درخواستیں پیش کرینگے۔ میں ہرگز انکی سب خواہشیں منظور نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ اپنے زور تقریر اور حسن ادا سے جو کچھ چاہتے۔ منظور کرا لیتے تھے مذہباً معتزلی تھے ۲۳۳ھ میں خلیفہ متوکل باللہ نے اُنکو عہدۂ قضا سے معزول کیا اور اُنکی اولاد سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار اشرفیاں تاوان کے طور پر وصول کیں ۲۴۱ھ میں اُنکا انتقال ہوا[۵۲] +

گورنر و لفٹنٹ عمالوں کے طبقہ میں سے خاص خاص شہر کے عامل و والی جو کلکٹر کے مساوی الرتبہ کہے جا سکتے ہیں بیشمار تھے۔ اور گو ہم اُنکا مفصل چیٹھر نہیں مرتب کر سکتے تاہم جہانتک ہم معلوم کر سکے ہیں اس سلسلے میں غیر مذہب والے بہت کم داخل تھے۔ بلکہ یہ کہنا

[۵۱] مامون کا بھائی تھا۔ اور اُسکے بعد تخت خلافت پر بیٹھا۔ بڑی عظمت و اقتدار سے حکومت کی خاندان عباسیہ کی قوت اور عظمت جس کے افسانے مشہور ہیں اسی کے عہد تک قائم رہی۔ پھر خلافت برائے نام رہ گئی تھی۔

[۵۲] علامہ دانشوران ناصری و تاریخ ابن خلکان میں قاضی احمد کا نہایت مفصل تذکرہ ہے +

چاہئے کہ بالکل نہیں تھے۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ اس عہدے کے ساتھ عموماً فوجی خدمت شامل ہوتی تھی اور دوسرے مذہب والے اس خدمت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ یا مسلمانوں کو خود اُن پر اعتماد نہیں ہوتا تھا۔ قدیم اسلامی حکومتوں میں عیسائی۔ یہودی وغیرہ قوموں کو جو عہدے ملتے تھے وہ زیادہ تر دفتر خراج و خزانہ و سررشتہ و کتابت کے عہدے تھے +

اس عہد تک مسلمانوں میں اس قدر آزادی کا اثر باقی تھا کہ صوبے یا ضلع کا والی جابرانہ حکومت کرنا چاہتا تھا۔ تو عام رعایا علانیہ ناراضی کا اظہار کرتی تھی۔ اور اگر وہ باز نہیں آتا تھا تو متفق ہوکر اُسکو نکال دیتی تھی ۱۹۵ھ میں جب عبداللہ (ایک عباسی شہزادہ تھا) مصر کا گورنر ہوکر گیا۔ اور رعایا پر سختی کی تو لوگوں نے ہنگامہ برپا کردیا۔ اور نہایت ذلت کے ساتھ مصر سے اُسکو نکال دیا۔ مامون کی تاریخ خلافت میں اس قسم کی اور بہت سی مثالیں موجود ہیں +

مامون کے عہد میں جو لوگ لفٹننٹ یا گورنر مقرر ہوئے۔ ان میں طاہر بن الحسین سری بن الحکم عبداللہ بن السری۔ عبداللہ بن طاہر حسن بن سہل نہایت نامور اور مدبر تھے۔ خصوصاً طاہر کا خاندان تو اقتدار کے اس درجے تک پہنچ گیا تھا۔ کہ مامون کے بعد خراسان میں مستقل حکومت کی بنیاد قائم کرلی۔ عبداللہ بن طاہر شجاعت اور تدبیر کے علاوہ نہایت بڑا ادیب۔ محدث شاعر موسیقی دان تھا۔ اُس کی فیاضیوں کے سامنے مامون کی دریا دلی بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتی جس زمانہ میں وہ مصر کا گورنر تھا ایک دن کوٹھے پر چڑھا۔ دیکھا تو لوگ کھانا پکانے کے لئے آگ جلا رہے ہیں۔ حکم دیا کہ سب کیلئے کھانا کپڑا مقرر کردیا جائے۔ یہ کل ہزار آدمی تھے اور جب تک عبداللہ زندہ رہا۔ ان لوگوں کو اُسکی سرکار سے وظیفہ ملتا رہا۔ مصر داخل ہونے سے پہلے راہ میں جس قدر اُس نے خیرات کی۔ اُس کا اندازہ ایک کروڑ درہم سے زیادہ کیا گیا ہے ابو تمام طائی جس کی کتاب الحماسہ آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اُسی کے دربار کا شاعر تھا۔ تمام خاندان شاہی اُسکی (عبداللہ بن طاہر کی) نہایت عزت کرتا تھا۔ ۲۱۱ھ میں جب وہ اس سامان سے بغداد میں داخل ہوا۔ کہ شام موصل وغیرہ میں جن لوگوں نے علم بغاوت بلند کئے

تھے پا بزنجیر اُسکے جلو میں ساتھ تھے۔ تو تمام بغداد خاندان خلافت اور خود معتصم باللہ اُسکے استقبال کو نکلا۔ مرنے سے پہلے بیس لاکھ درہم خرچ کرکے غلام آزاد کرا دئے۔ ان تمام مصارف پر جب مرا چار کروڑ درہم خاص اُسکے خزانے میں موجود تھے[۵۱]

مامون کے عہد کے اہل کمال

مورخ کا یہ ضروری فرض ہے کہ جس عہد کا حال لکھے اُس زمانہ کے اہل فضل و کمال کا بھی تذکرہ کرے۔ جس سے ملک کی تہذیب ترقی اور فرمانروائے وقت کی علمی فیاضیوں کا اندازہ ہو سکے۔ لیکن بغداد کی تاریخ میں اس فرض کو اگر کوئی ادا کرنا چاہے تو اصل کتاب کے علاوہ کئی جلدیں طیار کرنی پڑینگی۔ مامون کا دربار۔ اکبر و شاہجہانی دربار نہیں ہے کہ دانش اندوزان دولت کیلئے آئین اکبری و شاہجہان نامہ کے چند صفحے کافی ہوں ٭

مامون کی حکومت بغداد سے لیکر شام۔ افریقہ ایشیائے کوچک۔ ترک تاتار۔ خراسان ایران۔ سندھ تک پھیلی ہوئی ہے اور ایک ایک شہر بلکہ ایک ایک قصبہ میں علمی کارخانے کھلے ہوئے ہیں۔ جن کا صدر مقام اور اصلی مرکز دارالخلافہ بغداد ہے ٭

اس زمانہ کی وسعت تعلیم کا اس حکایت سے اندازہ ہوگا کہ جب علامہ نضر بن شمیل نے مامون کی قدردانی کا شہرہ سُنکر بصرہ سے خراسان جانے کا قصد کیا تو اُنکی مشایعت کیلئے جو لوگ شہر سے نکلے اُن کی تعداد قریباً تین ہزار تھی۔ جن میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو محدث۔ یا نحوی یا لغوی یا عروضی یا اصولی کے معزز لقب سے ممتاز نہو[۵۲] امام بخاری اسی زمانہ میں موجود تھے۔ ان کی کتاب جامع صحیح خود ان سے جن لوگوں نے پڑھی وہ تعداد میں نوّے ہزار سے کم نہ تھے ٭

---

[۵۱] نجوم ظاہرۃ فی تاریخ مصر و القاہرہ میں۔ عبداللہ بن طاہر کا مفصل ترجمہ لکھا ہے علامہ ابوالفرج اصفہانی نے عبداللہ کی لیاقت علمی نکتہ سنجی۔ موسیقی دانی کے متعلق جو واقعات لکھے ہیں ان میں اس کے فضل و کمال کا اندازہ ہوسکتا ہے ۱۲ [۵۲] تاریخ ابن خلکان۔ تذکرہ علامہ نضر بن شمیل۔ ۱۲

تاریخ میں اگر کوئی زمانہ اہل کمال کے پیش کرنے پر ناز کرسکتا ہے تو مامون کا عہد حکومت اس فخر میں سب سے مرجح ثابت ہوگا۔ فقہا و محدثین میں سے یحییٰ ابن معین امام بخاری محمد بن سعد کاتب واقدی۔ ابن علیہ سفیان بن عینیہ عبدالرحمن بن مہدی یحییٰ القطان۔ یونس بن بکیر۔ ابومطیع البلخی شاگرد امام ابوحنیفہ۔ اسحٰق بن الفرات قاضی مصر حسن ابن زیاد اللولوی شاگرد امام ابوحنیفہ۔ حماد بن اسامہ۔ حافظ بن ہشام۔ روح بن عبادہ ابوداؤد الطیالسی۔ غازی بن قیس شاگرد امام مالک امام واقدی۔ ابوحسان زیادی۔ محمد بن نوح العجلی۔ علی بن ابی مقاتل۔ یہ لوگ ہیں کہ آج مذہبی علوم کے ارکان انہیں کی روایتوں پر قائم ہیں۔ اور خصوصاً امام شافعیؒ و امام احمد حنبلؒ کا تو یہ پایہ ہے کہ اسلامی دنیا کے بڑے بڑے حصوں میں انہیں کے اجتہادی مسائل گیارہ سو برس سے آجتک مذہبی قانون بنے ہوئے ہیں۔ ان تمام فقہا و محدثین کی تصنیفات مامون کے عہد خلافت کی وہ علمی یادگاریں ہیں جنکی نظیر کوئی دوسرا زمانہ بمشکل لاسکتا ہے ۔

ابوہذیل و ثمامہ بن اشرس جو مامون کے مقرب خاص اور ندیم تھے۔ فرقہ ہذلیہ اور ثمامیہ کے بانی ہیں۔ ابوہذیل نے مذہب اعتزال میں دس نئے اصول اضافہ کئے جن میں سے ایک یہ ہے کہ جو شخص غور کرنیکے بعد خدا کو نہ جان سکا۔ اگر خدا کا انکار کرے۔ تو معذور ہے۔ اور اُسپر عذاب نہ ہوگا۔ عیسائیوں میں فرقہ نسطوریہ کا جو بانی ہے وہ مامون ہی کے عہد خلافت کا ایک نامور حکیم تھا جس کا نام نسطور تھا[۱] ۔

اس عہد میں خیالات کی وسعت اور متعدد بانیان مذہب کا پیدا ہونا زیادہ تر اُس آزادی کا اثر تھا۔ جو مامون نے مذہبی خیالات کے ظاہر کرنے میں عام لوگوں کو دے رکھی تھی کیونکہ بجز ایک مسئلہ "خلق قرآن" کے اُس نے مذہبی آزادی کو کبھی روکنا نہ چاہا۔ وہ خود معتزلی یا شیعی تھا۔ لیکن ان کے دربار میں قدری و جہمی اور تمام دوسرے مذہب والے بھی

[۱] ہم نے یہ روایت عبدالکریم شہرستانی کی ملل و نحل سے نقل کی تھی۔ لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ نسطور اسلام سے پہلے گذرا ہے۔ ابن الاثیر نے عبدالکریم پر تعجب کیا ہے کہ اُس نے ایسی بیہودہ غلطی کی ۱۲

نہایت عزت و وقار کے ساتھ بار پاتے تھے۔ اُس کی شاہانہ فیاضیاں ہر فرقہ پر ایک نسبت کے ساتھ مبذول رہتی تھیں +

مامون کے دربار میں فلسفہ و نجوم کے ماہروں اور کتب حکمت کے مترجموں کا جو گروہ تھا ان میں سے مشہور لوگ یہ ہیں۔ حنین بن اسحق عیسائی۔ یسوع عیسائی۔ قسطا بن لوقا عیسائی۔ یوحنا ماسویہ عیسائی۔ ابن البطریق عیسائی۔ یعقوب کندی عیسائی۔ ماشاء اللہ یہودی دو یا ہندو۔ جبریل کحال۔ حجاج بن یوسف کوفی۔ ابو حسان سلما مہتمم بیت الحکمۃ۔ ابو جعفر یحییے بن عدی۔ محمد بن موسیٰ منجم۔ محمد بن موسیٰ خوارزمی۔ محمد بن موسیٰ۔ حسن بن موسیٰ۔ احمد بن موسیٰ علی بن عباس۔ احمد الجوہری۔ یحییٰ بن ابی المنصور۔ حجاج بن المطر۔ حبش الحاسب۔ احمد بن کثیر فرغانی مصنف مدخل الی علم ہیئۃ الافلاک۔ عبداللہ بن سہل بن نوبخت۔ سہل بن ہارون۔ خالد بن عبدالملک امروزی۔ سند بن علی۔ عاص بن سعید الجوہری۔ اکثر مترجموں کی تنخواہیں آجکل کے حساب سے ڈھائی ہزار روپیہ ماہوار تھیں +

عبداللہ بن سہل نجوم میں۔ اور یحییٰ بن ابی المنصور علم رصد میں نام آور تھے۔ موسیٰ بن شاکر اوائل میں راہزنی کیا کرتا تھا۔ پھر توبہ کی اور دربار میں داخل ہؤا۔ اُس نے تین صغیر بیٹے چھوڑے مامون نے اُنکی تربیت اور پرداخت اسحق بن ابراہیم مصعبی کے متعلق کی۔ اور جب کسی قدر بڑے ہوئے تو حکم دیا کہ یحییٰ بن ابی المنصور کے ساتھ بیت الحکمۃ میں کام کیا کریں۔ تھوڑے دن میں ان سب نے فلسفہ و ہیئت میں بڑی ناموری حاصل کی۔ اور علوم و فنون کے سرپرست بن گئے۔ ان میں سے محمد نے رفتہ رفتہ بڑا اقتدار حاصل کیا۔ اور سپہ سالار فوج مقرر ہؤا احمد نے زیادہ تر علم الحیل کی طرف توجہ کی۔ اُسکی کتاب الحیل کی نسبت علامہ ابن خلکان نے نہایت تعجب ظاہر کیا ہے اور لکھا ہے کہ عجیب غریب صنائع حکمت پر مشتمل ہے حسن کو علم ہندسہ میں نہایت کمال تھا حالانکہ تحصیل کے طور پر اُس نے صرف چند ہی مقالے پڑھے تھے ایک دن مروزی نے مامون کے سامنے اعتراض کے طور پر کہا کہ حسن نے اقلیدس کے

صرف چھ مقالے پڑھے ہیں۔ حسن نے کہا ہیں ہر شکل کو خاص اپنے طریق استدلال سے ثابت کرسکتا ہوں اس حالت میں مجھکو پڑھنے کی کیا ضرورت ہے" مامون نے یہ فخریہ جواب تسلیم کیا مگر یہ کہا کہ "ناتمام چھوڑ دینے سے تمہاری طبیعت کی کاہلی ظاہر ہوتی ہے علم ہندسہ فلسفہ کے لئے اُسی قدر ضروری ہے جسقدر کہ الف ب ت ث گفتگو کیلئے[۱] ادب و عربیت کے ماہرین میں فرار نحوی۔ اصمعی۔ ابو عبیدہ نحوی۔ نضر بن شمیل المتوفی ۲۰۴ھ یزیدی لغوی۔ کلثوم عتابی۔ ابن الاعرابی۔ ثعلب نحوی۔ ابو عمر و الشیبانی اخفش نحوی۔ قرت نحوی المتوفی ۲۰۶ھ جو مامون کے ہمعصر اور اکثر اُسکے خوان کرم سے فیضیاب تھے۔ ان لوگوں نے فن ادب و عربیت کو معراج کمال تک پہنچا دیا۔ آج جسقدر دنیا میں عربی ادب کی تصنیفات موجود ہیں اُنہیں کی تحقیقات اور روایتوں سے مالامال ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ اگر اُن کا واسطہ بیچ سے اُٹھا دیا جائے تو خود ان فنون کی بنیاد قائم نہ رہے گی +

فرار صرف علم نحو بلکہ لغت۔ فقہ۔ نجوم۔ طب۔ ایام العرب میں بھی کمال درجہ رکھتا تھا ثعلب کا قول ہے کہ اگر فرار نہ ہوتا تو آج علم عربیت نہ ہوتا۔ فرار کی بہت سی تصنیفات ہیں جن کے صفحوں کی مجموعی تعداد قریبًا چھ ہزار ہے۔ ۲۰۷ھ میں وفات پائی +

اصمعی بصرہ کا رہنے والا تھا۔ عربی علم لغت قریبًا ایک خمس اُسی کی روایت سے مدون ہوا ہے۔ اور ہر قسم کے اشعار ایک طرف۔ بارہ ہزار صرف رجز کے شعر یاد تھے۔ ابو عبیدہ و اصمعی ہمزبان اور علوم عربیہ میں حریف مقابل سمجھے جاتے تھے۔ ایکبار دونو فضل بن الربیع (وزیر امین الرشید) کے پاس حاضر تھے فضل نے اصمعی سے پوچھا کہ "تم نے گھوڑے کے اوصاف میں جو کتاب لکھی ہے کتنی جلدوں میں ہے" اصمعی نے کہا "صرف ایک جلد" ابو عبیدہ سے پوچھا۔ تو اُس نے بڑے فخر سے کہا "میری کتاب پچاس جلدوں میں ہے" اصمعی نے فضل سے کہکر ایک گھوڑا منگوایا۔ اور اُسکے ایک ایک عضو پر ہاتھ رکھکر اُسکے متعلق عرب کے اشعار پڑھتا گیا۔ ابو عبیدہ سے جب فرمائش کی گئی تو اس طرح وہ بھی ہر عضو

[۱] رسالہ مختصر الدول ذکر حکمائے عہد مامون الرشید +

کے متعلق اشعار سنائے تو اُس نے انکار کیا۔ فضل نے وہی گھوڑا اصمعی کو انعام میں دیا اصمعی کا بیان ہے کہ جب میں ابو عبیدہ کو چھیڑنا چاہتا تھا۔ تو اسی گھوڑے پر سوار ہو کر اُس سے ملنے جاتا تھا +

مامون کے وزیر حسن بن سہل نے بھی اپنے دربار میں ابو عبیدہ و اصمعی کو طلب کیا تھا اور اصمعی کی قوت حافظہ پر جس کا اسوقت ایک عجیب طریقے سے امتحان لیا گیا۔ تمام دربار محو حیرت ہو گیا۔ اصمعی کی بہت سی تصنیفات ہیں جن میں سے ۳۵ کتابوں کا ذکر علامہ ابن خلکان نے کیا ہے۔ ۲۱۶ھ میں وفات پائی +

یزیدی مامون کا اُستاد تھا۔ ابن ابی العتاہیہ نے ادب کے متعلق اُسکے لکچر جمع کئے جو تخمیناً دس ہزار ورق ہیں۔ یزیدی کے پانچ بیٹے تھے۔ اور ہر ایک ادب۔ شعر۔ ایام العرب میں استادِ کامل تھا۔ ۲۰۲ھ میں انتقال کیا +

ابو عمرو الشیبانی لغت و شعر کا امام تھا۔ امام حنبل اُسکے شاگرد تھے۔ ابو عمرو نے قبائل عرب میں سے اسّی قبیلوں کے اشعار جمع کئے ہیں۔ کتاب الجیل۔ کتاب اللغات۔ کتاب النوادر الکبیر وغیرہ اُس کی تصنیفات سے ہیں +

اخفش نحو کا مشہور امام ہے۔ عروض میں بحر مجتث اسی کی ایجاد ہے معانی القرآن کتاب الاشتقاق۔ کتاب العروض۔ کتاب الاصوات۔ کتاب المعانی الشعر اور اُسکے سوا بہت سی تصنیفیں کیں۔ ۲۰۶ھ میں انتقال کیا +

ابو عبیدہ لغت اور اشعار عرب کا بڑا ماہر تھا فضل بن الربیع نے اُسکو بصرہ سے طلب کیا تھا۔ جب دربار میں حاضر ہوا۔ تو بڑی عزت سے اپنے پاس بٹھایا۔ ذرا دیر کے بعد ایک اور شخص کاتبوں کا لباس پہنے حاضر ہوا۔ فضل نے اُسکو بھی اپنے پہلو میں جگہ دی اور کہا کہ ان کو پہچانتے ہو ابو عبیدہ انہیں کا نام ہے۔ وہ شخص مدتوں سے ابو عبیدہ کے ملنے کا مشتاق تھا۔ اس نعمت غیر مترقبہ کی بڑی شکر گذاری کی۔ ابو عبیدہ سے کہا

اگر آپ اجازت دیں تو ایک شبہ جو مدت سے میرے دل میں کھٹکتا ہے۔ عرض کروں۔ ابوعبیدہ نے منظور کیا۔ اُس نے کہا کہ قرآن کی اس آیت میں "طلعہا کانہ رؤس الشیاطین" خدا نے شیاطین کے سر سے تشبیہ دی ہے۔ حالانکہ تشبیہ ایسی چیز سے ہونی چاہئے جس کو لوگ جانتے پہچانتے ہوں۔ ابوعبیدہ نے کہا وہ خدا عرب کے مذاق کے موافق کلام کرتا ہے۔ امرء القیس کہتا ہے ع ومسنونۃ زرق کانیاب اغوال + حالانکہ بھوت اور شیطان کو اہل عرب نے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ چونکہ عام خیال میں شیطان کی صورت پُرخوف تسلیم کی گئی ہے اس لئے خدا نے خوف کے موقع پر اُس سے تشبیہ دی ہے"۔ ابوعبیدہ نے اس واقع کے بعد مجاز القرآن ایک کتاب لکھی جس میں اس قسم کی آیتوں کی توضیح کی۔ ابوعبیدہ کی تصنیفیں قریبًا دو سو ہیں۔ جن میں سے پچاس کا ذکر علامہ ابن خلکان نے کیا ہے ۲۰۹ھ میں وفات پائی۔

ابن الاعرابی۔ امام العربیہ کے لقب سے مشہور ہے۔ کسائی کا شاگرد تھا۔ عام لغت میں قدیم مصنفوں کی اکثر غلطیاں ثابت کیں۔ قریبًا سو آدمی اُسکے حلقہ درس میں بیٹھتے تھے اور بغیر کسی کتاب یا یادداشت کے درس دیتا تھا + ابن خلکان ترجمہ علامہ ابوعبیدہ و اصمعی

حلقہ درس میں دور و دراز ملکوں کے طلبا، حاضر رہتے تھے۔ ایک دن اُسنے دو طالب علموں سے اُنکا نام و نسب پوچھا تو معلوم ہوا۔ کہ ایک اسبیجاب اور دوسرا اندلس کا رہنے والا ہے۔ اس بعد المشرقین کے اجتماع پر خود ابن الاعرابی کو بھی تعجب ہوا۔ ۲۳۱ھ میں انتقال کیا +

ہم اس بحث کو اس اعتراف کے ساتھ ختم کرتے ہیں کہ جس قدر لکھنا چاہئے تھا اُسکا دسواں بھی ہم نے نہیں لکھا۔ مامون کے درباریوں کے ساتھ اب ہم مامون سے بھی رخصت ہوتے ہیں +

محمد شبلی پروفیسر مدرسۃ العلوم علی گڑھ

بقلم محمد صادق صدیقی منشی فاضل ساکن گکھڑ۔

۷۸۶

لفظ جزیہ کی تحقیق کہ کس زبان کا لفظ ہے اور جزیہ لینا
کس نے ایجاد کیا۔ اور کن کن لوگوں سے اور کس وجہ
سے لیا جاتا تھا۔ اور کس قسم کے محصولوں پر اُس کا
اطلاق ہوتا تھا۔ اور عربی زبان میں یہ لفظ کیونکر داخل
ہوا۔ اور اسلام میں کس بنا پر جاری رہا

مولفہ
علامہ شبلی نعمانی مرحوم

بفرمائش
شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری گیٹ لاہور
۱۳۴۰ھ میں
کریمی سٹیم پریس لاہور میں طبع ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

جزیہ

غیر مذہب والوں نے ہمیشہ اس لفظ کو نہایت ناگواری سے سُنا ہے۔ اُنکا خیال ہے کہ اسلام اس لفظ کا موجد ہے۔ اسلام ہی نے یہ اصول پیدا کیا جسنے اُسکا مقصد مسلمانوں اور غیر مذہب والوں میں ایک نہایت متعصبانہ اور نامناسب تفرقہ قائم کرنا تھا۔ اُنکا یہ بھی خیال ہے کہ جزیہ ایک ایسا جبر تھا جس سے بچنے کے لیئے اسلام کا قبول کر لینا بھی گوارا کیا جاتا تھا۔ اور اس وجہ سے وہ جبراً مسلمان کرنیکا ایک قوی ذریعہ تھا لیکن یہ تمام غلط خیالات اُنہیں غلط فہمیوں سے پیدا ہوئے ہیں جو غیر قوموںکو اسلام کی نسبت ہیں۔ ہم اس موقعہ پر تین حیثیتوں سے جزیہ پر بحث کرنی چاہتے ہیں ؛

(۱) جزیہ اصل میں کس زبان کا لفظ ہے۔ اور کن معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

(۲) ایران اور عرب میں جزیہ کی بنیاد کب سے قائم ہوئی۔

(۳) اسلام نے اس کو کس مقصد سے اختیار کیا۔

لیکن ہم جو کچھ لکھیں گے تاریخی حیثیت سے لکھیں گے۔

پہلی بحث۔ جزیہ گو اب مصطلح معنے میں خاص ہو گیا ہے۔ لیکن لغت کی رو سے وہ خراج اور جزیہ کے لیئے یکساں موضوع ہے۔ قاموس میں ہے "الجزیۃ خراج الارض و مایوخذ من الذمی"۔ جوہری و صاحب قاموس نے اس لفظ کے اصل و اشتقاق سے کچھ تعرض نہیں کیا۔ لین صاحب نے اپنی کتاب مدّ القاموس میں جو نہایت جامعیت اور تحقیق سے لکھی گئی ہے۔ اسکی نسبت "دو" احتمال قرار دئے ہیں (۱) جزا سے مشتق ہے (۲) گزیہ کا معرب ہے بطرس صاحب نے بھی کتاب محیط المحیط میں یہ دوسرا قول نقل کیا ہے۔ لیکن اسکو مستند نہیں سمجھتے۔ فارسی لغت نویسوں نے گزیت کی لغت میں تصریح کی ہے۔ کہ جزیہ اسی کا معرب ہے۔ برہان قاطع میں ہے "گزیت بفتح اوّل و کسر ثانی زرے باشد کہ حکام ہر سالہ از رعایا گیرند۔ و آنرا خراج ہم گویند و زرے را نیز گویند کہ از کفار ذمی ستانند

نظامی گوید ؎ گہش خاقان خراج چین فرستند۔ گہش قیصر گزیت دین فرستند۔
وآنچہ شہرت دارد بکسر اوّل و فتح ثالث ست ومعرب آں جزیہ باشد۔"

فرہنگ جہانگیری کے مصنف نے دوسرے معنے کی سند میں حکیم سوزنی کا یہ شعر سنداً نقل کیا ہے۔ ؎ کتاب خویش بخواہم درو عمل نکنم۔ کہ تا گزیت ستانند نا نخوراہل کتاب۔
اور یہ بھی لکھا ہے کہ جزیہ اسی کا معرّب ہے ❊

ہم کو اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ جزیہ اصل فارسی کا لفظ ہے۔ تصریحات لغت کے علاوہ تاریخی قرینہ نہایت قوی موجود ہے۔ یہ مسلم ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں جزیہ کا لفظ مستعمل ہو چکا تھا۔ یہ مسلم ہے کہ فارسی میں گزیت کا لغت اسی معنی میں قدیم سے شائع ہے۔ تاریخی شہادتوں سے (جیسا کہ ہم آئندہ بیان کرینگے) یہ بھی ثابت ہے۔ کہ نوشیرواں نے جزیہ کے قواعد مقرر کئے تھے۔ اور اس زمانہ میں نوشیرواں کے عمال یمن اور مضافات یمن پر منصوب تھے۔ اسطرح گزیت کا لفظ قانونی طور پر عرب میں پھیلا اور معرب ہو کر جزیہ ہو گیا۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ محکوم ملک میں جب فرمانروا زبان کے الفاظ دخل پانے لگتے ہیں۔ تو سب سے پہلے وہ الفاظ آتے ہیں۔ جو سلطنت کے قانونی الفاظ ہوتے ہیں زبان عرب میں جس قدر فارسی الفاظ معرب ہو کر شائع ہو گئے ہیں کسی اور زبان کے نہیں ہوئے اس پر طرہ یہ ہے کہ جزیہ کا لفظ معرب ہونے کے لئے گویا پہلے ہی آمادہ تھا۔ صرف ایک حرف کی تبدیلی اور دو ایک حرکت کے تغیر سے وہ عربی قالب میں پورا اُتر گیا ❊

دوسری بحث۔ جہانتک ہم کو معلوم ہے۔ ایران و عرب میں خراج و جزیہ کے وہ قواعد جو با دنے تغیر اسلام میں رائج ہیں۔ نوشیرواں کے عہد میں مرتب ہوئے (علامہ ابن الاثیر جزری نے تاریخ الکامل کے پہلے حصہ میں ایک مضمون اس عنوان سے لکھا ہے۔ ذکر ما فعلہ کسریٰ فی امر الخراج والجند جسکا خلاصہ یہ ہے۔ کہ نوشیرواں نے زمین کی پیمائش کرائی اور مختلف شرحوں کی جمع مقرر کی۔ اور تمام لوگوں پر باستثنائے اہل فوج و رؤسا و ارکان دولت جزیہ مقرر کیا[1] ❊

[1] علامہ ابن الاثیر نے اس موقع پر جزیہ کا ہی لفظ استعمال کیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ کوئی ایسی اصطلاح نہیں جو مسلمانوں اور غیر مذہبوں کے ساتھ مخصوص ہو۔ نوشیرواں اور اسکی ایرانی رعایا کا ایک مذہب تھا۔ تاہم جو ٹیکس اُن پر لگایا گیا ہے۔ مسلمان اُس کو جزیہ ہی کہتے ہیں ❊

جس کی تعداد بارہ درہم - آٹھ درہم - چھ درہم - چار درہم تک تھی"۔ خراج کے ذکر کے بعد
مؤرخ مذکور لکھتا ہے کہ "وہی الوضائع التی اقتدی بہا عمر ابن الخطاب یعنی حضرت عمرؓ نے
انہیں قاعدوں کی تقلید کی"۔ اور جزیہ کے ذکر کے بعد لکھا ہے - کہ حضرت عمرؓ نے بیس برس سے
کم اور پچاس برس سے زیادہ عمر والے کو جزیہ سے معاف کیا"۔ جس غرض سے نوشیرواں نے
جزیہ کا قاعدہ جاری کیا۔ اسکی وجہ علامہ موصوف نے نوشیرواں کے اقوال سے یہ نقل
کی ہے - کہ اہل فوج ملک کے محافظ ہیں - اور ملک کے لئے اپنی جانیں خطرے میں ڈالتے
ہیں - اس لئے لوگوں کی آمدنی سے انکے لئے ایک رقم خاص مقرر کی گئی - کہ انکی محنتوں کا
معاوضہ ہو"۔

خراج و جزیہ کے متعلق جو کچھ ابن الاثیر نے لکھا اسکی تائید فردوسی کے اشعار سے بھی
ہوتی ہے - اگرچہ بعض امور میں دونوں کا بیان مختلف ہے ہم ان اشعار کو اس موقع پر نقل کرتے
ہیں - ؎

ہمہ بادشاہاں شدند انجمن | زمیں را ببخشید و برزو رسن
گزیتے نہادند بر یک درم | گرایدوں کہ دہقاں نبودی دژم
گزیت رز بارہ و شش درم | بخرماستاں بر ہمیں رو رقسم
کسے کش درم بود و دہقاں نبود | نبودے غم و رنج کشت و درود
گزارندہ از دہ درم تا چہار | بسالے ازو بستدے کاردار
دبیر و پرستندہ و شہریار | نبودے بدیواں کسے را شمار

دونوں روایتوں کے فرق کو ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں +

تیسری بحث - اسلام نے جو انتظام قائم کیا - اسکے رو سے ہر مسلمان فوجی خدمت کے
لئے مجبور کیا جا سکتا تھا - یہ قاعدہ کچھ آسان قاعدہ نہ تھا - اور لوگ اگر ذرا بھی اس سے
بچنے کا حیلہ پا جاتے تھے تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے - چنانچہ ایک بار جب جزیرہ
سسلی میں مکتب کے معلم اس جبر سے بری کر دئیے گئے - تو سینکڑوں آدمیوں نے
اور کام چھوڑ کر یہی پیشہ اختیار کر لیا[۵] +

اس لحاظ سے کل مسلمان فوجی خدمت رکھتے تھے - اور ضرور تھا کہ وہ جزیہ سے اسی طرح

۵ دیکھو معجم البلدان یاقوت حموی - ذکر صقلیہ

بری ہیں جس طرح نوشیروان عادل نے عموماً اہل فوج کو اس ٹکس (جزیہ) سے بری کیا تھا لیکن غیر مذہب والے جو اسلامی حکومت کے ماتحت تھے۔ اور جن کی حفاظت مسلمانوں کو کرنی پڑتی تھی۔ اُنکو فوجی خدمت پر مجبور کرنے کا اسلام کو کوئی حق نہ تھا وہ لوگ ایسی پرخطر خدمت کیلئے راضی ہو سکتے تھے۔ اس لئے ضرور تھا کہ وُہ اپنی محافظت کے لئے کوئی ٹکس ادا کریں۔ اسی ٹکس کا نام جزیہ تھا۔ جو فارسی لغت سے معرب کیا گیا تھا۔ لیکن اگر کسی موقع پر غیر قوموں نے فوج میں شریک ہونا یا شرکت کے لئے آمادہ ہونا گوارا کیا۔ تو وُہ جزیہ سے بری کر دئے گئے جیسا کہ ہم آیندہ تاریخی شہادت سے ثابت کرینگے۔

جزیہ کا مُعاوضۂ حفاظت ہونا مسلمانوں میں علمی عملی طور سے ہمیشہ مسلّم رہا۔ اور سچ یہ ہے کہ اسی خیال نے اکثر اہل لغت کو اس طرف متوجہ ہونے دیا کہ جزیہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔ وُہ سمجھے کہ یہ لفظ جزاء سے نکلا ہے۔ جس کے معنے بدلے کے ہیں اور چونکہ یہ ٹکس بھی ایک مُعاوضہ اور بدلہ ہے۔ لہذا اس مُناسبت سے اُسکا نام جزیہ رکھا گیا۔ آنحضرت صلعم و خلفائے راشدین کے جو مُعاہدے تاریخوں میں منقول ہیں۔ اُنسے عموماً پایا جاتا ہے۔ کہ جزیہ اُن لوگونکی محافظت کا معاوضہ تھا۔ خود رسول اللہ صلعم نے والی ایلہ کو جو فرمان جزیہ کا تحریر فرمایا تھا اُس میں یہ الفاظ مندرج فرمائے یُحفظوا و یمنعوا یعنی اُن لوگونکی حفاظت کیجاوے اور دشمنوں سے بچائے جائیں[۵]۔ حضرت عمرؓ نے وفات کے قریب جو نہایت ضروری وصیتیں کیں۔ اُن میں سے ایک یہ بھی تھی "کہ غیر مذہب والے جو ہماری رعایا ہیں وُہ خدا اور رسول کی ذمہ داری میں ہیں۔ اور مسلمانوں کو اُن کی طرف سے اُنکے دشمنوں سے مقابلہ کرنا چاہئے"۔ اس موقع پر ہم بعض معاہدات اصلی الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔ جن سے نہایت صاف اور صحیح طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ جزیہ صرف حفاظت کا ایک ٹکس تھا۔ اور غیر مذہب والے جو مسلمانوں کی رعایا تھے یہ سمجھ کر یہی ٹکس ادا کرتے تھے "ھذا کتاب من خالد ابن الولید لصلوبا ابن نسطونا و قومه انی عاھدکم علی الجزیة والمنعة فلك الذمة والمنعة۔ ما منعنا کم فلنا الجزیة والا فلا کتب سنة اثنتی عشرة فی صفر[۵]" ترجمہ "خالد بن ولید کی تحریر ہے صلوبا ابن نسطونا اور اُسکی

[۵] دیکھو فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۵۹ ۱۲ [۵] تاریخ کبیر ابو جعفر جریر طبری مطبوعہ یورپ جز خامس صفحہ ۱۲

قوم کے بیٹے۔ میں نے تم سے معاہدہ کیا۔ جزیہ اور محافظت پر۔ پس تمہاری ذمہ داری اور محافظت ہم پر ہے۔ جب تک ہم تمہاری محافظت کریں ہم کو جزیہ کا حق ہے ورنہ نہیں ۱۲ھ صفر میں لکھا گیا"

عمالان اسلام نے عراق عرب کے اضلاع میں وہاں کے باشندوں کو جو عہد نامے لکھے۔ اور جن پر بہت سے صحابہ کے دستخط تھے۔ اُن کے ملتقط الفاظ یہ ہیں "براءة لمن کان من کذا وکذا من الجزیة التی صالحهم علیها الامیر خالد بن الولید وقد قبضت الذی صالحهم علیه خالد والمسلمون لکم ید علی من بدل صلح خالد ما اقررتم بالجزیة وکنتم امانکم امان وصلحکم صلح ونحن لکم علی الوفاء"[۵] ترجمہ "اُن لوگوں کے لئے جنہوں نے اس تعداد کا جزیہ دینا قبول کیا ہے۔ اور جن پر خالد بن ولید نے اُن سے مصالحت کی ہے یہ برأت نامہ ہے۔ خالد اور مسلمانوں نے جس تعداد پر صلح کی وہ ہم کو وصول ہوئی۔ جو شخص خالد کی صلح کو بدلنا چاہے۔ تم لوگ اُس کو مجبور کر سکتے ہو۔ بشرطیکہ جزیہ ادا کرتے رہو۔ تمہاری امان امان ہے۔ اور تمہاری صلح صلح (یعنی جس سے تم صلح کرو ہم صلح کریں گے۔ اور جس کو تم امان دو گے ہم بھی امان دیں گے")"

اس کے مقابلہ میں عراق کی رعایا نے یہ تحریر لکھی "انا قد ادینا الجزیة التی عاهدنا علیها خالد علی ان یمنعون وامیرهم البغی من المسلمین وغیرهم" (طبری صفحہ مذکور) ترجمہ "ہم نے وہ جزیہ ادا کر دیا جس پر خالد سے معاہدہ کیا تھا مسلمان اور نیز تمام قومیں اگر ہم کو گزند پہنچانا چاہیں۔ جو جماعت اسلام اور اُن کے افسر ہماری حفاظت کے ذمہ دار ہوں"۔

اِن تحریروں سے جو ہم نے اس موقعہ پر نقل کیں اور نیز تمام معاہدوں سے جو تاریخوں میں مذکور ہیں۔ بداہتہً یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ اسی اصول کی بنا پر تھا۔ جو نوشیروان عادل نے قائم کیا تھا۔ لیکن اسپر بھی اگر کسی کو شبہ رہے تو ذیل کے واقعہ سے رہا سہا شک بھی رفع ہو جائیگا۔

ابو عبیدہ بن جراح نے شام میں جب متواتر فتوحات حاصل کیں تو ہرقل نے ایک عظیم الشان فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلئے طیار کی۔ مسلمانوں کو اس کے مقابلے میں بڑی مستعدی سے بڑھنا پڑا۔ اور اُنکی تمام قوت و توجہ فوجوں کی ترتیب میں مصروف ہوئی۔ اُسوقت حضرت ابو عبیدہ امین افسر فوج نے اپنے تمام عمالوں کو جو شام کے مفتوحہ شہروں پر

ہ تاریخ طبری صفحہ ۲۰۵۰۔۱۲

مامور تھے لکھ بھیجا - کہ جس قدر جزیہ خراج جہاں جہاں سے وصول کیا گیا ہے سب اُن لوگوں کو واپس دیدو جن سے وصول ہوا تھا - اور اُن سے کہدو کہ ہم نے جو کچھ تم سے لیا تھا اس شرط پر لیا تھا کہ تمہارے دشمنوں سے تمہاری حفاظت کرسکیں - لیکن اب اس واقعہ کے پیش آجانیکی وجہ سے ہم تمہاری حفاظت کا ذمہ نہیں اُٹھا سکتے" ابو عبیدہ کے خاص الفاظ جن میں عیسائیوں سے خطاب ہے - یہ ہیں - "انما رددنا علیکم اموالکم لانہ قد بلغنا ما جمع لنا من الجموع وانکم قد اشترطتم علینا ان نمنعکم وانا لا نقدر علی ذلک وقد رددنا علیکم ما اخذنا منکم" اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی - اور لاکھوں روپے بیت المال سے لیکر اُن لوگونکو پھیر دیئے گئے - جو رقم وصول ہوئی تھی اُسکی کثرت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ صرف حمص سے قریباً آٹھ لاکھ روپے جزیہ و خراج میں ملے تھے عیسائیوں نے مسلمانوں کو دل سے دعا دی اور کہا کہ خدا پھر تمکو ہمارے شہرونکی حکومت دے - رومی ہوتے تو اس موقعہ پر واپس دینا تو درکنار جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ بھی لے لیتے[1] - ان سب باتوں سے زیادہ امر اس دعوے کیلئے دلیل بیّن ہے کہ اگر کسی غیر قوم نے فوجی خدمت پر رضامندی ظاہر کی تو وہ اسی طرح جزیہ سے بری ہے جس طرح خود مسلمان - حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ میں جب حبیب بن مسلمہ نے قوم جراجمہ[2] پر فتح پائی - تو اُن لوگوں نے فوجی خدمتوں میں بوقت ضرورت شریک ہونا خود پسند کیا اور اس وجہ سے وہ تمام قوم جزیہ سے بری رہی - نہ صرف جراجمہ بلکہ بہت سے انباط وغیرہ اور اُسکے متصل کی آبادیوں نے یہ امر اختیار کیا - اور جزیہ سے بری رہی خلیفہ واثق باللہ عباسی کے زمانہ میں وہانکے عامل نے غلطی سے اُن لوگوں پر جزیہ لگایا تو اُنہوں نے خلیفہ کو اطلاع دی اور دربار خلافت سے اُنکی براءت کا حکم صادر ہوا - معاہدات میں یہ تصریح کہ جزیہ کے عوض ہم تمہاری اندرونی اور بیرونی حفاظت کے ذمہ دار ہیں جب حفاظت پر قدرت نہو تو جزیہ کا واپس کردینا - جو قومیں فوجی خدمت پر آمادہ ہوں اُنکو جزیہ سے بری رکھنا - کیا ان واقعات کے ثابت ہونے کے بعد بھی شبہ رہ سکتا ہے - کہ جزیہ کا مقصد وہی تھا جو ہم نے تیسری بحث کے آغاز

[1] یہ پوری تفصیل کتاب الخراج امام ابو یوسف مطبوعہ مصر کے صفحہ ۸۲ و ۸۳ میں مذکور ہے۱۲ [2] ایک عیسائی قوم تھی جو شہر جرجومہ اور اسکے مضافات میں آباد تھی - معجم البلدان میں اس مقام کا ذکر تفصیلاً لکھا ہے ۱۲ فتوح البلدان بلاذری

ہیں بتایا ہے۔ جزیہ کے مصارف یہ تھے لشکر کی آراستگی۔ سرحد کی حفاظت قلعوں کی تعمیر۔ اِن سے بچا تو سڑکوں اور پلوں کی تیاری۔ سررشتہ تعلیم۔ بے شبہ اسطرح ایک خاص رقم سے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہنچتا تھا۔ اور پہنچنا چاہئے تھا مسلمان لڑائیوں میں شریک ہوتے۔ جانیں لڑاتے۔ ملک کو تمام خطروں سے بچاتے پس جسطرح اُنکے جسم و جان سے ذمی رعایا مستفید ہوتی تھی۔ اگر ذمیوں کے مال سے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہنچتا تھا تو کیا بیجا تھا؟ اسکے علاوہ صدقہ کی رقم جو خاص مسلمانوں سے وصول کیجاتی تھی اُسمیں ذمی رعایا برابر کی شریک تھی۔ حضرت فاروق رضہ نے بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا تھا کہ خدا کے اس قول میں انما الصدقات للفقراء والمساکین۔ صدقات فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں، مسکینوں سے عیسائی اور یہودی مراد ہیں[۱]،

جزیہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ بیس روپیہ سالانہ تھی کسی کے پاس لاکھوں روپے ہوں تو اس سے زیادہ دینا نہیں پڑتا تھا عام شرح چھ روپیہ سے اور تین روپیہ سالانہ تھی بیس برس سے کم پچاس برس سے زیادہ عمر والے اور عورتیں۔ مفلوج۔ معطل العضو۔ نابینا۔ مجنون مفلس یعنی جسکے پاس دو سو درہم سے کم ہو۔ یہ لوگ عموماً جزیہ سے معاف تھے۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ ایسا ہلکا ٹکس جسکی تعداد اس قدر قلیل تھی جسکے ادا کرنے سے فوجی پر خطر خدمت سے نجات ملجاتی تھی جسکی بنیاد نوشیروان عادل نے ڈالی تھی۔ کیا ایسی ناگوار چیز ہو سکتی ہے۔ کہ اہل یورپ نے خیال کی ہے؟ کیا دنیا میں ایک شخص نے بھی اس سے بچنے کے لئے اپنا مذہب چھوڑا ہو گا؟ کیا کسی نے اپنے مذہب کو ایسے ہلکے ٹکس سے بھی کم قیمت سمجھا ہو گا؟۔ اگر کسی نے ایسا سمجھا تو ہمکو اُسکے مذہب کے ضائع ہونیکا رنج بھی کرنا چاہئے + جو لوگ جزیہ ادا کرتے تھے اُنکو اسلام نے جس قدر حقوق دئے۔ کون حکومت اس سے زیادہ دے سکتی ہے؟ لیکن چونکہ ہمارے مضمون کے عنوان سے یہ بحث کسی قدر دور پڑ جاتی ہے۔ اِسی لئے اس موقع پر ہم یہ بحث چھیڑنی نہیں چاہتے +

[۱] کتاب الخراج امام ابو یوسف ۷۲

شبلی نعمانی غفراللہ لہٗ

تمت